I AM MUFTI & I AM NOT A TERRORIST

۱۱

سال سلاخوں کے پیچھے

اکشر دھام مقدمہ میں ذیلی عدالتوں سے پھانسی کی سزا سنائے جانے کے بعد
سپریم کورٹ سے باعزت رہا ہونے والے عبدالقیوم کی
دردناک سچی داستان

: بقلم :
(مفتی) عبدالقیوم احمد حسین منصوری

ناشر
جمعیۃ علماء احمد آباد / جمعیۃ علماء مہاراشٹر

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ
A	مقصد کتاب	V
B	تأثرات : حضرت مولانا سید ارشد مدنی ادام اللہ فیوضہم علینا	VII
C	تأثرات : حضرت مولانا مستقیم احسن اعظمی صاحب دامت برکاتہم	X
D	تأثرات : جناب گلزار احمد اعظمی صاحب دامت برکاتہم	XII
۱	میرا اغواء	1
۲	ناقابل برداشت ظلم وتشدد کا آغاز	7
۳	من گھڑت اور واہیات کہانی	12
۴	کرائم برانچ کا کھانا	33
۵	غیر قانونی حراست اور ہیبئس کورپس	35
۶	باقاعدہ ریمانڈ کا آغاز	36
۷	کشمیر کا سفر	39
۸	میرا انکاؤنٹر	51
۹	گناہ کیسے قبول ہو؟	58
۱۰	نارکوانالسیس ٹیسٹ، لائی ڈیٹیکٹر ٹیسٹ اور برین میپنگ	60
۱۱	حملے کی کہانی سنگھل کی زبانی	63
۱۲	میرے خلاف الزامات، گواہ وثبوت اور ان پر سپریم کورٹ کا تبصرہ	71
۱۳	دوار دو خطوط	87
۱۴	دہشت گردی، اسلام اور میڈیا کا رول	101
۱۵	جیل کیا ہے؟	106
۱۶	جیل کی تاریک دنیا میں	110
۱۷	ہائی سکیورٹی	110
۱۸	جیل کے شب وروز واصطلاحات	111
۱۹	جیل کے مختلف شعبے وہنر	117
۲۰	جیل کا کھانا	120
۲۱	وکیل ملاقات	121

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ
۲۲	ملاقات اور خط وکتابت (آب حیات)	122
۲۳	انسپیکشن راؤنڈ	127
۲۴	میرے قیدی ساتھی	129
۲۵	جیل میں رمضان المبارک کی آمد بابرکت	130
۲۶	قیدیوں کو کھانا کھلانا	131
۲۷	فکو العانی (قیدیوں کو چھڑاؤ)	133
۲۸	جیل میں عیدین	136
۲۹	حفظ قرآنِ پاک کی دولت	138
۳۰	انفرادی واجتماعی اعمال ودعائیں	140
۳۱	خصوصی پوٹا کورٹ کا ججمینٹ	142
۳۲	دس کھولی	146
۳۳	بڑا چکر منتقلی	146
۳۴	ہندو قیدیوں کا سلوک	147
۳۵	سپرنٹنڈنٹ وجیل عملہ	148
۳۶	پولیس اسٹیشن اور ہماری پولیس	152
۳۷	میرے والد ودیگر متعلقین کی غمناک وفات	156
۳۸	گجرات ہائی کورٹ کا فیصلہ	160
۳۹	سپریم کورٹ آف انڈیا، جمعیۃ علماء ہند اور جمعیۃ علماء مہاراشٹر کا کردار	161
۴۰	میرے قابل وکلاء	164
۴۱	میرے ہمدرد ومحسنین	168
۴۲	رب لطیف پر توکل	171
۴۳	لوگوں کی دعائیں ومبشرات	172
۴۴	سپریم کورٹ کا انصاف وانسانیت سے بھرپور تاریخی فیصلہ	175
۴۵	بے شرمی کی انتہاء	180
۴۶	گھر واپسی	188

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقصد کتاب

الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلیٰ اٰله وصحبه أجمعین إلی یوم الدین. أما بعد

16 مئی 2014ء جمعہ کا دن نہ صرف میرے اور عام مسلمانوں کے لئے بلکہ انسانیت کا دم بھرنے والے ہر انصاف پسند شخص کے لئے خوشی کا دن تھا۔ جس دن ہمارے ملک کی سپریم کورٹ نے اکشر دھام حملے کے مقدمہ میں مجھے اور تمام ملزمین کو باعزت بری کر دیا۔

سپریم کورٹ کے اس قابل فخر ججمینٹ میں جہاں عدالت عظمیٰ کی سچائی، ایمانداری، حقوق انسانی کی پاسداری اور قانون کی بالا دستی نظر آتی ہے۔ وہیں حکومت، طاقت اور وردی کا ناجائز استعمال کرنے والے انسان نما بھیڑیوں کی بھی نشان دہی ہوتی ہے۔

سن 2002 میں گودھرا ٹرین کا سانحہ اور اسکے بعد ہوئے مسلم کش فسادات میں گجرات کے مسلمان کو دوہری مار جھیلنی پڑی تھی۔ ایک جانب مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ املاک تباہ کی گئی۔ اسے اجاڑ دیا گیا اور دوسری جانب اسے ہی مورد الزام ٹھہرا کر غلط مقدمات میں پھنسایا گیا اور برس ہا برس تک اسے جیل کی گمنام اندھیریوں میں دھکیل دیا گیا۔ اس دوسرے ظلم میں احمد آباد کرائم برانچ نے بھرپور رول اداء کیا۔ 2002 سے 2004 تک بنجارا اینڈ کمپنی کے شباب کا دور تھا۔ ظلم کی کھلی آزادی تھی۔ جسے چاہا مقدمات میں پھنسا دیا جسے چاہا فرضی انکاؤنٹر میں مار دیا۔ اگر کسی پر رحم کیا تو فروتی لے کر اسے گواہ بنا دیا۔ خاص کر مظلوموں اور متاثروں کے حق میں آواز اٹھانے والے اور اجڑے ہوؤں کو آباد کرنے والے اور رفاہِ عام اور خدماتی کام کرنے والے کرائم برانچ کے ظلم کا شکار اور ہدف بنے۔

الحمد للہ میرا شمار بھی بسانے والوں میں تھا اجاڑنے والوں میں نہیں۔ 1997ء میں فراغت کے بعد سے مختلف انسانی وسماوی آفات مثلاً 2000ء میں کنڈلا میں پانی کا سیلاب، 2001ء میں بھوج زلزلہ اور 2002ء میں گودھرا فسادات کے موقع پر حسب توفیق باری تعالیٰ باز آبادکاری اور خدماتی کام میں حصہ لیا۔

پس اسی جرم کی پاداش میں 17 راگست 2003ء کو جھوٹ اور مکر وفریب سے کرائم برانچ نے میرا اغواء کر لیا۔ اسکے بعد ظلم وتشدد اور حیوانیت کی ایک لمبی داستان ہے جو میں نے یہاں بیان کی ہے۔

یہ صرف میری روداد وآپ بیتی نہیں بلکہ غلط مقدمات میں پھنسے سلاخوں کے پیچھے سڑ رہے ہر مظلوم وبے بس انسان کی داستان ہے۔

رہائی کے بعد کئی لوگوں نے مجھے اپنی کارگذاری لکھنے کے لئے کہا تھا۔ جس پر میں نے وعدہ کیا تھا۔ آج وعدہ پورا کر رہا ہوں اور کارگذاری آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

یہ کوئی کتاب یا تصنیف نہیں بلکہ دل کے احساسات ہے۔ یہی وجہ ہے اس روداد میں آپ کو فصیح الفاظ، ترکیب جملہ اور کلام کا حسن نظر نہیں آئے گا۔ ہاں آپ کو اسکے ایک ایک حرف میں سچائی اور وفا نظر آئے گی۔ کیونکہ اسکی روشنائی میں خون جگر اور اشک بیاضاں کی آمیزش ہے۔ اسی لئے میں نے اسے بالکل عام فہم الفاظ میں زبانی کارگذاری کے طرز پر لکھا ہے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکے۔

میرا مقصد اپنی مظلومیت بیان کر کے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنا نہیں۔ اور نہ ہی مجھے پولیس کو بدنام کرنا یا ان کے خلاف محاذ آرائی کرنا ہے۔ واللہ مجھے کسی بھی پولیس سے کوئی ذاتی نفرت نہیں۔ حتیٰ کہ بنجارا صاحب وغیرہ سے بھی مجھے کوئی عداوت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر میں نے کچھ پولیس افسران کے مظالم کو بیان کیا ہے تو اچھے اور ایماندار افسران کو بھرپُر خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے۔ اور نہ میں نے مظالم بیان کرنے میں غلو یا حد تجاوزی سے کام لیا ہے۔ بلکہ میں نے اپنے اسی انحرافی بیان کی تفصیلات یہاں بیان کی ہے جو میں نے تاریخ 28-09-2003 کو سپریم کورٹ، ہائی کورٹ، پوٹا کورٹ اور دیگر حقوقِ انسانی کے اداروں کو لکھ بھیجا تھا اور تاریخ 30-10-2003 کو پوٹا کورٹ کو موصول بھی ہو گیا تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھیئے Exb.780 سپریم کورٹ ججمینٹ) اس کتاب کے بعد ایک بھی انسان قانون کے بے جا استعمال اور مظالم سے بچ گیا تو میں اسے اپنی کامیابی اور عند اللہ کتاب کی مقبولیت سمجھونگا۔

آخر میں اس کتاب کے شائع کرنے میں جتنے بھی لوگوں نے تعاون کیا ہے۔ ان تمام محسنین کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمام کو خوب خوب جزاء خیر عطاء فرمائے۔ اس کتاب کو ملک وملت کے لئے خیر کا ذریعہ بنائے اور ہر شر و فتن سے محفوظ فرمائے اور ہمارے ملک کو امن کا گہوارہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو قبول فرما کر ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

کمپوزنگ میں عجلت کی وجہ سے یقیناً غلطیوں کے امکانات ہیں۔ اگر کہیں غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع کریں۔ انشاء اللہ اصلاح کر لی جائے گی۔

عبدالقیوم

14 رجمادی الآخر 1436ھ

تأثرات

از : جانشین شیخ الاسلامؒ، محسن ملت

حضرت مولانا سید ارشد مدنی ادام اللہ فیوضہم علینا (صدر جمعیۃ علماء ہند)

ملک کی آزادی کے بعد سے ہی مسلمان اپنے ملک میں فرقہ پرست طاقتوں کی طرف سے برابر مشکلات کا شکار رہا ہے۔ ہندو مسلم فسادات نے بالخصوص اقتصادی اور تعلیمی اعتبار سے مسلمان کی کمر توڑ ڈالی۔ جمعیۃ علماء ہند ہر دور میں تابمقدور کوشش کرتی رہی لیکن فسادات کو روکنے میں ہمیشہ ناکام ہی رہی۔ ایسا لگتا تھا کہ ہر حکومت میں بیٹھے فرقہ پرست پالیسی بنا کر مسلمانوں کو ترقی کی دوڑ میں شرکت سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ کسی جمہوری ملک میں یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہزار ہا ہزار فسادات میں مسلمانوں کی شہادت اور بربادی پر ستر سال میں ایک بھی قاتل قتل کی سزا کا مستحق نہ قرار دیا جا سکا، جس کا مطلب اس کے سوا کیا لیا جا سکتا ہے کہ کسی بھی قاتل کو سزا نہ دیکر مسلمانوں کی بربادی اور قتل و غارت گری کے اس بھیانک سلسلہ کو بند نہ کرنا ارباب اقتدار کی پالیسی رہی ہے۔ فرقہ پرست ذہنیت یہ نہیں چاہتی ہے کہ مسلمان چین وسکون کے ساتھ رہ کر ملک کے دوسرے طبقوں کی طرح مختلف میدانوں میں ترقی کر سکے۔ آزادی کے بعد کم و بیش پچاس سال تک مسلم قوم اسی طرح کے حالات سے دو چار ہوتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ ملک میں الیکٹرانک میڈیا کا دور آ گیا اور کوئی بھی رونما ہونے والا واقعہ پورے ملک میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں بیک وقت دیکھا جانے لگا۔ ایسے وقت میں گجرات کا بدبختانہ فساد ہوا جو ہمیشہ کے لئے ہندوستان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوا۔ مسلم دشمنی اور انسانیت سوز بربریت کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جس کو امن و شانتی کے پیکر مہاتما گاندھی کے گجرات میں مسلم اقلیت کے خلاف فرقہ پرستوں نے اقتدار کے نشہ میں سرعام انجام نہ دیا ہو۔ اور اس وقت پوری دنیا نے ان فسادات کو الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ دیکھا۔ یہاں سے فرقہ پرست ذہنیت نے اپنے پروگرام کو بدلا اور مسلم دشمنی کے لئے ایک نئے پروگرام کو جنم دیا جو میرے خیال میں مسلم کش فسادات سے کم نہیں۔ بلکہ زیادہ بھیانک اور دل کو دہلانے والا ہے۔ اور وہ دہشت گردی اور ملک دشمنی کے الزام میں کسی بھی ابھرتے ہوئے عالم دین یا تعلیم یافتہ ایسے جوان کو جو دس بیس افراد کی ترقی اور تعلیم کا وسیلہ بن سکتا

ہے پکڑ کر جیل میں بند کر دینا ہے۔ جہاں سے گلوخلاصی اور باہر آنے کے راستے اگر مسدود نہیں تو دشوار تر ضرور ہو جائیں۔ اس طرح کے واقعات میں دو چار نہیں بلکہ سیکڑوں جوان ہندوستان میں گرفتار کیے گئے اور خواہ مخواہ الزام لگا کر جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔

جمعیۃ علماء ہند برابر ارباب اقتدار کے روبرو فرضی طور پر صرف مسلمانوں کو دیش مخالف اور ملک کا غدار بتانے کی سازش پر احتجاج کرتی رہی لیکن خاطر خواہ کوئی نتیجہ نکل نہ سکا۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ بدترین کردار کانگریس کے ہوم منسٹر شیوراج پاٹل کا رہا ہے۔ ان کے دور اقتدار میں مسلمان کو قومی سطح پر ملک دشمن ثابت کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ جہاں بھی ملک میں بم بلاسٹ کا کوئی واقعہ رونما ہوتا تھا فوراً ہی مسلمانوں کے سر تھوپ دیا جاتا تھا اور پکڑ دھکڑ سر عام شروع ہو جاتی تھی۔ ہم جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے یہ کہا کرتے تھے کہ بم مارنے والے اور بنانے والے ارباب اقتدار کی چادر میں چھپے ہوئے ہیں، مسلمان نہیں ہے۔ لیکن ہماری بات نہیں سنی جاتی تھی۔ کیونکہ یہ سب کچھ ایک پالیسی کے تحت ہو رہا تھا۔

میں نے 29/ستمبر 2008ء سونیا گاندھی جی کو ایک خط لکھا تھا جس میں کہا تھا کہ ملک کی آزادی کے بعد ہی سے مسلمان پورے ملک میں فسادات کی مار جھیل رہا ہے۔ لیکن کانگریس کے موجودہ ہوم منسٹر کے دور اقتدار میں پورے ملک میں مسلمانوں کو قومی اعتبار سے ملک دشمن ثابت کر ڈالنے کی نئی تحریک پر کام ہو رہا ہے جو انتہائی تشویشناک ہے۔ ان کا میرے پاس جواب بھی آیا کہ کانگریس پارٹی قومی اعتبار سے کسی کو دہشت گردی کا ملزم نہیں گردانتی۔ لیکن حالات میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ آنجہانی ہمنت کرکرے نے تفتیش کی اور وہی ثابت ہوا جو ہم کہتے تھے۔ لیفٹیننٹ کرنل پروہت اور ان کے جیسے دوسرے ملک کی فرقہ پرست پارٹیوں کے کارندے پکڑے گئے اور حقیقت سے پردہ اٹھا۔ لیکن جو مظلوم مسلم جوان جیلوں میں جا چکے تھے وہ بے یار و مددگار جیلوں میں آج تک بند ہیں۔ ایسے ہی بے قصور اور ظلم و تشدد کی زندگی سے لاتعلق لوگوں میں مفتی عبدالقیوم صاحب، جناب الطاف ملک، جناب آدم بھائی اجمیری، محمد سلیم حنیف شیخ، مولانا عبداللہ میاں یٰسین میاں قادری، چاند خان ہیں۔ جن کو احمد آباد گجرات میں اکشر دھام مندر میں ہوئے کیس میں پولیس نے اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنے کے لئے گرفتار کر لیا۔ یہ لوگ کم و بیش ۵/سال سے ۱۱/سال جیل میں بند رہے اور طرح طرح کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنتے رہے۔ گجرات ہائی کورٹ نے

ملزمان الطاف حسین اکبر حسین ملک کو پانچ سال قید بامشقت اور جرمانہ، دیگر تین افراد جناب آدم بھائی سلیمان بھائی اجمیری، مفتی عبدالقیوم، چاند خاں کو پھانسی مع جرمانہ کی سزا تجویز کی۔ لوئر کورٹ اور گجرات کی ہائی کورٹ نے انکو بےقصور اور واقعہ سے لاتعلق ہونے کے باوجود پھانسی کی سزا سنائی تھی۔

جمعیۃ علماء ہند جو مسلم تنظیموں میں سب سے قدیم تنظیم ہے اور اکابر رحمہم اللہ کی بیش قیمت قربانیوں کی وجہ سے بے مثال قیمتی تاریخ رکھتی ہے۔ آگے بڑھی اور یہ فیصلہ لیا کہ ہمیں ان مظلوموں کی قانونی چارہ جوئی میں خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے پورے ملک میں آگے بڑھنا چاہئے اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ جمعیۃ علماء مہاراشٹر نے اس سلسلہ میں جو کردار ادا کیا اور ادا کر رہی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس نے لوئر کورٹ اور ہائی کورٹ کے خلاف فیصلوں کے باوجود سپریم کورٹ میں توکلا علی اللہ ان بےقصوروں کا کیس لڑا اور تین سال کی متواتر جدوجہد کے بعد الحمدللہ ان لوگوں کو باعزت بری کرانے میں کامیاب ہوگئی۔ اب ظلم و زیادتی کی پوری کہانی ثبوت وحقائق کے ساتھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ اس کو پڑھئے اور ہندوستان کی فرقہ پرست پارٹیوں اور ہر سطح پر بیٹھے ہوئے ان کے ظلم وستم اور کالے کرتوتوں کو مظلوموں کی زبانی سنئے اس کے ساتھ ساتھ سپریم کورٹ کے فاضل ججوں نے حقائق تک پہونچنے میں جو اعلیٰ کردار ادا کیا ہے اس کو بھی دیکھئے اور داد دیجئے۔

چونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ جمعیۃ علماء ہند کی یہ ساری جدوجہد مسئلہ کا صحیح حل نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے غور وخوض کے بعد یہ طے کیا ہے کہ مظلوموں پر ظلم وستم کرنے میں ابتداء سے آخر تک جن افسران اور اہلکاروں نے حصہ لیا ہے اور ان لوگوں کی زندگی کو برباد کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ہے ان کے خلاف بھی سپریم کورٹ جائیں، تاکہ فرضی طور پر صرف کہانی بنا کر جوانوں کی زندگی برباد کرنے والوں کو سبق ملے اور آئندہ کے لئے راستہ بند ہو۔ چنانچہ ہم نے تیاری کے بعد درخواست کو سپریم کورٹ میں پیش کیا۔ سپریم کورٹ نے ہمارے حق کو تسلیم کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ ہائی کورٹ ہوتے ہوئے ہمارے پاس آنا چاہئے۔ لیکن ہمارے وکیلوں نے عرض کیا کہ ہمیں وہاں کوئی امید نہیں ہے۔ اس لئے ہماری درخواست کو قبول کر لیا جائے۔ الحمدللہ ان حضرات کی درخواست سپریم کورٹ میں پیش کر دی گئی۔ ہم خدام جمعیۃ علماء ہند اس کاروائی کو اپنی مغفرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور آپ حضرات سے کامیابی کی دعاء کی درخواست کرتے ہیں۔ فقط والسلام

ارشد مدنی

تأثرات

از : حضرت مولانا مستقیم احسن اعظمی صاحب دامت برکاتہم

(صدر جمعیۃ علماء مہاراشٹر)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الامین وعلی آلہ و صحبہ اجمعین ومن تبعھم با حسان الی یو م الد ین .

گجرات کے جناب ''مفتی عبدالقیوم صاحب '' اوران کے ساتھیوں کو گیارہ برس کی ظالمانہ قید و بند کے بعد ملک کی عدالت عظمٰی (سپریم کورٹ) نے باعزت بری کیا، اوراس کیس میں سپریم کورٹ نے جو تاریخی فیصلہ دیا ہے، اور ملک کی انتظامیہ پر گرفت کی ہے اس کے مکمل متن کا اردو ترجمہ جمعیۃ علماء مہاراشٹر شائع کر چکی ہے۔

زیرنظر کتاب میں ''مفتی عبدالقیوم صاحب'' نے اپنی داستان اسیری مرتب کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے کئے جانے والے وحشیانہ مظالم، خودساختہ اقبالیہ بیانات اور محکمہ پولیس کی بربریت کو بے نقاب کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آج کی متمدن کہلائی جانے والی دنیا میں ملزمین کے ساتھ جس طرح کا ظالمانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے اس کو پڑھ کر ہر انصاف پسند شخص کا کلیجہ چھلنی ہوگا ،اس داستان اسیری کا یہ پہلو بڑا تابناک ہے کہ سخت سے سخت صبرآزما مراحل سے گزرنے کے باجود مصنف نے اسلامی اصول وتعلیمات کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے، ان کی یہ داستان اسوۂ یوسفی کا مرقع ہے اور اصحاب کہف کے نوجوانوں کی یاد تازہ کردیتی ہے جن پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے مگر ان کے ایمان ویقین میں ذرہ برابر لغزش نہیں آئی بلکہ ان حالات نے ان کی ایمانی کیفیت کو مزید دوبالا کر دیا۔

الغرض ''مفتی عبدالقیوم صاحب'' کی روداد نہ تو کسی سیاسی قیدی کی آپ بیتی ہے اور نہ کسی مجرم کی داستان بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ کتاب موجودہ دور کے بلالؓ وصہیبؓ اور عمارؓ و یاسرؓ کی داستان ہے جس کو پڑھ کر حرارت ایمانی میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ یہ تعصب اور تنگ نظری کے جذبات سے بالکل پاک ہے، مصنف نے اگر ملک کی انتظامیہ میں بیٹھے کالے بھیڑیوں کو بے نقاب کیا ہے تو وہیں ملک کے انصاف پسند غیر مسلم وکلاء اور جج صاحبان کو خراج تحسین بھی پیش کیا ہے۔

جمعیۃ علماء مہاراشٹر اور مصنف کے اعزہ واقارب نے اس طویل مدت میں جوان کی قانونی اور اخلاقی مدد کی ہے اس کا بھی تذکرہ ہے، خدا کرے کہ اس کتاب کے ذریعہ انتظامیہ کی کرسیوں پر براجمان ظالموں کو اپنے حدود واختیارات کو برتنے کا سلیقہ آجائے۔

اور ہم کو یقین ہے کہ جس طبقہ کی ''مفتی عبدالقیوم صاحب'' نے نشاندھی کی ہے اگر اس کی اصلاح کر دی جائے تو ملک کو رسوائی سے بچایا جاسکتا ہے اور یہی اس کتاب کا اصل پیغام ہے۔

مستقیم احسن اعظمی

باسمہ تعالیٰ

تأثرات

از : جناب گلزار احمد اعظمی صاحب دامت برکاتہم
(سکریٹری قانونی امداد کمیٹی، جمعیۃ علماء مہاراشٹر)

جناب مفتی عبدالقیوم نے اپنی داستان اسیری کا ایک مسودہ روانہ کرتے ہوئے اپنے تاثرات پیش کرنے کا حکم دیا ہے اپنی کمزور بینائی کی وجہ سے احقر اخبارات و دیگر رسالہ جات دوسروں سے پڑھوا کر سنتا ہے، مگر اس مسودہ کا میں نے خود مطالعہ کیا اور تقریباً ۱۸ر گھنٹہ میں پوری کتاب پڑھ لی۔ خدا گواہ ہے کہ وقت مطالعہ میری آنکھیں کئی بار اشکبار ہو گئیں۔

موصوف نے اپنے دلی جذبات اور کیفیات کو جس بہترین انداز میں صفحہ قرطاس پر رقم کیا ہے اس پر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب کا ہر قاری اپنے جذبات پر قابو نہ کرتے ہوئے اپنی آنکھوں کو نم کر لے گا۔

مصنف نے اس کتاب میں کئی مبشرات کا ذکر بھی کیا ہے انہی مبشرات کی روشنی میں یقین کامل ہے کہ سراپا گنہگار ناچیز گلزار ان کی دعاؤں کے طفیل نجات کا مستحق ہو گا۔

آخر میں میری دعاء ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت عام بخشے اور مفتی صاحب کی تحریر کی روشنی میں بے گناہ اسیروں کی دامے، درمے، قدمے اور سخنے تعاون پر کمر بستہ ہو جائے۔

گلزار احمد اعظمی

باسمہ تعالیٰ

میرا اغواء

وہ تاریخ 17-8-2003 کی صبح تھی ، میں ڈابھیل میرے استاذ حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری (دامت برکاتہم) وحضرت مولانا احمد بزرگ صاحب (مہتمم صاحب) اور دیگر کچھ اساتذہ وطلباء سے ملاقات کے بعد کفلیتہ پہونچا ، وہاں انگلینڈ سے ایک صاحب علاج معالجہ کے جدید آلات لائے تھے ، اور ضرورت مند ، قابلِ اعتماد ہسپتالوں کو ہدیہ کر رہے تھے ، ان سے ملاقات کے لئے میرے ہم درس مولوی محمد وید سملکی جو ایک ہسپتال چلا رہے تھے ، مجھے کفلیتہ لے گئے تھے ، وہاں ان صاحب سے بات ہو رہی تھی اور وہ تقریباً پچاس لاکھ کی قیمت کے جدید ترین آلات بطور ہدیہ دینے کے لئے آمادہ تھے ، اور اس مناسبت پر ایک پروگرام طے کرنے کی بات چل رہی تھی کہ صبح 10:00 بجے میرے موبائل پر ایک کال آیا جسکا نمبر دیکھ کر میں بے چین ہو گیا ، کیونکہ جس جناب کا یہ نمبر تھا وہ پچھلے ایک ہفتہ سے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے ، اور میری ہر آدھے گھنٹے کی رپورٹ سنگھل کو دے رہے تھے جس کا خود انہوں نے اعتراف کیا تھا۔
ان جناب کے اقرار کے بعد سے ہی ایسے آثار نظر آرہے تھے کہ کسی بھی وقت مجھے بھی کرائم برانچ کا بلاوا آسکتا ہے کیونکہ مجھ سے قبل کئی عوام وخواص کو کرائم برانچ میں بلایا گیا تھا ، دھمکایا گیا تھا ، مارا پیٹا گیا تھا ، اور غلط مقدمات میں پھنسا دیا گیا تھا ، حتی کہ حضرت الاستاذ حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم ، حضرت مولانا احمد صاحب مظاہری پٹنی دامت برکاتہم ، حضرت مفتی یحیٰ صاحب ، حضرت مفتی رضوان صاحب اور مرحوم حضرت مفتی امتیاز صاحبؒ بھی اس مکروہ ترین مرحلے سے گذر چکے تھے لہٰذا مجھے بھی خطرہ بلکہ انتظار تھا کہ مجھے کب مدعو کیا جاتا ہے؟

آخر کار وہ لمحہ آپہنچا اور تاریخ 17-8-2003 اتوار کے روز صبح ۱۰ بجے ان صاحب کا فون آیا اور سلام بعد یہ گفتگو ہوئی۔

جناب : بھائی تو کہاں ہے؟

عبدالقیوم: کیا کام ہے؟

جناب : سنگھل صاحب بلا رہے ہیں۔

عبدالقیوم: (مجھ سے قبل کئی حضرات کو کرائم برانچ نے راستے سے اغواء کرلیا تھا۔میرے ساتھ میرا بیٹا معاویہ (پانچ سال)، مولانا یوسف منصوری، اپنا بھائی مالپورے والے اور یسین بھائی ڈرائیور تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری وجہ سے ان حضرات کو بھی پریشانی ہو۔ اور پھر میرے بچے کی موجودگی میں مجھے گرفتار کیا جاتا اور مجھ پر ظلم وستم کیا جاتا تو اس کے معصوم ذہن پر جو اثرات پڑ سکتے تھے اس کا مجھے اندازہ تھا، اسلئے میں نے جھوٹ کہا) میں پالنپور رہوں۔

جناب: تو کب آئے گا

عبدالقیوم : میں شام تک آجاؤں گا۔

جناب: پالنپور تو صرف دو تین گھنٹے کا راستہ ہے، تجھے اتنی دیر کیوں ہوگی؟ ان کا تجسس و تحقیقات کا جذبہ اور بڑھ جائے اور مجھے کم از کم 4-6 گھنٹے سکون رہے اس مقصد سے میں نے اپنا موبائل فون بند کر دیا۔ اور وہاں سے فوراً ڈابھیل آیا اور اپنے بزرگوں سے یہ بات بتائی اور دعا کی درخواست کی ۔ کھانے کی دعوت حضرت مولانا محمد سملکی کے گھر تھی لیکن اس تشویش ناک خبر سے نہ صرف میرا بلکہ میرے رفقائے سفر کا کھانا بھی بدمزہ ہوگیا۔ ہاں میرا بیٹا معاویہ جو معاملے کی شدت و سنجیدگی سے ناواقف تھا اس نے بڑے مزے سے کھایا۔

کھانے سے فراغت پر واپسی کا سفر شروع ہوا۔ میں اپنی فکروں میں ڈوبا ہوا تھا، گاڑی اپنی رفتار طے کر رہی تھی ،اور گاڑی کی رفتار سے تیز خیالات و وساوس کی رفتار تھی جو میرے دل ودماغ سے گذر رہے تھے ،اب کیا ہوگا؟ مجھے کیوں بلایا گیا ہے؟ میرے ساتھ کیسا سلوک ہوگا؟ مجھے وہاں جانا چاہیے یا نہیں؟ اگر میرے ساتھ کچھ ہوا تو میرے گھر والوں کا کیا ہوگا؟ ہسپتال کا کیا ہوگا؟

پورا سفر میں نے اور میرے ساتھیوں نے ذہنی پریشانی اور اضطراب میں گذارا، جب کہ میرا بیٹا معاویہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی معصوم حرکتوں اور شرارتوں سے میری دل جوئی کی کوشش کرتا رہا، لیکن اس کی یہ معصوم حرکتیں جو کبھی میرے لئے دل کا سکون اور لذت و فرحت کا باعث ہوا کرتی تھی اب میرے دل کا بوجھ بڑھا رہی تھی۔

شام کو تقریباً 5:00 بجے شہر احمد آباد میں داخل ہو کر سارنگ پور، رنگ بھون کے قریب موبائل چالو(On) کرتے ہی ان صاحب کا فون آ گیا کہ بھائی تو کہاں تک پہونچا ہے؟ (پتہ چلا بیچارے صبح سے فون پر لگے ہوئے ہونگے !!!)

میں نے کہا بس احمد آباد میں داخل ہو رہا ہوں۔ کہنے لگے تو لوکھنڈ والا ہسپتال آ جا، تجھے لینے کے لئے وہ حضرات آئے ہیں اور تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں مغرب کی نماز سے کچھ قبل لوکھنڈ والا ہسپتال پہونچا تو وہاں وہ جناب اور ایک اور صاحب موجود تھے، انہوں نے کہا کہ وہ حضرات (کرائم برانچ والے) آ چکے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہاں مناسب نہیں ہے، آپ حاجی نخی کی مسجد پہونچ جاؤ، وہیں سے لے جائیں گے، میں حاجی نخی کی مسجد گیا اور میرے رفیقِ سفر مولانا یوسف صاحب، کو میرا موبائل، اسکوٹر کی چابی اور دیگر کچھ چیزیں سپرد کی، میرے بیٹے معاویہ کے سر پر ہاتھ پھیرا، اس وقت میرے دل پر کیا گذر رہی تھی اسکا اندازہ شاید آپ حضرات نہیں لگا سکتے، مسجد پہونچتے ہی کرائم برانچ کے تین چار افسران P.S.I. جناب ملک صاحب کی امارت و قیادت میں مسجد میں تشریف لے آئے جو سارے مسلمان تھے!!!

انہوں نے آ کر مجھ سے مصافحہ کیا P.S.I. ملک صاحب مجھ سے اچھی طرح واقف تھے، تاہم سرسری طور پر پوچھا آپ ہی مفتی عبدالقیوم ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں۔ کہا ہم آپ کو لینے کے لئے آئے ہیں، میں نے ان سے پوچھا مجھے کیوں بلایا گیا ہے؟

انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ مولانا عبداللہ کو بھی آج ہی صبح کی نماز کے وقت P.I. اے اے چوہان صاحب پکڑ لائے ہیں، اسلئے آپ تحقیق کر سکتے ہیں، اور گھر والوں کو بھی اطلاع دے دو تا کہ وہ فکر مند نہ ہوں، انشاءاللہ تین چار روز میں ہم آپکو واپس چھوڑ جائیں گے۔ میں نے مولانا یوسف صاحب اور اپنا بھائی سے کہا کہ میرے گھر والوں اور ساتھیوں کو یہ اطلاع

دے دو، شاید اسی وقت ان حضرات نے میرے گھر اور میرے کچھ ساتھیوں کو یہ اطلاع دیدی تھی، چنانچہ میرے کچھ ہمدرد ساتھی مسجد ہی میں آئے اور انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ ہرگز نہ جائیں ہم کرائم برانچ والوں کو ٹال دینگے، میں نے کہا کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا لہٰذا مجھے ضرور جانا چاہیے، دوبارہ .P.S.I ملک کو پوچھنے پر انہوں نے کہا: آپ جو ریلیف کیمپ چلا رہے تھے شاید اُسی کے حساب و کتاب کے سلسلے میں بلایا گیا ہو۔

میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ میرے سفر کی خبر رکھنے والے جناب بھی تقریباً بیس (20) روز کرائم برانچ کے مہمان رہ چکے تھے، چنانچہ میں نے ایک ساتھی کے ذریعہ انہیں بلا بھیجا۔ وہ مسجد میں آنے سے کترا رہے تھے، مسجد کے پچھلے دروازہ کے پاس ماڈھ کے محلّہ میں آئے اور اس ساتھی کے ذریعہ مجھے یہ کہلا بھیجا کہ "بے خوف و خطر جا"۔ تیری تو بنجارا بھی تعریف کرتا ہے کہ عبدالقیوم اچھا آدمی ہے، ہسپتال اور دیگر رفاہی، خدماتی کاموں میں مصروف ہے"۔

مغرب کا وقت ہو رہا تھا، کرائم برانچ کے افسران نے کہا کہ آپ مغرب کی نماز ادا کرلیں ہم مغرب بعد چلیں گے، مغرب کی نماز خوف و ہراس اور وسوسوں کی نذر ہوگئی۔ نماز کے بعد مختصر سی دعاء کی اور میں کرائم برانچ کے افسروں کے ساتھ ہولیا۔

اس وقت میرا گھر حاجی نخی کی مسجد سے متصل ہی تھا۔ پولیس والوں کے ساتھ نکلتے ہوئے میں نے صحن سے اپنے گھر والوں کو الوداعی اشارہ کیا۔ مجھے کہاں پتہ تھا کہ گھر والوں سے یہ جدائی صرف دو چار دن کی نہیں بلکہ 11 (گیارہ) سالوں کی ہے!

بہرحال مکر و فریب سے میرا اغواء کر کے کرائم برانچ کے ایک کانسٹیبل نے مجھے اپنی بائیک پر سوار کرلیا۔

میں حسرت بھری نگاہوں سے اپنی پیاری مسجد اور محلّہ کو دیکھ رہا تھا اور لوگوں کی شکلیں اپنی آنکھوں میں بسا رہا تھا۔ دریاپور چاروات سے گذرتے ہوئے خلیل بھائی کی چائے کی دکان پر میں نے اپنے والد (مرحوم) کو چائے پیتے ہوئے دیکھا اور صرف ہاتھوں سے اشارہ کیا، کسے علم تھا کہ میں اب اپنے والد کی معیت و صحبت کبھی بھی نہیں پا سکوں گا! اپنا بھائی اور مولوی یوسف کرائم برانچ کی آفس تک میرے پیچھے آئے، اور بڑی حسرت و بے چارگی سے مجھے الوداع کہہ کر واپس ہوئے۔

عشاء سے قبل گائیک واڑ کی حویلی، کرائم برانچ پہونچ کر جناب .P.S.I ملک صاحب مجھے ایک خستہ حال عمارت کی دوسری منزل پر لے گئے وہاں ایک ہال نما کمرہ تھا جہاں میں نے مولوی عبدالصمد حیدرآبادی اور دیگر کچھ مظلوموں کو آنکھوں پر پٹی اور ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی حالت میں بے بس و مجبور دیکھا۔ مولوی عبدالصمد چونکہ میرے محبوب ترین مادرِ علمی جامعہ ڈابھیل سے فارغ تھے اس لئے میں ان سے بخوبی واقف تھا، دیگر حضرات میں سے اکثروں کو بعد میں پوٹا کے دوسرے مقدمات میں ڈالکر جیل بھیج دیا گیا اور وہاں تعارف ہوا تھا۔ ایک لمحہ تو میں ان مظلوموں کو دیکھ کر اپنی فکر بھول گیا لیکن میں خود مجبور تھا۔ مجھے وہاں ایک افسر .P.I ماوانی کی آفس میں لے جا کر بٹھادیا گیا اور .P.S.I ملک اور محبوب ملک نے مجھے سونے اور نماز کے لئے ایک چادر دی اور کھانا لاکر دیا۔ ملک صاحب نے اپنا دستی رومال نکال کر میری آنکھوں پر باندھ دیا اور مجھے دیوار کی طرف منھ کر کے اُلٹا بٹھادیا۔ عشاء کی نماز بڑی رغبت و استحضار کے ساتھ پڑھی اور کھانا بڑی بے رغبتی سے کھایا۔ آنکھوں پر پٹی بندھی حالت میں زبان پر جو اوراد و اذکار آرہے تھے پڑھ رہا تھا اور دل ہی دل میں اللہ سے خیر و عافیت کی دعاء کر رہا تھا، دل میں بے چینی و اضطراب تھا خیالات و وساوس پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ رات کے تقریباً 11 بجے جناب ملک صاحب آئے، میرا ہاتھ پکڑ کر سیڑھی اتار کر نیچے لائے سیڑھی اترتے ہی بائیں ہاتھ پر .A.C.P جی۔ایل۔ سنگھل (گریش کمار لکشمن بھائی سنگھل) کی آفس میں لے گئے اور میری آنکھوں سے پٹی ہٹادی وہاں ٹیبل کے پیچھے سنگھل صاحب تشریف فرماں تھے۔ انہوں نے ملک صاحب و دیگر کو آفس سے باہر نکال دیا اور پھر کچھ دیر تک مجھے گھورتے رہے (بعد میں تجربہ ہوا کہ یہ تفتیش کا ان کا اپنا طریقہ تھا) بس وہ مجھے گھورتے رہے اور الحمدللہ میں نے بھی انکی آنکھوں میں آنکھیں جمائے رکھی (کیونکہ وہاں کی مہمان نوازی سے مشرف ایک صاحب نے مجھے بتلایا تھا کہ سنگھل صاحب اگر آپ کو گھورنے لگے تو آپ آنکھیں مت چرانا ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ آپ مجرم ہیں) کچھ دیر آنکھ مچولی کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ آنکھوں کو تکلیف دینے کے بعد آخر کار انہوں نے اپنی زبان کو تکلیف دی اور ہمارے درمیان یہ گفتگو ہوئی :

سنگھل: تجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟

عبدالقیوم: صاحب مجھے پتہ نہیں ہے

سنگھل: سوچ کر بتا، کچھ تو ہوگا جس کی وجہ سے تجھے یہاں لایا گیا ہے؟

عبدالقیوم: (چونکہ آج صبح ہی مولوی عبداللہ صاحب کو بھی یہاں لایا گیا تھا، اسی طرح تقریباً 15-20 روز سے عبدالرحمٰن بھائی پانارا بھی ان کی حراست میں تھے اس لئے میں نے سوچا کہ شاید بواہر حال ریلیف کیمپ کے حساب کتاب کے معاملے میں بلایا گیا ہو، میں نے جواب دیا کہ) کیمپ کے حساب کتاب کے سلسلے میں بلایا گیا ہے۔

سنگھل: اور سوچ کر بتا تو نے کیا کیا ہے؟

عبدالقیوم: صاحب میں نے کچھ نہیں کیا

سنگھل: (کچھ دیر گھورنے کے بعد) حیدر آباد سے کون آیا تھا؟

(میں نے چونکہ اوپر مولوی عبدالصمد کو دیکھ لیا تھا اور احمد آباد ان کی آمد ورفت تھی، لہٰذا یہ سمجھ کر کہ انہیں کے متعلق سوال پوچھا جا رہا ہے، میں نے جواب دیا)

عبدالقیوم: مولوی عبدالصمد آئے تھے۔

سنگھل: اور کون آیا تھا؟

عبدالقیوم: حیدر آباد کے بہت سے طلباء ڈابھیل پڑھتے تھے وہ بھی احمد آباد آتے تھے، اس پر انہوں نے سوالات کا رُخ اچانک بدل دیا اور پوچھا:

سنگھل: لیاقت سے کیا بات ہوئی تھی؟

(یہاں بھی مجھے غلط فہمی ہوئی اور میں یہ سمجھا کہ لیاقت چونا والا جس سے میری بے تکلفی تھی اور میں اکثر اس سے ہنسی مذاق کرتا تھا رات میں 3-2 بجے بھی اسے فون کر کے پریشان کرتا تھا، میں یہ سمجھا کہ کوئی ایسا ہی شرارت بھرا فون ٹیپ کر لیا گیا ہے) چنانچہ یہ سوال سن کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

ناقابل برداشت ظلم وتشدد کا آغاز

میری مسکراہٹ پر جناب سنگھل صاحب بھڑک اٹھے اور مجھے گندی گالی دی اور اٹھ کر مجھے ڈنڈے سے پیٹنا شروع کردیا کچھ ڈنڈے مارنے کے بعد کہا: جاکل تجھے پتہ چل جائیگا کہ تجھے ہم یہاں کیوں لائے ہیں؟

اوراس طرح ایک ناقابلِ بیان، ناقابلِ یقین، بے انتہا ظلم وستم اور وحشت و بربریت سے بھرپور غمناک داستان کا آغاز ہوا۔

مجھے آنکھوں پر پٹی باندھ کر دوبارہ ماوانی کی آفس میں بھیج دیا گیا۔

اُس رات دیر سے پھر جناب ملِک اور .P.I اے۔اے۔چوہان (اشرف چوہان) تشریف لائے۔ جناب اشرف چوہان صاحب مسلمان تھے لیکن ان کے کارنامے یہودی کو بھی شرما دینے کے لئے کافی تھے۔انہوں نے کہا تجھے اور مفتی سفیان کو ملک مخالف حرکتیں نہیں کرنی چاہیئے ۔ میں نے کہا صاحب میں نے کوئی غلط حرکت نہیں کی ہے۔اس کے بعد ملک صاحب نے سرگوشی کے انداز میں کہا آپ کو شاید کسی بڑے معاملے کی تفتیش میں لایا گیا ہے، آپ ہمت سے کام لینا، ہم بڑے صاحب سے آپ کی سفارش کی کوشش کریں گے۔ یہ بات ہورہی تھی کہ اچانک P.S.I ماوانی آگیا اوراس نے ملِک صاحب کو ڈانٹا کہ اسے کیا سکھارہے ہو؟ وہ دونوں حضرات چلے گئے۔ کرائم برانچ کی یہ پہلی رات بڑی تاریک وخوفناک معلوم ہورہی تھی۔ چھوٹی سی کیبین نما آفس، اندھیری رات اور پھر آنکھوں پر پٹی **ظلمات بعضها فوق بعض** کی تصویر پیش کررہی تھی۔ گہری رات کی خاموشی میرے خوف و ہراس اور ذہنی اضطراب کو بڑھاتی تھی۔ اللہ اللہ کرتے اس لمبی رات کی صبح ہوئی۔ صبح بظاہر خاموش و پرسکون تھی لیکن وہ خاموشی طوفان سے پہلے کی تھی۔

دوپہر تقریباً بارہ بجے پھر مجھے لینے کے لئے ایک کانسٹیبل آگیا کہ بنجارا صاحب بلارہے ہیں۔

گرفتاری سے قبل جناب والا کا نام اور کام سن رکھا تھا۔ رو برو دیدار تاریخ 18-8-2003 پیر کے روز دوپہر کو نصیب ہوا۔ سنگھل کی آفس کے سامنے بنجارا کی آفس تھی۔ آفس میں لے جاکر میری آنکھوں سے پٹی ہٹائی گئی تو وہاں کاؤنٹر ٹیبل کے پیچھے لال داڑھی والے

چشمہ لگائے ہوئے بنجارا صاحب تشریف فرماں تھے۔ اور انکی بائیں جانب کرسیوں پر کچھ دوسرے افسران بیٹھے تھے جن میں سے سنگھل صاحب سے گذشتہ رات تعارف ہو چکا تھا۔ دوسرے حضرات P.I. وی۔ ڈی۔ ونار، P.I. آر۔ آئی۔ پٹیل وغیرہ تھے جن سے بعد میں واقفیت ہوئی۔ مجھے لے جا کر ان کے جوتوں کے پاس زمین پر بٹھا دیا گیا اور بات کا دور بنجارا نے اپنے ہاتھ لیا اور گذشتہ رات والا سوال دہرایا کہ حیدرآباد سے کون آیا تھا؟ میں نے وہی جواب دیا: مولانا عبدالصمد صاحب آئے تھے۔ بنجارا نے کہا کہ ڈنڈا پارٹی کو بلاؤ۔ ڈنڈا پارٹی یہ پانچ، چھ افراد پر مشتمل درندوں اور وحشیوں کی ایک جماعت تھی جو بھوکے بھیڑیوں کی طرح مظلوم و بے بس لوگوں پر ٹوٹ پڑتی تھی اور جب تک وہ لوگ خود مارتے ہوئے تھک نہ جاتے مار پیٹ اور ظلم وستم کا سلسلہ جاری رہتا تھا، یا پھر مار کھانے والا مر جائے یا بے ہوش ہو جائے تو افاقہ ہونے اور ہوش آنے تک یہ سلسلہ رک جاتا اور تب تک مارنے والے بھی تازہ دم ہو جاتے تھے۔

چنانچہ ڈنڈا پارٹی آ گئی جن کے بھیانک چہرے ہی مجھے خوف زدہ کرنے کے لئے کافی تھے۔ انہوں نے آ کر میرے ہاتھ میں بیڑیاں ڈال دی، ایک موٹے تازے بھینس جیسے ظالم نے مجھے کمر سے دبوچ لیا ایک نے میرے دونوں پیر پکڑ لئے۔ دو شخص نے باوجود یہ کہ میرے ہاتھوں میں بیڑیاں تھی میرے دونوں ہاتھ کندھوں سے پکڑ لئے اور مجھے الٹا کھڑا کر دیا۔ اور وی۔ ڈی۔ ونار نے میری پیچھے کی جانب انتہائی درندگی اور نہایت جوش وخروش سے ڈنڈے برسانے شروع کیے۔ الحمدللہ ہر ڈنڈے کی ضرب پر میں ''اللہ اکبر'' کی صدا لگا رہا تھا۔ جب میں اللہ اکبر کہتا تو بنجارا نہایت ہی گندی گالیاں بک کر کہتا کہ تمہارا اللہ تمہارا ساتھ چھوڑ کر ہمارے پاس آ گیا ہے۔ دیکھ آج ہمارے پاس حکومت ہے، پاور ہے، سب کچھ ہے۔ تمہارے پاس کیا ہے؟ اگر اللہ تیرے ساتھ ہے تو بسم اللہ پڑھ کر یہ بیڑیاں توڑ دے اور رہا ہو کر دکھلا دے۔ اس طرح وہ میری بے بسی اور کمزوری کا مذاق اڑاتا تھا۔ اللہ رب العزت، جنت، حور وغیرہ کے متعلق نہایت ہی گھٹیا اور ناقابل بیان تبصرہ کر کے اپنے دل کی خباثت وگندگی کا ثبوت دیتا رہتا۔ (الحمدللہ! میرا اللہ ہر حال میں میرے ساتھ تھا۔ اس نے قید کو بھی میرے لئے خیر کا ذریعہ بنا دیا۔ اور پھر جب مناسب

سمجھا باعزت رہائی عطاء فرمادی۔ بنجارا صاحب نے اپنے خط (لیٹر بم) میں اپنے جس خدا کا ذکر کیا ہے اگر وہ انکے ساتھ ہوتا تو شاید انہیں جیل جانے کی نوبت ہی نہ آتی)

وی۔ڈی۔ ونار (وکھت سینھ دیوی سینھ ونار) کا تعارف اگر میں ان الفاظ میں کروں کہ ظلم اور ونار تصویر وسکّہ کے دورُخ تھے تو بیجا نہیں ہوگا۔ میں نے اپنی زندگی میں اس سے بڑا ظالم شخص نہیں دیکھا۔ اسکے تعصب اور اسلام دشمنی کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دوران رمانڈ یہ جنگلی درندے کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑتا۔ مجھے لہولہان کر دیتا، بے ہوش کر دیتا، پھر بھی اسکے اسلام دشمن جذبات کو تسکین نہیں ہوتی تھی اور یہ اسلام ومسلمانوں کو لے کر ناقابل بیان گندے تبصرے کرتا اور مجھے اکثر کہتا کہ ہماری پولیس، حکومت اور عدالتیں بے وقوف ہیں کہ مقدمات درج کر کے تم لوگوں پر فضول خرچی کرتے ہیں۔ تم لوگوں کو تو گولی ماردینی چاہئے۔

میری جیل کسٹڈی کے بعد ایک منظم سازش کے تحت اسے دریاپور پولیس اسٹیشن کا انچارج بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یہاں اس نے قومی یک جہتی، مشاعرہ، اجتماعی نکاح وغیرہ کے بھی پروگرام کر کے لوگوں کو دھوکا دینے کی بھر پور کوشش کی تھی (بلی سو چوہے کھا کر حج کو چلی)۔ اس نے اپنے کچھ ایجنٹوں کے ذریعہ یہ بات پھیلانے کی بھی بھر پور کوشش کی کہ عبدالقیوم، مولوی عبداللہ وغیرہ واقعۃً گنہگار ہیں اور ان حضرات نے 200 کروڑ روپئے لیکر اکشردھام پر حملہ کروایا تھا۔ کاش یہ شیطانی کارندے یہ خبریں پھیلانے سے قبل میری ماں کی بے بسی وغربت کو دیکھتے!!!

خیر کتنے ڈنڈے برسائے معلوم نہیں، آخر ونار تھک گیا اور اسکی سانس پھولنے لگی تو وہ رُک گیا، تب بنجارا نے اپنے مدعےٰ اور مقصد پر آتے ہوئے براہ راست یہ سوال کیا کہ: بتا اکشر دھام مندر پر حملہ کس نے کروایا تھا؟ اس وقت میرے پیروں تلے سے زمین سرک گئی اور کلیجہ منھ کو آ گیا، زبان کانٹے کی طرح خشک ہوگئی اور مجھے معاملہ کی سنگینی کا احساس ہوا کہ مجھے کس بھیانک جرم میں پھنسانے کی سازش ہورہی ہے میں نے پوری قوت سے چلا کر کہا کہ خدا کی قسم! میں بالکل بے قصور ہوں اور میں اس معاملے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ بنجارا نے برہم ہو کر ونار سے کہا: مارو اسے۔ اس ظالم نے دوبارہ میری سرین پر نہایت ہی جنون و پاگل پن سے ڈنڈے برسانے شروع کئے یہاں تک کہ میرے کپڑے خون سے تر ہو گئے تو کہا گیا ہاتھوں پر مارو۔ پھر میری ہتھیلیوں پر

اتنے ڈنڈے برسائے کہ ہتھیلیوں کا رنگ بدل گیا اور دونوں ہتھیلیاں ہری ہوگئی بنجارا کی نظر میرے پیروں پر پڑی تو کہنے لگا موٹا تازہ ہے بھینس جیسے پیر ہے اس کے پیروں پر ڈنڈے برساؤ۔ چنانچہ ظالموں نے مجھے گرا دیا اور وہ موٹا ومکروہ چہرہ والا شخص مجھے الٹا لٹا کر میری پیٹھ پر بیٹھ گیا، دوسرے دو لوگ میرے پیروں پر بیٹھ گئے۔ دو لوگوں نے میرے ہاتھ اور سر کو پکڑ لیا پھر ونار نے اسی حالت میں میرے پیروں کے تلووں پر ڈنڈے برسانے شروع کئے۔ بس یہ ظالم ڈنڈے برساتا رہا۔ جب تھک جاتا تو کچھ دیر رک جاتا اور اس کے رکنے پر بنجارا گالی دیکر کہتا اور مارو کیوں رک گئے؟ وہ کہتا: صاحب تھک گیا ہوں تھوڑا آرام کرلوں، پھر وہ مارنا شروع کرتا پیروں سے ہٹ کر پیچھے مارنا شروع کرتا۔ مجھے معلوم نہیں کہ کتنے گھنٹوں تک یہ سلسلہ چلا اور مجھے کتنے ڈنڈے مارے گئے میرے اندازہ سے کم از کم ڈیڑھ سو، دوسو ڈنڈے ضرور مارے تھے آخر کار میں بے ہوش ہوگیا اور میرے منھ سے اللہ اکبر اور چلانے کے بجائے جب کراہنے اور سسکنے کی آوازیں نکلنے لگی تو یہ سلسلہ رک گیا۔ مجھے ہوش میں لانے کے لئے میرے منھ پر پانی چھڑکا گیا اور مختلف ترکیبیں کی گئیں۔ جب میں کچھ ہوش میں آیا تو میں نے پانی طلب کیا۔ جس پر مجھے پانی اور کافی پلائی گئی۔

پیروں کے تلوے بے شمار ڈنڈے مارے جانے کی وجہ سے بالکل ہرے ہوگئے تھے اور ہاتھوں اور پیروں میں ورم آنا شروع ہوگیا۔ چلنا تو درکنار میں اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ لیکن افسوس کہ بنجارا کو ذرا بھی صبر نہیں تھا جیسے ہی میں بات چیت اور مار پیٹ کے قابل ہوگیا مجھے پکڑ کر اٹھایا گیا اور اب کی بار بنجارا نے یہ کہا کہ اکشردھام مندر پر حملہ کرنے کے لئے تو نے حیدرآباد سے کسے بلایا تھا۔ سوال کا منشا یہ تھا گویا میں تو اکشردھام مندر پر حملہ کا ملزم ہوں یہ بات مسلم ہے۔ اب مجھے حملہ آوروں اور سازش میں شریک دوسرے افراد کے نام بتانے تھے۔ میں نے کہا صاحب میں بے قصور ہوں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ تو مجھے پوچھا گیا A......بھائی کو جانتا ہے؟ میں نے کہا نہیں جانتا۔ بنجارا کے حکم پر A......بھائی کو طلب کیا گیا۔ چنانچہ A.......بھائی کو بھی اسی طرح آنکھوں پر پٹی بندھی حالت میں آفس میں لیکر آئے اور اسی پٹی باندھی حالت میں مجھ سے کہا گیا کہ تو اسے جانتا ہے؟ میں کہا نہیں جانتا تو کہا گیا یہ تجھے جانتا ہے۔

اس کے بعد اول میری آنکھوں پر پٹی باندھی گئی اور اس کے بعد شاید A......کی آنکھوں سے پٹی ہٹائی ہوگی۔ چنانچہ ان سے پوچھا گیا کہ تو اسے جانتا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، یہ مفتی عبدالقیوم ہے۔ اب میری آنکھوں سے بھی پٹی ہٹائی گئی اور کہا دیکھ تجھے اچھی طرح جانتا ہے تو اسے کیوں نہیں جانتا؟ A......سے کہا گیا تو اسے بتا تو اسے کیسے جانتا ہے؟ انہوں نے بتانا شروع کیا: یہ مفتی عبدالقیوم صاحب جو بواہر حال میں ریلیف کیمپ چلاتے ہیں ان کے ساتھ عبدالرحمٰن پانارا اور خالد شیخ بھی ہیں یہ لوگ کیمپ کے انچارج ہیں اور اس کے بعد انہوں نے ایک نہایت ہی گھنونی اور گھٹیا کہانی بیان کرنا شروع کی۔

قارئینِ کرام! میں یہاں ایک وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اوپر کی سطروں میں A...... بھائی کے تعلق سے جو باتیں بیان ہوئی اور ذیل کی سطروں میں انکے حوالہ سے جو کہانی بیان کی جارہی ہے اس معاملے میں وہ بالکل بے قصور ہیں۔ کیونکہ وہ بیچارے مجھ سے بھی قبل تاریخ 9راگست سے کرائم برانچ کی حراست میں تھے۔ میں سمجھ سکتا تھا کہ جیسا ظلم مجھ پر کیا گیا ہے ویسا ہی بلکہ ہوسکتا ہے مجھ سے زیادہ ان پر ظلم کیا گیا ہو۔ چنانچہ عدالتی حراست کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بھی مظلوم اور بے بس تھے اور ناقابلِ برداشت ذہنی اور جسمانی اذیتیں دے کر انہیں کرائم برانچ کی تیار کی ہوئی ایک جھوٹی کہانی پڑھنے اور قبول کرنے کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ اسمیں وہ ذرہ برابر بھی قصوروار نہیں۔

اور صرف A...... بھائی ہی نہیں بلکہ ہم تمام کو باہم ایک دوسرے کے خلاف بولنے پر خوب مجبور کیا گیا اور اسی طرح آپسی تقسیم و مشورہ کے بعد حسبِ ذیل جھوٹی کہانی تیار کی گئی تھی اسلئے نہ صرف ہمارے مقدمہ کے ساتھی بلکہ گواہ حضرات کو بھی جب تک وہ کرائم برانچ میں تھے میں مورد الزام نہیں سمجھتا، جیسا کہ PW-51 عبدالرحمٰن بھائی پانارا نے اول کرائم برانچ کے خوف سے جھوٹی کہانی دہرائی، لیکن جرح کے دوران اس نے پوٹا کورٹ کے سامنے کرائم برانچ کے جھوٹ کو بے نقاب کر دیا اور اسکی گواہی بھی ہماری رہائی میں مددگار ثابت ہوئی۔ ہاں کرائم برانچ سے نجات پانے کے ایک زمانہ بعد بھی عدالت میں آکر کرائم برانچ کی من گھڑت کہانی دہرانے والے جھوٹے گواہ ضرور گنہگار ہیں۔ انہیں ہرگز معاف نہیں کیا جاسکتا۔

من گھڑت اور واہیات کہانی

بہر حال A... بھائی نے یہ سٹوری بیان کرنا شروع کی "میں A... بھائی ہوں عبدالرحمٰن پانارا، مناف ریڈیٹراور ناصر ڈومن میرے دوست ہیں۔ میں عبدالرحمٰن پانارا وغیرہ کو بواہر ہال پر ملنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ وہاں مفتی صاحب سے ملاقات ہوتی تھی۔ میرا بھائی عبدالرشید اور کالو پور کے سلیم بھائی اور احمد آباد و گجرات کے دیگر بہت سے مسلمان سعودی (ریاض) میں ملازمت کرتے ہیں۔ عبدالرشید وغیرہ سے ہم نے گجرات فسادات کی کارگزاری، بواہر ہال و دیگر کیمپوں میں لوٹے پیٹے بے بس و مجبور مسلمانوں کی خستہ حالی کو بیان کیا۔ ہم نے مسلمانوں کے قتل عام اور مالی نقصان کا بدلہ اور انتقام لینے کے لئے میرے بھائی اور سلیم بھائی وغیرہ سے تعاون کی درخواست کی تھی جس پر انہوں نے کہا تھا کہ مقامی ذمہ داروں سے بھی مشورہ اور تعاون کی درخواست کرو۔ چنانچہ میں، عبدالرحمٰن، مناف، ناصر ڈومن ہم لوگ مفتی عبدالقیوم اور مولانا عبداللہ صاحب سے مشورہ کرنے کے لئے بواہر ہال گئے تھے اور ان حضرات نے نہ صرف مفید مشورے دئے بلکہ ہماری حوصلہ افزائی بھی کی تھی اور کہا تھا "بالکل آگے بڑھو جہاں تعاون کی ضرورت ہو ہمیں بات کرنا" بس اتنا سننا تھا کہ مولانا عبداللہ صاحب کو طلب کر لیا گیا اور ان حضرات کی موجودگی میں مجھے پھر نہایت بے دردی سے پیٹنا شروع کیا۔ میری پٹائی دیکھ کر یہ دونوں حضرات بھی کانپ رہے تھے اور مولانا عبداللہ صاحب دبے دبے الفاظ میں میری سفارش کر رہے تھے۔ میں مار کھاتے ہوئے زمین پر گر کر نیم بے ہوش ہو گیا تب تک مجھے مارتے رہے۔ اب آدم بھائی کی باری تھی۔ میں اپنی نیم بے ہوشی کی حالت میں اس بے چارہ کی دردناک چیخ و پکار اور جگر خراش اور پتھر کو رلا دینے والی آہیں اور سسکیاں سن رہا تھا، لیکن افسوس میں بے بس تھا۔ میں چونکہ اپنے پیروں سے چل بھی نہیں سکتا تھا اسلئے کچھ لوگ مجھے اٹھا کر کرائم برانچ میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ پر واقع P.I. آر۔ آئی۔ پٹیل (رمیش بھائی ایشور بھائی پٹیل) کی آفس میں ڈال گئے۔ مجھے 12:00 سے 1:00 بجے کے درمیان لے گئے تھے واپس لائے اس وقت مغرب عشاء کے

درمیان کا وقت تھا اور پتہ نہیں میرے بعد ان دونوں حضرات پر کیا گذری؟ اور کب تک انہیں ستایا گیا؟

تاریخ 18/8/2003 پیر کا دن میری زندگی کا آزمائش بھرا دن تھا جس دن مجھے نا قابلِ بیان اور نا قابلِ برداشت اذیتیں دی گئیں اور دو دو مرتبہ بے ہوش کر دیا گیا اور یہ بات مجھ پر واضح ہوگئی کہ اکشر دھام مندر پر حملے میں مجھے پھنسانے کی سازش ہو چکی ہے۔

رات میں مجھے کھانا دیا گیا۔ میرے ہاتھ پیر سوج کر اور زیادہ موٹے اور گیند کی طرح گول ہو گئے تھے۔ ان ہاتھوں سے کیونکر کھایا جا سکتا تھا۔ میں ہاتھ، پیر اور پیچھے کی جانب ہو رہے بے انتہا درد کی وجہ سے سسکیاں اور آہیں بھر رہا تھا۔

اسی حال میں خون آلود کپڑوں کے ساتھ عشاء کی نماز بیٹھ کر ادا کی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا، اور اس وقت اللہ رب العزت کی ذات حکیمانہ کا تقرب واستحضار، دل کی کیفیت اور ایمان کا جو مزہ تھا واللہ اسکی بات ہی کچھ اور تھی، اس وقت صحابیٔ رسول ﷺ حضرت خباب بن ارتؓ کی وہ بات سمجھ میں آئی کہ مجھے برہنہ پیٹھ مکہ کی پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا اور دھوپ میں لٹایا جاتا اور کوڑے برسائے جاتے، میرے سینے پر بھاری وزنی پتھر رکھے جاتے اور میری پیٹھ و جسم کو لوہے سے داغا جاتا تھا۔ خدا کی قسم! اس وقت میرے دل کی جو کیفیت اور ایمان کی جو لذت تھی آج وسعت و سہولت کے ایام میں وہ کیفیت اور ایمان کا وہ مزہ نہیں رہا۔

اگلی رات کی طرح یہ رات بھی خوف و ہراس اور فکر و اضطراب میں گذری، کرائم برانچ کے ان بہادر و قابل افسران کا یہ معمول تھا کہ یہ حضرات دیر رات تین چار بجے تک ظلم و ستم کی محفلیں سجاتے، کبھی سنگھل کی آفس سے کسی مصیبت زدہ کی جگر خراش چیخیں بلند ہوتی، کبھی بنجارہ کی آفس سے زمین و آسمان کو رلا دینے والی آہیں سنائی دیتی تو کبھی ونار اور آر۔ پٹیل کی آفسوں سے مظلوم و بے بس انسان کی آہ و زاری اور رحم کی بھیک و دہائی سنائی دیتی، لیکن ان آہوں اور سسکیوں پر خون آشام درندوں کی چنگھار اور وحشیوں کے قہقہے غالب آجاتے تھے۔

رات بھر ظلم و ستم کا بازار گرم رہتا۔ رات میں تقریباً تین چار بجے یہ حضرات ملک کی

خدمت (؟) کر کے تھکے ماندے اپنے گھروں کو جاتے اور صبح ۱۱ بجے واپس تشریف لے آتے تھے۔ بس یہ چند گھنٹوں کا وقفہ کچھ پرسکون ہوتا تھا۔ صبح ۱۱ ربجے آفسروں کی آمد شروع ہوتی اور ہمارے لئے ایک نیا دن نئی مصیبتوں کے ساتھ شروع ہوتا تھا۔

چنانچہ تاریخ 19/8/2003 منگل کی دوپہر پھر تقریباً ایک بجے بنجارا کی آفس کی گھنٹی بجی۔ وہاں ہر آفسر کی اپنی اپنی پسند کی مختلف گھنٹیاں تھیں۔ یہاں دو گھنٹیاں (Door Bell) قابل ذکر ہے (۱) بنجارہ کی آفس کی گھنٹی ڈنگ ڈونگ والی تھی (۲) اور سنگھل کی آفس میں چڑیا کی مسلسل چہچہاہٹ والی گھنٹی تھی۔ مظلوموں کو مختلف ماتحتی افسران P.I,P.S.I. وغیرہ کی نگرانی میں رکھا جاتا تھا، مجھے تاریخ 17/8/2003 کی پہلی رات ماوانی کی آفس میں اس کے بعد کچھ روز P. I. آر۔آئی۔ پٹیل کی آفس میں اور آخری پچیس تیس روز V. D ونار کی آفس میں P.S.I بھرت پٹیل کی نگرانی میں رکھا گیا تھا۔ پورے چالیس روز میری آنکھوں پر پٹی اور دونوں ہاتھوں میں بیڑیاں لگائی جاتی تھیں۔ حتی کہ رات کو سونے کے وقت بھی ایک ہاتھ اور ایک پیر میں بیڑی لگا کر ٹیبل یا کسی بھی جالی کے ساتھ بیڑی کا دوسرا حصہ لاک کر دیا جاتا تھا۔ اس حال میں پرسکون نیند کیسے آسکتی تھی؟ ہاں! نماز، کھانا اور استنجاء کے لئے ایک ہاتھ ضرور کھولا جاتا تھا۔

مجھے سب سے زیادہ تکلیف و درد استنجاء کے وقت ہوتا تھا۔ خون و پیپ کی وجہ سے ایزار پیچھے سرین سے اس قدر سختی سے چپک جاتی تھی کہ استنجاء کے وقت اسے طاقت لگا کر کھینچنا پڑتا تھا۔ بڑی مشکل سے ایزار چمڑی سے الگ ہوتی اور خون و پیپ پھر بہنا شروع ہو جاتا اور اسی حال میں استنجاء کرنا پڑتا تھا۔

بنجارہ کی ڈنگ ڈونگ اور سنگھل کی چہچہاہٹ پورے کرائم برانچ میں سنائی دیتی تھی۔ ہوتا یہ تھا کہ دوپہر میں تقریبًا 12:00 بجے بعد اِن آفس کی گھنٹیوں (Door Bell) کی آواز شروع ہو جاتی تھی، جیسے ہی ڈوربیل بجتی ہمارے دلوں کی دھڑکنیں بجنا شروع ہو جاتی تھی، چھوٹے سے پنجرے میں قید پرندہ رہائی کے لئے جیسے اِدھر سے اُدھر ٹکراتا ہو، ویسی ہی حالت ہمارے دلوں کی ہوتی، ایسا معلوم ہوتا گویا دل اِدھر سے اُدھر پسلیوں کے ساتھ ٹکرا رہا ہے، ڈوربیل

(Door Bell) بجنے کے بعد جیسے کمزور بلی خونخوار کتے کو دیکھ کر آنکھیں چُرا لیتی اور منہ چھپاتی ہے بے چاری یہ سمجھتی ہے کہ شاید کتا اُسے نہ دیکھ سکے، ڈور بیل کے بعد ہمارا بھی یہی حال ہوتا تھا۔ بیل کی آواز سُنتے ہی ہم آنکھیں جھکا لیتے، بالکل دیوار سے منہ لگا لیتے اور زبان پر قرآن اور ذکر و اوراد جاری ہو جاتے، اور خطرے کے احساس پر بلی کی طرح کان کھڑے ہو جاتے اور پھر آنے والے قدموں کی آہٹ و آواز جیسے جیسے قریب ہوتی دھڑکنیں تیز ہونے لگتی اور قدموں کی آہٹ ہم میں سے کسی کے پاس آ کر رُک جاتی اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا جاتا کہ بنجارا صاحب اور سنگھل صاحب بلا رہے ہیں، کلیجہ اُچھل کر منہ کو آجاتا اور آنکھوں میں اندھیری چھا جاتی، قدم بوجھل ہو جاتے تھے۔ اور اگر قدموں کی آہٹ کسی اور جانب بڑھتی اور کچھ دیر تک کوئی بُلاوا نہ آتا تو ہم دل ہی دل میں اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے اور جس بیچارے کو بلایا گیا ہو اُس کے لئے دعاء کرتے اور اُسکی مظلومیت پر آنسوں بہا لیتے۔

تاریخ 19-8-2003 منگل کو دو پہر میں پھر بنجارا کی آفس کی گھنٹی (Door Bell) بجی، اس بار جب آفس میں لے جا کر میری آنکھوں سے پٹی کھولی گئی تو وہاں A...... کے علاوہ مولوی عبداللہ، عبدالرحمٰن پانارا، مناف ریڈیٹر، ناصر ڈومن، محبوب الٰہی ٹیلر وغیرہ حضرات کو موجود پایا، یہ حضرات میرے محلّہ ہی کے باشندے تھے۔ مولوی عبداللہ صاحب حاجی یحیٰ کی مسجد میں امام تھے، عبدالرحمٰن پانارا ماڈھ کے محلّہ میں رہتے ہیں، میرے اچھے دوست ہیں۔ باقی حضرات سے بھی میں واقف تھا، بعد میں معلوم ہوا تھا کہ میری طرح اِن حضرات کو بھی کئی روز پہلے سے لا کر غیر قانونی طور پر بٹھا دیا گیا تھا، اور شیرینی تقسیم کی جا رہی ہو اِس طرح ہر ایک کو کچھ نہ کچھ رول دیکر ایک نہایت ہی جھوٹی اور بے سر و پا کہانی تیار کی گئی تھی اور "قضی علی الغائب" (کسی کی غیر موجودگی میں اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا) کے طور پر میرے ذمہ بھی کچھ رول بلکہ شاید سب سے بڑا رول تھا۔

اُس من گھڑت جھوٹی کہانی کا اگلا حصہ آگے بیان ہو چکا کہ آدم بھائی و دیگر حضرات مجھ سے اور مولانا عبداللہ صاحب سے مشورہ کے لئے آئے تھے اور ہم نے نہایت ہی قیمتی مشورے

دیگر اِن حضرات کی نہ صرف رہنمائی کی بلکہ تعاون کی پیش کش بھی کی تھی۔اب کہانی کچھ اِس طرح آگے بڑھی ، مجھے پوچھا گیا:اکشر دھام مندر پر حملہ کرنے کیلئے حیدر آباد سے تونے کن لوگوں کو بلایا تھا؟میں نے کہا صاحب مجھے پتہ نہیں،بس پھر وہ جسمانی و ذہنی اذیتوں کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بالآخر میں نے نا قابلِ برداشت ظلم وتشدد سے تنگ آ کر اسلحہ ڈال دئے اور کہہ دیا کہ ٹھیک ہے صاحب،آپ جو کچھ کہیں میں ماننے کے لئے تیار ہوں،اب مار پیٹ بند ہو گئی اور آپسی مشورہ سے امور طے ہو رہے ہو اِس طرح ہمیں آپس میں کردار طے کرنے کے لئے بات چیت اور مشورہ کا موقع دیا گیا۔

رمانڈ کے ابتدائی ایام میں نہ صرف ہمیں اپنا کردار طے کرنے کے لئے بات چیت اور مشورہ کا موقع دیا گیا بلکہ مختلف مقدمات میں سے انتخاب کا حق بھی دیا گیا تھا! چنانچہ ہمارے ساتھی سلیم بھائی کو اکشر دھام، گودھرا سانحہ اور ہرین پانڈیا تین میں سے کسی ایک مقدمہ کے انتخاب کے لئے کہا گیا۔ مجھے بھی ایک مرتبہ سنگھل صاحب نے کالی گیند جیسی ایک چیز بتا کر یہ "چرس" ہے کہتے ہوئے چرس ضبطی کے مقدمہ میں پھنسانے کی بھی دھمکی دی تھی۔

دورانِ رمانڈ مجھے بجلی کے کرنٹ بھی بہت دیے گئے،میرے ہاتھوں کی تمام انگلیوں میں کلپ لگا کر اُس کے ساتھ ایک چھوٹے سے الیکٹرک (بجلی کے) مشین کے تار لگائے جاتے اور پھر اُس میں ایک ہینڈل تھا وہ گھمایا جاتا تھا جس سے میرے پورے جسم میں کرنٹ اور بجلی کی لہر دوڑ جاتی تھی ،اِسی طرح کبھی کبھی بیز بال کے ڈنڈے جیسا ایک بجلی کا ڈنڈا تھا وہ میرے جسم کے مختلف حصوں پر لگایا جاتا اور اس سے مجھے کرنٹ دیا جاتا تھا۔ میری انگلیوں میں ناخن کے نیچے سوئیاں چُبھو دی جاتی تھی ، رمانڈ کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ملزم کو انگریزی کا اُلٹا۔ٹی (یعنی دونوں پیر پھیلا کر) "⊥" بنایا جاتا تھا.

ظلم وتشدد کے کچھ شرمناک طریقے

(۱) ظلم کا ایک نہایت ہی بہیمانہ طریقہ یہ تھا کہ ملزم کی ایزار کی آستینیں نیچے سے باندھ دی جاتی اور ایزار میں اوپر سے زندہ چوہے چھوڑ دیئے جاتے تھے۔

(۲) ریمانڈ وتشدد کا ایک شرمناک طریقہ یہ تھا کہ ملزم کو برہنہ کر کے اسکی شرمگاہ میں جبرً اموٹا ڈنڈا داخل کیا جاتا تھا اور پچکاری کے ذریعہ اندر پیٹرول ڈالا جاتا تھا۔ اس وقت کے درد و تکلیف کو مبتلیٰ بہ ہی جانتا ہے۔

(۳) ایک اور وحشیانہ طریقہ یہ تھا کہ عضوتناسل کے سراخ میں بجلی کا تار لگا کر کرنٹ دیا جاتا تھا۔

(۴) خواتین کی عزت وحرمت سے ناآشنا ان ہوس خوروں کے تشدد کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ملزم کے سامنے اس کی ماں، بہن، بیوی، بچی کے ساتھ نہایت ہی گھٹیا، ناقابلِ بیان فحش کلام کیا جاتا۔ اسکی آنکھوں کے سامنے ان قابلِ احترام خواتین کے ساتھ بدفعلی کی دھمکی دی جاتی تھی۔ بلکہ بعضے مقدمات میں صرف دھمکی ہی نہیں واقعتہً یہ شرمناک حرکت کر کے ملزم کو گناہ کے اقرار پر مجبور کیا گیا تھا۔

مجھے بھی شرمگاہ پر کرنٹ دیئے جانے اور ان معزز خواتین کے تعلق سے یہی دھمکیاں دی گئیں۔ لیکن الحمدللہ، اللہ رب العزت نے مذکورہ بالا ذلت سے حفاظت فرمائی۔ کاش ان خواتین کے تعلق سے کوئی بات زبان سے نکالنے سے قبل بنجارا اپنی ماں، بہن، بیٹی کو مدنظر رکھتا۔

بنجارا کی بہ نسبت سنگھل میں کچھ نہ کچھ انسانیت وشرافت ضرور تھی، اس نے مار پیٹ اور گالی گلوچ بھی بہت کم کی، کبھی کبھی نرمی واخلاق سے بھی پیش آیا۔ لیکن شاید یہ بھی کرائم برانچ کے ظلم کا ایک طریقہ تھا کہ ایک مارے اور دوسرا سہلائے۔ تاریخ 29-8-2003 جمعہ کے دن جس دن اکشر دھام مقدمہ میں ہماری گرفتاری کا اعلان ہوا، رات میں مجھے سنگھل نے بلایا اور کہا: دیکھ ،ہم نے تجھے اکشر دھام مقدمہ میں گرفتار کیا ہے اور کل عدالت میں تجھے پیش کرینگے، وہاں ہمارے خلاف کوئی شکایت مت کرنا۔ میں نے روتے ہوئے کہا کہ صاحب آپ نے مجھے اِتنے بڑے مقدمہ میں پھنسا دیا؟ میری حالت دیکھ کر شاید اُسکے دل پر اثر ہو رہا تھا، کہنے لگا: میں مجبور تھا، مجھ پر ''اُوپر'' سے دباؤ تھا، لیکن تو فکر مت کر، میں تیرے گھر کی ضروریات کا خیال رکھونگا، میں نے کہا اُسکی ضرورت نہیں، الحمدللہ میرے دوست اچھے ہیں وہ خیال رکھیں گے ، مجھے صرف ایک فون کرنے کی اجازت دیجئے، تو کہا کس کو سلمان کو فون کرنا ہے؟

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ غلط اور بکواس مقدمہ کے باوجود میرے سارے حالات میرے دوست، میری مجالس، میرے سفر و دیگر تمام معلومات اِن حضرات نے ہمارے ہی کچھ بھائیوں کے تعاون سے جمع کر رکھی تھی! یہی نہیں اِن کے پاس میرے جمعہ کے بیانات کی کیسٹیں بھی تھیں۔ چنانچہ دوران ریمانڈ جب میں آہستہ سے جواب دیتا تو کہا جاتا بلند آواز سے بات کر، میں کہتا سر میری آواز پست ہے۔ تو کہا جاتا ہمیں معلوم ہے تیری آواز کیسی ہے۔ پھر مجھے کہا جاتا کہ ہمارے پاس تیرے جمعہ کے بیانات کی کیسٹیں ہیں۔ تو اندلس کے مسلمانوں کی بربادی کی بہت داستان سناتا ہے!

اُن دنوں میں .I.B سے بھی دو افسر (ایک موٹے تازے، گورے، تقریباً پچاس سے ساٹھ سال عمر تھی اور دوسرے دبلے، سانولے پینتالیس اور پچاس کے درمیان کی عمر ہوگی) آتے تھے، دو تین روز تک مجھے دو۔ دو، تین۔ تین گھنٹے لیکر بیٹھتے اور کہتے'' کچھ بتا دے یار'' میں کرائم برانچ کی یہی گھسی پٹی کہانی شروع کرتا تو کہتے بکواس بند کر یار، یہ سب جھوٹ ہے، یہ سب چھوڑ، کوئی اور کام کی صحیح بات بتا، لیکن میرے پاس اس کہانی کے علاوہ کیا ہوسکتا تھا، وہ بھی مایوس ہو کر چلے جاتے۔

ابتداء میں ایک رات میں ایک پستہ قد سیاہی مائل رنگت والے سفاری (کپڑے) پہنے ہوئے صاحب بنجارا کی آفس میں تشریف فرما تھے مجھے اُن کے سامنے پیش کیا گیا، وہ صاحب بنجارا کی کرسی پر بیٹھے تھے اور بنجارا و دیگر افسران اُن کے سامنے دائیں بائیں ادب سے بیٹھے تھے اُنہوں نے اول مجھے مانوس کرنے کے لئے کہا کہ دیکھو'' میں مسلمان نہیں، لیکن پھر بھی میں جب بھی کھانا کھاتا ہوں تو بِسْمِ اللّٰہ اور کھانے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہْ پڑھتا ہوں، میری بیوی مجھ سے جھگڑا بھی کرتی ہے کہ کیا آپ مسلمان ہو گئے ہیں؟ یا اگلے جنم میں مسلمان تھے؟'' میں کہتا ہوں میں یہ سب نہیں جانتا لیکن اِتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ کھانا جو ہم کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، مجھے اُن کی باتوں سے غلط فہمی ہوئی کہ شاید کوئی انصاف پسند اور انسانیت نواز افسر ہیں، اسلئے میں نے ہمت کر کے کہا کہ صاحب میں آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے

کہا ٹھیک ہے۔انہوں نے بنجارا کے علاوہ تمام افسران کو آفس سے باہر نکال دیا۔ میں نے کہا بنجارا صاحب کو بھی نکال دیجئے۔اُنہوں نے تعجب سے کہا: بنجارا کو بھی نکال دوں؟ میں نے کہا جی ہاں، انہوں نے بنجارا سے کہا جایئے صاحب آپ بھی جایئے۔اُس وقت بنجارا کی شکل قابلِ دید تھی، اب صرف ہم دو تھے،انہوں نے کہا کہئے کیا کہنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا صاحب میں بالکل بے قصور ہوں، مجھے غلط پھنسایا جارہا ہے،آپ میری مدد کیجئے اور اِس مقدمہ کی جانچ C.B.I. کو دے دیجئے۔ اِتنا سننا تھا کہ وہ صاحب بھڑک اُٹھے اور کہا ''ملا جی آپ نے مجھے پہچاننے میں غلطی کی ہے، میں کسی اور ایجنسی کا نہیں بلکہ انہی پولیس کا آدمی ہوں،اب میں آپ سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتا''۔اور واقعتاً اُس رات کے بعد کبھی اُن صاحب کا دیدار نصیب نہیں ہوا،لیکن دوسرے روز میری شامت آ گئی۔دوپہر میں مجھے بُلایا گیا،اُس وقت بنجارا صاحب کا غصہ ساتویں آسمان پر تھا، مجھے دیکھتے ہی ''نالائق مجھے میری آفس سے بھگاتا ہے کہہ کر گالیوں کی بوچھار شروع کردی،اور رونار کو مجھ پر مسلط کردیا اُس نے حیوانیت ودرِندگی کا وہ نمونہ اور ننگا ناچ پیش کیا جس کو بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہے۔''

بہرحال آدم بھائی،عبدالرحمٰن،مناف اور ناصر کے حصہ میں یہ کردار آیا کہ اِن حضرات نے میٹنگ کی،سعودی فون کرکے وہاں سے -/25,00,000 (پچیس لاکھ) کی امداد طلب کی اور انہوں نے پچیس لاکھ کے بجائے مختلف مرحلوں میں قسطوں پر صرف -/66000 بھیجے جس میں سے -/20000 الٰہی درزی کو لوٹا دیے،اور صرف -/46000 ہی سے کام چل گیا (واہ! بھائی واہ!) اور پھر آدم بھائی کو چونکہ سعودی سے حکم دیا گیا تھا کہ آپ حیدرآباد جائیں وہاں ابوطلحہ اور ایوب سے آپکی ملاقات ہوگی اور وہ آپ کو اگلے منصوبے سے آگاہ کریں گے۔آدم بھائی ہم سے مشورہ کرکے حیدرآباد گئے،وہاں ایوب اور ابوطلحہ سے ملاقات ہوئی۔

قارئینِ کرام!

ابوطلحہ کون ہے؟ یہاں ابوطلحہ کا تھوڑا سا تعارف ہوجائے تو بیجا نہیں ہوگا۔

اسکوٹلینڈ یارڈ پولس سے زیادہ قابل، بہادر اور جدید آلات سے لیس ہمارے اِن بہادر

افسروں نے پوٹا کے تقریباً تمام ہی مقدمات میں ابوطلحہ نامی شخصیت کو سب سے بڑا سازشی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اکشردھام، ہرین پانڈیا، ٹفین بم، جئے دیپ پٹیل فائرنگ مقدمہ، گنیش کھوڑے انکاؤنٹر، سریل بلاسٹ سازش ودیگر کئی مقدمات میں مذکورہ صاحب کو فرار ملزم بتایا ہے، جب کہ خود یہاں کی سیشن کورٹ نے بلاسٹ کی سازش کے مقدمہ کے فیصلہ میں یہ تحقیق لکھی ہے کہ ابوطلحہ ایک فرضی شخص ہے!

آپ ہی سوچئے کہ مذکورہ مقدمات میں جس شخص کو کرائم برانچ نے سب سے بڑا سازشی قرار دیا ہے اور اُس کے کندھوں پر اتنے بڑے مقدمات کی عمارت قائم کی تھی جب یہ بنیاد ہی نہیں رہی تو عمارت کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ مگر افسوس کہ دیگر مقدمات میں ذیلی عدالتوں نے اتنے اہم نکتے کو غیر ضروری سمجھا، اور اِس ابوطلحہ کے وجود کی تحقیق ہی نہیں کی!!!

بہر حال ایوب اور ابوطلحہ نے آدم بھائی کو یہ کہا کہ ہم آدمی اور اسلحہ بھیجیں گے، آپ اپنے مقامی علماء سے مل کر اُن کے لئے قیام وطعام کا انتظام اور ہدف کے انتخاب میں ان کا تعاون کرنا، اور فون سے ہمارے ساتھ رابطہ رکھنا۔ آدم بھائی اپنے ساتھ ایک دوست عبدالواحد کو لیکر گئے تھے تاکہ بعد میں وہ ان کے خلاف کرائم برانچ اور عدالت میں گواہی دے سکے اور ایک بہترین کہانی بنانے میں معین ومددگار ہو! وہاں سے واپسی پر آدم بھائی نے ہم کو ساری کارگزاری سنائی اور عبدالرحمٰن کو آنے والے مہمان کے لئے کرایہ کا مکان، بجلی، پانی، بستر وغیرہ کا انتظام کرنے کے لئے کہا۔ اور عبدالرحمٰن نے لیاقت بھائی سے مکان اور سہراب کے ذریعے بجلی کا انتظام کیا، اور آدم کے حکم پر ناصر ڈومن نے موبائل فون تقسیم کئے، عبدالرحمٰن اور محمود بھائی کو ایک ایک فون دیا تاکہ وہ ابوطلحہ اور ایوب کے فون ریسو (اُٹھا) کر کے انہیں اطلاع دیں! اور ماشاء اللہ قربان جایئے کرائم برانچ کی اِس کہانی پر کہ دو مرتبہ وہ لوگ اسلحوں سے لیس ہو کر حملہ کے لئے آئے، لیکن عبدالرحمٰن ومحمود کے فون بند تھے اسلئے پہلی مرتبہ "نارول" اور دوسری مرتبہ "کھیڈا، باریجڈی" سے واپس ہوئے!

اب یہ تو وہ قابل افسران ہی بتا سکتے ہیں کہ حیدرآباد سے آنے والے حملہ آور نارول اور باریجڈی سے کیسے واقف تھے؟ اور وہاں تک کیسے پہونچے؟ کیا کوئی خاص ٹرین تھی جسے وہ نارول

کاروٹ دیا گیا تھا؟ یا یہ کہ بائے روڈ آئے تھے اور آمد ورفت میں کہیں بھی انکی کوئی تلاشی نہیں ہوئی؟اور .I.B،اور پولیس کو اسکی کوئی اطلاع نہیں ہوئی؟ جبکہ کئی بار ایسا ہوا کہ'' دہشت گرد'' بائے روڈ بمبئی سے نکلے اور .I.B نے خفیہ اطلاع جاری کی اور ناروِل تک انہیں نہایت ہی ادب واحترام سے آنے دیا گیا اور پھر ہمارے یہی بہادر افسران (بنجارا اینڈ کمپنی) ناروِل پہونچے اور ناکہ بندی کی۔ دہشت گردوں کے پاس .A.K.47 اور دستی بم تھے اور ہمارے بہادروں کے پاس ریوالور تھی! مٹھ بھیڑ ہوئی اور گولیوں کا تبادلہ ہوا اور کچھ ہی دیر میں ہمارے بہادروں نے دہشت گردوں کو ڈھیر کر دیا! (اِس مضمون پر زیادہ کلام نہیں کرتا ورنہ میرا اصل مضمون طویل ہوجائیگا)

بہر حال دو مرتبہ فون بند ہونے کی وجہ سے حیدرآباد سے آنے والے مہمان واپس ہوئے،جس کی بناء پر آدم بھائی نے عبدالرحمٰن اور محمود بھائی سے فون لے لئے اور انہیں مکان وغیرہ کے انتظام کے لئے جو کچھ رقم دی تھی وہ واپس طلب کی،جس کی وجہ سے اُن کے آپس میں تھوڑی نارضگی بھی تھی ،اُس کے باوجود آدم بھائی نے تیسری بار پھر انہیں اطلاع دی کہ حیدرآباد سے جو مہمان آنے والے تھے وہ آچکے ہیں اور انہیں ریلوے اسٹیشن لینے کے لئے جا رہا ہوں،اور انشاء اللہ بہت جلدی آپ ایک بہت بڑی خوشخبری سنیں گے،(یہاں سے عبدالرحمٰن بھائی کا کردار ختم ہوگیا)۔

اب یہ تو کرائم برانچ کے وہ قابل افسران یا انکے فاضل وکیل جو اُس وقت بھی برابر کرائم برانچ میں آتے اور افسران کی رہنمائی اور کہانی بنانے میں تعاون کرتے تھے بتا سکتے ہیں کہ ایک ایسا آدمی جسے ہم نے سازش سے نکال دیا ہے اور جس سے آدم بھائی اور میری بھی نارضگی ودشمنی ہے (جیسا کہ عبدالرحمٰن بھائی کے بیان میں ہے کہ کیمپ میں دودھ کے پاوڈر کی تقسیم اور اجتماعی نکاح کے موقع پر لڑکیوں کو جہیز دینے کے متعلق انکا مجھ سے اختلاف اور ناراضگی تھی) ہم اُسے اتنا بڑا راز کیسے بتا سکتے ہیں؟ ہاں، بچوں میں ایسا ضرور ہوتا ہے کہ کھیل کود میں جب جھگڑا ہوتا ہے تو بطورِ فخر رازدارانہ انداز میں اپنا آئندہ منصوبہ ظاہر کر دیتے ہیں۔ آگے آدم بھائی کا رول یہ ہے کہ

انہوں نے فدائین کو ریلوے اسٹیشن سے لاکر اپنے بھائی کے گھر دودھیشور میں ٹھہرایا، وہ تین مہمان جن کے نام ایوب (ڈاکٹر نمبر1) مرتضیٰ (ڈاکٹر نمبر2) اور اشرف (ڈاکٹر نمبر3) تھے۔ رات بھر دودھیشور رہتے، دن میں بواہر ہال چاروات میرے پاس قیام کرتے تھے۔ آدم بھائی نے انہیں رکشہ میں احمد آباد شہر کے مختلف مندر اور بھیڑ بھاڑ والی جگہیں دکھائی۔

لیکن فدائین نے اُن تمام جگہوں کو نامنظور کردیا۔ پھر آدم بھائی انہیں گاندھی نگر اکشر دھام مندر لے گئے جسے انہوں نے پسند کرلیا اور پھر حملہ کے ایک روز پہلے بروز پیر فدائین تنہا اکشر دھام مندر گئے اور اِن حضرات نے مندر میں جا کر مکمل معائنہ کیا اور مناسب جگہیں اور لوکیشن ذہن میں بٹھالیا۔ (حالانکہ پیر کے روز اکشر دھام بند ہوتا ہے!!!)

ہمیں جب جیل میں بھیج دیا گیا، وہاں ہائی سکیورِٹی یارڈ میں کچھ اور قیدی بھی تھے جن پر یہ الزام تھا کہ اُن حضرات نے گجرات کے اُس وقت کے .C.M اور کچھ سیاسی رہنماؤں کے قتل کی سازش کی تھی اور اس مقصد سے سمیر خان (جسے بعد میں انکاؤنٹر میں مار دیا گیا تھا) پاکستان سے ہندوستان آیا اور بذریعۂ ٹرین سورت پہونچا۔ وہاں ایک گیسٹ ہاؤس میں قیام کیا اور کرائم برانچ کے انہیں قابل افسران نے سازش بے نقاب کی اور سمیر خان اور دوسرے کچھ لوگوں کو گرفتار کرلیا۔ بعد میں دورانِ سماعت عدالت کے سامنے یہ بات آئی کہ سورت ٹرین آمد کی جو تاریخ بتائی گئی تھی وہ تاریخ ہی غلط تھی، اُس تاریخ کو تو ٹرین سورت سے روانہ ہوتی ہے، نہ کہ سورت آتی ہے!!!

ہمارے اِس مقدمہ میں حملہ کے بعد دوسرے روز مؤرخہ 25-9-2002 کو موقعۂ واردات کی ویڈیوگرافی اور فوٹوگرافی کی گئی تھی۔ لیکن خیانت دیکھئے کہ اتنے اہم ثبوتوں کو عدالت میں پیش نہیں کیا گیا، جب ہمارے وکیل نے قانونی اعتبار سے اُن کا مطالبہ کیا تو صرف ایک .C.D عدالت میں پیش کی گئی جس پر اکشر دھام حادثہ سے تقریباً چار پانچ مہینے قبل شاید اپریل 2002 کی تاریخ لکھی ہوئی تھی! لیکن ایسی چھوٹی چھوٹی غلطیاں تو ہوتی رہتی ہیں اسلئے ان کی جانب توجہ نہیں دی گئی تھی!!!

بہر حال آدم بھائی نے میرے اور مولوی عبداللہ کے حکم پر اُنکو معائنہ کروایا اور حملہ کے دن ظہر کی نماز سے پہلے میرے پاس چھوڑ گئے۔

اب یہاں سے میرا اور مولانا عبداللہ صاحب کا رول ساتھ ساتھ چلتا ہے کہ ہم نے آدم بھائی وغیرہ کو مفید مشورے دیئے اور تعاون کا یقین دلایا۔ اور فدائین کے آجانے کے بعد انہیں بواہر ہال میں ٹھرایا اور مسجد میں غسل کے لئے بھیجا۔ چار واٹ کا یہ پُر رونق اور بھیڑ بھاڑ والا علاقہ جہاں رات ۳ ربجے بھی دِن کا سماں ہوتا ہے، اس پورے محلے اور مسجد میں کسی نے بھی انہیں نہیں دیکھا! غسل کرنے کے بعد آفس میں تشریف لے آئے۔

مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ اول مجھے افسران نے یہ کہا کہ تونے ان کی شہادت و جنازے کی نماز پڑھائی۔ میں نے اپنے بھول پن سے انہیں مسئلہ بتایا کہ صاحب یہ تو حیات ہے اور شہادت و جنازے کی نماز تو مرنے کے بعد ہوتی ہے تو کہنے لگے پھر تو ہی کسی اور نماز کا نام بتادے۔ میں نے کہا صاحب اس کو تو نفل نماز کہہ سکتے ہیں۔ پھر آپسی مشورے سے طے ہوا کہ میں نے ان کی کامیابی اور مارے جانے کی صورت میں حصول جنت کے مقصد سے دو رکعت نفل نماز پڑھائی۔ (جس آفس میں ہم پانچ حضرات نے وضو کرکے باجماعت نماز اداء کی وہ آفس 8'x12' فٹ کی ہے، اور اس وقت وہاں فرنیچر اور دوسرا سامان بھی پڑا ہوا تھا اتنی تنگ جگہ میں یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوگیا یہ بھی تفتیش کرنے والے ہی بتا سکتے ہیں۔)

بچپن میں اسکول کے زمانے میں ایک کہانی پڑھی تھی۔ اندھیر نگری اور گنڈو راجہ، ٹکے سیر بھاجی اور ٹکے سیر خواجہ۔ ایک بستی جہاں خوردنی اشیاء کی قیمت میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا وہیں شریف و شریر میں بھی فرق نہیں کیا جاتا تھا، اگر کوئی جرم ہوا تو مجرم نہ پکڑے جانے کی صورت میں جو ہاتھ لگا اور جس کی گردن بہترین و موٹی تازی، پھندے کے لائق ہو اسے ہی صولی پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ کرائم برانچ کی اس اندھیر نگری میں بھی یہی ہوا۔ میری موٹی تازی گردن انہیں خوب پسند آئی اور سارے مقدمہ کا بوجھ میری گردن پر ہی ڈال دیا گیا۔ اور اب اس جھوٹی اور ادھر ادھر سے منھ ماری ہوئی ناقص کہانی میں کچھ کڑیاں باقی رہتی تھی اسے حل کرنے کے لئے ہمیں اور خاص کر

مجھے خوب مجبور کیا گیا۔اول دو تین روز تو روزانہ ایک نئی کہانی لکھی جاتی تھی اور پھر موزوں معلوم نہیں ہوتی تھی تو اسے پھاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر لکھتے پھر پھاڑ دیتے تھے۔ بالآخر یہ کہانی کچھ ٹھیک لگ رہی تھی، لیکن اس میں بھی کہانی کے تسلسل کے لئے کچھ کڑیوں کی کمی تھی، مثلاً یہ کہ (۱) فدائین کے نام اور پتے کیا تھے؟ (۲) فدائین کے پاس سے برآمد ہونے والے خطوط کس نے لکھے تھے؟ (۳) اسلحہ کہاں سے اور کون لایا؟ (۴) سازش اور مشورہ میں کون شریک تھے؟ یہ سارے سوالوں کے جواب مجھے دینے تھے اور ساری ذمہ داری مجھے اپنی گردن پر لینی تھی، چونکہ میری گردن اس "لائق" تھی! چنانچہ اب جبکہ بے شمار ری ٹیک اور کمی بیشی کے بعد اتنی کہانی (Story) تیار ہوگئی۔ مجھے کہا گیا کہ اب تو یاد کر کے بتا کہ اُن دونوں فدائین کے اصل نام کیا تھے؟ (اس سے قبل تینوں کے نام کرائم والے دے چکے تھے) میرے منع کرنے پر پھر ڈنڈے برسائے گئے اور مجھے اصلی نام بتانے پر مجبور کیا گیا۔ میں نے مار سے بچنے کے لئے ذہن پر زور دیا اور گیارہ (۱۱) مہینے قبل حادثہ کے وقت کے اخبارات کو ذہن میں دوبارہ کھولنے لگا اور اُس وقت اخبار میں فدائین کے جو نام آئے تھے وہ نام یاد کرنے لگا اور ایک نام میرے ذہن میں آگیا اور میں نے کہا ایک نام حافظ یاسر تھا، بنجارا کچھ کاغذات لیکر بیٹھا تھا، اُس میں شاید کچھ لکھا ہوا تھا۔ اُس میں دیکھ کر اس نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ اب دوسرے کا نام بتا۔ پہلا نام بتا کر میں نے جو اپنی کامل بے وقوفی کا نمونہ پیش کیا تھا اب میں دوسرا میڈل لینا نہیں چاہتا تھا، اسلئے میں نے بغیر سوچے کہا دوسرے کا نام محمد فاروق تھا، لیکن بنجارا نے اس کی بھی تصدیق کر دی۔

یہ مسئلہ حل ہو گیا تو اب یہ بات آئی کہ فدائین کے پاس سے جو اردو خطوط برآمد ہوئے تھے وہ تو نے لکھے تھے، اُس میں کیا لکھا تھا؟ مجھے نہایت ہی بیدردی سے پیٹا گیا لیکن میں انکار کرتا رہا۔ لیکن جب ظلم و تشدد نا قابلِ برداشت ہو گیا تب میرے سامنے دو ہی راستے تھے موت یا اقرار۔ میں کیا کرتا؟ آخر میں نے قبول کر لیا کہ ہاں، خطوط میں نے لکھے تھے۔ مار پیٹ کے علاوہ سنگھل اور پٹیل مجھے بہلا پھسلا بھی رہے تھے کہ ٹھیک ہے خطوط تو نے نہیں لکھے لیکن تو ہمیں اسکی کاپی کر دے۔ میرے اقرار اور بنجارا کے حکم پر ونار نے دو اردو خطوط نکال کر مجھے دئے اور کہا تو ہمیں

اِسکی نقل کر دے ہم تجھے نہیں ماریں گے۔ میں نے مار سے بچنے کے لئے اُسے قبول کرلیا۔ مجھ پر آر۔آئی۔پٹیل کو مسلط کر دیا، اُس نے آفس میں لے جاکر مجھے ایک ٹیبل کرسی دے دی اور تین چار راتیں، دو-دو، تین- تین بجے تک مجھ سے خطوط کی نقل (Copy) کرواتا رہا، مجھے مجبور کیا گیا تھا کہ جتنی سطریں، لکیریں فوٹو کاپی (Xerox) خطوط میں ہے اِتنی ہی سطریں میں لکھوں، جملے، نیا فقرہ، کومہ، جملہ کا اختتام حتّی کہ حرف کے مروڑ ساری ہی چیزوں میں فوٹو کاپی اور میرے ہاتھ کے خطوط میں ذرہ بھی فرق نہ ہونا چاہیئے۔

وہ حضرات صبح میں کسی اردو جاننے والے سے یقیناً جانچ کرواتے تھے، کیونکہ دوسری رات آر۔آئی۔پٹیل آتا اور میری غلطیاں بتاتا اور نقطے اور حرکات میں بھی فرق نہ رہ جائے اُس کی کوشش کرتا، کچھ کاغذات پھاڑ دیتا پھر نئے لکھواتا۔ اندازاً چالیس، پچاس مرتبہ مجھ سے لکھوایا گیا۔

مختصراً یہ کہ میں نے ان فدائین کے لئے دعاء کی اور میرے حکم پر مولانا عبداللہ نے اُن دونوں فدائین کو اُردو خطوط دیئے، اور انہیں روانہ کرنے لئے "بلو چاواڑ" تک ٹیکسی میں دٹھانے کے لئے گئے، اور آدم بھائی اُن کے تیسرے ساتھی ایوب کو لیکر اپنی رکشہ میں اکشردھام گئے۔ جب فائرنگ اور دھماکوں کی آواز شروع ہوگئی تو آدم بھائی اور ایوب واپس بواہر ہال آئے اور مجھے اور مولانا عبداللہ صاحب کو یہ خبر دی، پھر ہم نے ایوب کو بروڈہ بھیج دیا کہ وہاں سے حیدرآباد کے لئے کوئی ٹرین مِل جائیگی، اور اُسکے بعد ہم لوگوں نے احتیاطاً اِسکا تذکرہ اور آپسی ملاقاتیں بند یا کم کردی۔

خطوط کا مسئلہ حل ہوگیا۔ اب اسلحہ کی بات آئی کہ اسلحہ کہاں سے آئے؟ کون لایا؟ اور اکشردھام مندر تک کیسے لیکر گئے؟

اِس سلسلہ میں بھی مجھ پر بے انتہا تشدد ہوا کہ اسلحہ تو نے ہی منگوائے تھے، کہاں سے اور کون لایا یہ بتادے۔ اسلحہ کے معاملہ میں جب مجھ سے سوال ہوا تو اول میں نے ہمارے محلّہ کے ایک شہید کا نام لیا کہ فُلاں لایا تھا، تو مجھے کہا گیا کہ وہ تو مر چکا ہے، دوسرا نام بتا، میں نے دوسرے ایک بھائی کا نام لیا (وہ بھی فسادات میں شہید ہو چکے تھے) تو کہا گیا وہ بھی مر چکا ہے، کسی اور کا نام

بتا۔ مجھے چونکہ اب شہیدوں کے نام یاد نہیں آرہے تھے اسلئے میں نے ہمارے محلّہ کے ایک فرار صاحب کا نام لیا، اب ونار نے صبر کا دامن چھوڑ دیا اور مجھے انتہائی غلیظ وگندی گالیاں دیکر کہا کہ مرے ہوئے اور مفروروں کے نام لیتا ہے! ہم ان سے کہاں پوچھنے جائیں گے؟ اور پھر نہایت ہی بے دردی سے پیٹنا شروع کر دیا، میں چونکہ جسمانی اور ذہنی اذیتوں سے تنگ آچکا تھا، میں نے کہا اسلحہ باڈمیر سے آئے تھے۔ پوچھا کون لایا تھا؟ میں نے کہا میں اور میرے ساتھی لینے کے لئے گئے تھے، مجھے کہا گیا: نہیں، یہ کہانی مناسب معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اسلحہ باڈمیر کیسے پہونچا؟ کس نے پہونچایا؟ بہت سے سوالات پیدا ہورہے تھے، پھر مجھ سے شہر کے ایک مشہور تاجر کا نام لے کر پوچھا گیا کہ کیا تو اسے جانتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، پوچھا کیسے جانتا ہے؟ میں نے کہا " گجرات سارو جنیک ریلیف کمیٹی" چلاتے ہیں اس مناسبت سے جانتا ہوں۔ کہا گیا کہ اسکا پھلوں کا بڑا کاروبار ہے اور کشمیر سے اس کے سیب کی ٹرک آتی ہے، اس میں اسلحہ آئے تھے۔ میں نے کہا صاحب میرے ان سے کوئی روابط نہیں ہے۔ اس کہانی میں بھی وہ لوگ تذبذب اور غیر یقینی کا شکار تھے۔ لہٰذا یہ کہانی بھی مسترد کر دی گئی۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔

اسلحہ کہاں سے آیا؟ کون لایا؟ طے نہیں ہو پارہا تھا۔ اور نہ ہی یہ طے ہو پارہا تھا کہ کہاں پیک کئے اور کیسے اکشر دھام تک لیکر گئے؟ ابتداء میں یہ بات آئی تھی کہ بواہر کی آفس میں سے ایک بستر میں اسلحہ پیک کر کے اکشر دھام تک لے گئے تھے لیکن اسلحہ کیسے آیا اور کون لایا؟ یہی طے نہیں ہورہا تھا۔ پیکنگ کا مرحلہ تو بعد میں آتا ہے اسلئے تین چار روز کی محنت کی بعد جسمیں کرائم برانچ کے بہت سے کاغذات بھی ضائع ہوئے۔ آخر یہ طے ہوا کہ اسلحہ فدائین خود اپنے طور پر لائے تھے، اس سلسلے میں ہمیں کوئی علم نہیں۔

میں سمجھتا تھا کہ کرائم برانچ کا کام پورا ہو چکا ہے کہانی بن چکی ہے اسلئے اب ہمیں ہفتے بھر سے ہورہی سخت مار پیٹ اور ظلم وتشدد سے نجات مل جائے گی۔ لیکن بہت جلد میری خوش فہمی دور ہوگئی اور میرے لئے ایک انتہائی مشکل ترین آزمائش شروع ہوئی، آج بھی جب ان دنوں کو یاد کرتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایک بھیانک خواب معلوم ہوتا ہے۔

مجھے یہ کہا گیا کہ تو نے اتنا بڑا کام کر دیا یہ بغیر مشورے کے تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تو نے اپنے بزرگوں سے مشورہ کیا تھا۔ میں نے کہا میں نے کسی سے بھی مشورہ نہیں کیا۔ تو کہا گیا (مفتی) سفیان چاکلیٹ کھانے سے پہلے بھی حضرت سے مشورہ کرتا ہے کہ یہ حلال ہے یا نہیں؟ اور تو نے اتنا بڑا کام بغیر مشورہ کے کر لیا یہ ناممکن ہے۔ ہم تجھے بتاتے ہیں تو نے کن حضرات سے مشورہ کیا تھا۔ اور پھر بنجارا نے تین نہایت ہی قابل احترام بزرگوں کے نام لئے اور کہا کہ تو نے ڈابھیل والے بڑے حضرت (حضرت الاستاذ مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم) سے مشورہ کیا تھا اور احمد آباد مرکز کے (مرحوم) حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ اور دہلی مرکز کے حضرت جی مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم سے مشورہ کیا تھا۔ میرے انکار پر مجھے انتہائی بے دردی سے مارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ خیر کا معاملہ فرمایا کہ میں بے ہوش ہو گیا اور اس وقت بے ہوشی کی وجہ سے میری نجات ہو گئی اور کچھ لوگ مجھے اٹھا کر ونار کی آفس میں چھوڑ گئے۔ اس رات میں نے خوب رو رو کر اللہ رب العزت سے دعاء کی کہ یا اللہ! میری ذات تک تو ٹھیک تھا لیکن اب تو بات تیرے ولیوں تک پہنچ رہی ہے، یا اللہ! تو ہی حفاظت فرما۔ یا اللہ! میری زبان سے تیرے کسی بھی بندے کا نام نہ نکلے ایسے اسباب پیدا فرما۔ یا اللہ! اس مقدمہ کو مجھ ہی پر ختم فرما دے اور یہ ظالم میرے بعد کسی کو بھی اس مقدمہ میں نہ ڈال سکے ایسے اسباب پیدا فرما۔ اور الحمدللہ یہ دعاء کی قبولیت ہی تھی کہ میرے بعد اس مقدمہ میں کسی کو نہیں ڈالا گیا۔ مجید پٹیل و قاری شوکت اللہ غوری جن کو بعد میں اس مقدمہ میں ڈالا گیا ان کے نام مجھ سے پہلے ہی اس مقدمہ میں ڈال دیئے گئے تھے۔ ایک دعاء میں نے اس وقت بھی کی تھی اور بعد میں جیل میں بھی کرتا رہا کہ یا اللہ میرے محسنوں ہمدردوں کے مقدر میں اگر آپ نے کوئی مصیبت و آزمائش لکھ دی ہے۔ تو وہ ساری مصیبتیں آزمائشیں مجھ پر ڈال دینا، انہیں کوئی تکلیف مت دینا۔ یہاں مجھے حضرت خبیب بن عدیؓ اور حضرت زید بن دثنہؓ کا وہ سبق آموز واقعہ یاد آتا ہے کہ۔۔۔۔ جب پھانسی پر چڑھانے سے قبل مکہ والوں نے پوچھا کہ اب جبکہ تمہیں پھانسی دی جا رہی ہے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری جگہ حضرت محمد ﷺ کو پھانسی دے دی جائے اور تمہیں چھوڑ دیا جائے حالانکہ صحابہ جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو پھانسی دے دی

جائے یہ ناممکن ہے اور آزمائش کے لئے یہ سوال تھا پھر بھی قربان جائیں عقیدتِ صحابہ پر انھوں نے جواب دیا خدا کی قسم ہمارے پیارے نبی ﷺ کو اپنے گھر پر پیر میں ایک کانٹا چبھ جائے ہمیں تو یہ بھی گوارہ نہیں۔ الحمدللہ ہم ان عظیم صحابہ کے نام لیوا ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعاء کی، لیکن دل سے بوجھ ہلکا نہیں ہورہا تھا۔ کل کیا ہوگا؟ اگر مجھے دوبارہ اپنے بزرگوں کا نام لینے کے لئے مجبور کیا تو کیا ہوگا؟ اگر خدانہ خواستہ میں نے نام لے لیا تو میری تو دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوجائیں گے۔ مختلف وساوس وخیالات میرے ذہن سے گذر رہے تھے، ایک خیال یہ آیا کہ ان حضرات کا نام لینے کے بجائے مرجانا بہتر ہے۔ اور میں نے خودکشی کے امکانات واسباب پر غور کرنا شروع کیا۔ میں بیت الخلاء میں گیا اور چھت اور کھڑکی کی بلندی کا جائزہ لینے لگا۔ اونچائی کی کمی کی وجہ سے مجھے وہ جگہ نامناسب معلوم ہوئی۔ ایک اور طریقہ میرے ذہن میں آیا، میں نے سنگھل صاحب کو اپنی تکالیف ودرد کی شکایت کی تھی۔ میری حالت دیکھ کر شاید انھیں تھوڑا رحم آگیا تھا اس لئے انھوں نے میری مرہم پٹی کروادی تھی اور ہائی پاور کی دوائیں منگوادی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات گھر کرگئی کہ میں وہ ساری ہی گولیاں کھا کر خودکشی کرلوں۔ میں نے اپنی جیب سے گولیوں کا پتا نکالا اور کچھ دیر تذبذب کی حالت میں اسے دیکھتا رہا، پھر خیال آیا کہ اگر اتنی گولیاں کھانے کے بعد بھی بچ گیا تو مزید ذلت ورسوائی ہوگی اور میرے درد اور میری تکلیفوں سے ناواقف لوگ زندگی بھر مجھے لعن طعن کرینگے کہ مفتی ہوکر خودکشی کی کوشش کی۔ (جبکہ مرجانے کی صورت میں تو میں انکے لعن طعن سننے کے لئے موجود ہی نہ ہوتا) بالآخر اللہ کے فضل سے یہ ارادہ بھی موقوف کیا۔ رات بھر اللہ رب العزت سے دعاء میں اور اس فکر میں گذاردی کہ کل کیا ہوگا؟ لیکن جتنا زیادہ ڈر اور فکر تھی اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی آسانی فرمادی۔ چنانچہ دوسرے روز دوپہر میں مجھے پھر بلا کر یہ سوال دوہرایا گیا کہ تو نے حضرت سے مشورہ کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں کیا تھا۔ بنجارا نے کہا حضرت جب لال مسجد تشریف لاتے تھے اس وقت تو ان سے مشورہ کرتا تھا میں نے کہا صاحب میں حضرت سے ملاقات کے لئے کبھی بھی لال مسجد نہیں گیا۔ پوچھا گیا کیوں نہیں جاتا تھا؟ میں نے کہا میں بہت سست اور غافل آدمی ہوں اسلئے

وہاں نہیں جاتا تھا۔ پوچھا حضرت سفیان کے پاس جاتے تھے تیرے یہاں کیوں نہیں آتے تھے؟ میں نے کہا سفیان نیک اور خانقاہی مزاج کا آدمی ہے اور میں شرارتی ہوں اسلئے حضرت میرے یہاں نہیں آتے تھے۔ میرے ان جوابات پر بنجارا نے سنگھل کو اشارہ کر کے پوچھا کیا یہ صحیح کہہ رہا ہے؟ سنگھل نے اشارہ ہی اشارہ میں اسکی تصدیق کی۔ پھر مجھ سے پوچھا "مرکز والوں سے (حضرت مولانا عبدالغنی صاحب" اور حضرت مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم) تو نے مشورہ کیا ہوگا؟" پھر میں نے وہی جواب دیا کہ صاحب دہلی مرکز تو بہت دور کی بات ہے، میں کبھی احمد آباد مرکز پر بھی نہیں جاتا تھا۔ سنگھل نے میرے اس جواب کی بھی اشارہ میں تصدیق کی اور الحمدللہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے میری جان چھڑائی اور ہمارے بزرگوں کی حفاظت فرمائی۔

اس وقت ہمارے ان اکابر کے علاوہ بھی دیگر معزز علماء وعوام کو غلط مقدمات میں پھنسانے کی کوشش کی گئی تھی۔ چنانچہ مجھے بعد میں معلوم ہوا تھا کہ حضرت اقدس مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا اسماعیل صاحب گودھرا والے، حضرت مولانا قاسم بھاگلیا گودھرا اور عزیزم مرحوم مفتی امتیاز صاحب کو بھی گودھرا حادثہ، حوالہ اور اکشر دھام جیسے سنگین مقدمات میں پھنسانے کی سازش تھی۔ لیکن اللہ رب العزت ہی نے حفاظت فرمائی: فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَ هُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ٥

بہرحال! ظلم وتشدد، وکیل کا تعاون، آپسی مشورہ اور جبری اجتہاد کے بعد یہاں تک کہانی تیار ہوگئی۔ اب مار پیٹ کا سلسلہ بالکل کم ہوگیا تھا۔ اب دن بھر ونار کی آفس میں مجھے بٹھایا جاتا اور وہ کاغذات تیار کرتا رہتا اور درمیان میں مجھے صرف میرا نام، عمر، پتہ اور گھر والوں کے متعلق کچھ سوالات پوچھتا۔ مثلاً۔۔۔

نام: (مفتی) عبدالقیوم احمد حسین منصوری

عمر: ۳۲ سال (اسوقت)

پتہ: ماڈھ کا محلہ، مسجد بلڈنگ، چار واٹ، احمد آباد۔ (اسوقت)

تعلیم: گجراتی ۷ پاس، دینی تعلیم، مولوی، مفتی، (بعد میں جیل میں حفظ کیا)

کہاں تعلیم حاصل کی؟: جامعہ ڈابھیل (فراغت وافتاء 98-1997)

امامت ومدرسہ: حاجی بخی کی مسجد، چارواٹ، دریاپور، احمد آباد۔

تنخواہ: -/3000 روپے

کتنی زبان جانتے ہو؟: گجراتی، ہندی، اردو، عربی، فارسی، انگریزی، (اس پر ہائی کورٹ نے میری پھانسی کی سزا کی تصدیق کرتے ہوئے مجھے بار بار زیادہ پڑھا ہوا (learned) لکھ کر پتہ نہیں میری تعریف کی تھی یا مجھے طعنہ دے رہی تھی۔)

ماں: عابدہ احمد حسین

باپ: احمد حسین اسماعیل منصوری

بیوی: ایک، ۲ر بچے، معاویہ، ۵رسال، مصعب ۱۰رماہ

باپ کا کاروبار: وائرمین

آمدنی: نہیں معلوم

بھائی: نہیں ہے

بہن: تین بہنیں شادی شدہ (انکے اور شوہر و بچوں کے نام)

کس مسلک سے تعلق رکھتے ہو سنی، دیوبندی، یا اہلِ حدیث؟: سنی، دیوبندی، تبلیغی (تبلیغی اور دیوبندی کہنے پر گالی دی جاتی تھی اور دہشت گردی کا طعنہ دیا جاتا تھا)۔

بس یہاں تک تو صحیح تھا، اسکے علاوہ بیان کی گئی ساری کہانی (Story) جھوٹ اور بکواس تھی۔

ایک ہفتہ سے زیادہ ہو چکا تھا، اس دوران میرے گھر والوں کو دس پندرہ منٹ کے لئے مجھ سے ملنے کی دو تین بار اجازت دی گئی تھی لیکن اس وقت بھی تین تین چار چار گھنٹے میرے گھر والوں کو کرائم برانچ کے باہر بٹھایا جاتا اور انہیں بھی خوب ڈرایا جاتا۔ ذلیل ورسوا کیا

جاتا اور دھمکی دی جاتی تھی کہ ہماری مرضی کے خلاف کوئی بات مت کرنا اور یہاں کی بات کسی کو مت بتانا ورنہ تمہارے لڑکے / بھائی / شوہر کو مار دینگے۔ مجھے کیمرے کی اسکرین پر رشتہ دار بتا کر انکا تعارف پوچھا جاتا اور پھر کہا جاتا کہ خیر خبر کے علاوہ کوئی بات ہرگز مت کرنا ورنہ تیرے گھر والوں کو بھی مقدمہ میں پھنسا دیں گے۔ تیرا اینکاؤنٹر کردیں گے، تیرے باپ کو مار دیں گے وغیرہ دھمکیاں دی جاتیں۔ گھر والوں کو بلانے سے پہلے مجھے کپڑے اور جسم سمیٹ کر کرسی پر اس طرح بٹھا دیا جاتا کہ میرے زخم اور خون آلود کپڑوں پر گھر والوں کی نگاہ نہ پڑ سکے پھر میرے اور گھر والوں کے بیچ سامنے کرسی لگا کر ونار، آر۔آئی۔ چٹیل یا کوئی اور آفسر بیٹھتا، تاکہ انکا کوئی راز فاش نہ ہوجائے، مجھے اچھی طرح یاد ہے ایسی صورتِ حال میں بھی ایک روز میری اہلیۂ محترمہ نے سرگوشی میں مجھے کہا کہ حلیمہ خالہ (مولوی احمد کی والدہ، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے) نے کہا ہے دستخط مت کرنا، ونار سن گیا اور میری بیوی کو ڈانٹ کر آئندہ ملاقات نہ دینے کی دھمکی دی۔

اسی طرح ایک ملاقات مجھے تاریخ 24-8-2003 کو رات دس گیارہ بجے دی گئی۔ ملاقات سے قبل مجھے کہا گیا کہ آئندہ کل تیرے یہاں کالوپور دریاپور میں بند کا اعلان ہے اور مستورات احتجاجی ریلی نکالنے والی ہیں۔ہم ابھی تیرے باپ کو بلاتے ہیں، تو انہیں سمجھا دینا کہ وہ بند کے اعلان اور ریلی میں شرکت نہ کریں اور دوسروں کو بھی منع کریں، اور بند اور ریلی رد کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو مار دینگے اور اگر مسلمانوں نے ذرہ بھی حرکت کی تو فائرنگ کرکے پچیس پچاس مسلمانوں کو گرادینگے۔

ادھر میرے والد کو غائبانہ اور میری موجودگی میں بھی اسی طرح کی دھمکیاں دی گئی۔ ونار اور سنگھل کی موجودگی میں میں نے مجبورًا میرے والد سے کہا کہ آپ لوگ کل بند اور ریلی میں حصہ مت لینا.میرے والد نے بھی مجھے اسوقت تسلی دی، بعد میں پتہ چلا کہ میرے علاوہ دیگر تمام مظلومین کے گھر والوں بھی کو یہ تاکید کی گئی تھی۔

لیکن الحمدللہ دوسرے روز تاریخ 25-8-2003 کو بند کا اعلان بھی کامیاب رہا.اور ہمارے محلّہ کی خاتون کارپوریٹر محترمہ نازنین بانو باستہ والا کی امارت ورہنمائی میں ریلی بھی نکلی،

ریلی میں شرکت کرنے والی ان تمام بہنوں کو اللہ تعالیٰ خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے، اس ریلی کا تفصیلی ذکر دفاعی گواہوں کے بیان میں کروں گا۔ (انشاءاللہ)

فی الحال اس ریلی کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ کرائم برانچ نے اپنی بکھری ہوئی جانچ کو سمیٹنا شروع کردیا۔ مار پیٹ اور بدسلوکی بالکل بند ہوگئی اور بہت جلد تاریخ 29-8-2003 جمعہ کے دن دوپہر کو دو بجے میرے والد کو بلایا گیا اور انہیں یہ اطلاع دی کہ آپ کے لڑکے کو اکشر دھام مندر پر حملے کے مقدمہ میں گرفتار کیا جارہا ہے اور آئندہ کل صبح گیارہ بجے اسے گاندھی نگر عدالت میں ریمانڈ کے لئے پیش کیا جائے گا۔ یہ خبر میرے والد پر بجلی بن کر گری او پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، انہیں دیکھ کر میں بھی رورہا تھا، لیکن وہاں کسی سے رحم کی امید رکھنا شیطان سے سجدے کی توقع رکھنا تھا۔ کچھ کاغذات پر انکے اور میرے دستخط لئے، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ گرفتاری کی اطلاع تھی، دوپہر میں تین بجے دنیا بھر کا میڈیا جمع کیا گیا اور انہیں ہماری گرفتاری اور کرائم برانچ کی حیرت انگیز کامیابی کی خبر دی گئی اور یہ کہا گیا: جو مقدمہ گیارہ مہینوں سے A:T.S. والے حل نہیں کر سکے تھے، ونجارا اور سنگھل کی امارت میں کرائم برانچ نے صرف ایک ہی دن میں حل کرلیا اور ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پانچوں ملزمین کو گرفتار کرلیا (کرائم برانچ کا یہ جھوٹا دعویٰ تھا کہ تاریخ 28-8-2003 کو جانچ ATS سے لیکر کرائم برانچ کو دی گئی اور جانچ ملتے ہی ونجارا صاحب کو ایک خفیہ اطلاع ملی اور ونجارا نے سنگھل کو یہ اطلاع دی اور اسی روز اشفاق بھاؤنگری کا بیان لیا گیا اور اسمیں آدم، سلیم اور الطاف کا نام آیا۔ میرا، مولوی عبداللہ کا نام کہاں آیا اس کا کوئی ذکر نہیں۔ شاید میری اور مولوی عبداللہ کی شرافت (؟) تھی کہ ہم بھی گرفتار ہونے کے لئے ان کے ساتھ ہولئے۔

اللہ اکبر! اتنا واہیات جھوٹ؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مقدمہ کے ملزمین A.1 الطاف حسین اکبر حسین ملک کو تاریخ 6-8-2003، A.2 آدم سلیمان اجمیری کو تاریخ 9-8-2003، A.3 سلیم شیخ کو تاریخ 1-8-2003، A.4 عبدالقیوم احمد حسین کو تاریخ 17-8-2003 بروز اتوار مغرب عشاء کے درمیان اور A.5 مولانا عبداللہ صاحب کو تاریخ 17-8-2003 اتوار کے دن فجر کی نماز کے وقت کرائم برانچ والے اٹھا کرلے گئے تھے۔

کرائم برانچ کا کھانا

کرائم برانچ کی آفس کے صدر دروازے کے بالکل سامنے ہریش نامی ایک مدراسی کی کھانے اور چائے کی لاری تھی۔ وہاں سے صبح چائے اور پارلے بسکٹ کا ایک پیکٹ اور دوپہر اور شام کبھی دال کبھی سبزی اور دو تین روٹی اور چاول دئے جاتے، کھانے میں کوئی لذت نہیں ہوتی تھی اور اگر لذت ہوتی تب بھی ہمارے لئے ان حالات میں دنیا بھر کی نعمتیں بھی بے لذت ہی تھی، ہو سکتا ہے اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ وہ حضرات ایسا بے لذت کھانا دیتے ہوں! تاریخ 29-8-2003 کو جس روز پہلی مرتبہ عدالت میں پیش کیا جانا تھا، ناظم طعام .P.I اگروات صبح صبح تشریف لائے اور کہا کہ آج آپ کو عدالت میں پیش کیا جانا ہے اسلئے آپ کو کھانا جلدی دیں گے اور پوری سبزی کھلائیں گے میں دل ہی دل میں خوش ہوا کہ چلو کچھ تو تبدیل ہوگا۔ لیکن آپ یقین جانیئے جب وہ پوری سبزی آئی تو پوری نہایت ہی سخت مگر کسی طرح کھانے کے قابل تھی لیکن سبزی جب پلیٹ میں نکالی تو نہایت ہی حیرت وتعجب ہوا۔

قرآن پاک میں ہے: مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ، بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُورًا ۝

اللہ رب العزت ہی کی یہ قدرتِ کاملہ ہے کہ دو سمندر آپس میں ملتے ہیں ندیوں کا پانی سمندر میں گرتا ہے، لیکن اللہ رب العزت نے دو سمندروں اور ندیوں کے پانی کے بیچ ایک لطیف و باریک حجاب و آڑ کھڑی کر دی ہے، ہماری آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتی، یہ پانی آپس میں مل جانے کے بعد بھی رنگ، بو، مزہ میں الگ الگ ہی رہتے ہیں۔

بس یہی بات اس کھانے میں نظر آئی، آلو اور شاید بند گوبی کی سبزی تھی، ہماری طبیعتوں کا خیال رکھتے ہوئے پانی زیادہ تھا۔ آلو اور بند گوبی پلیٹ کے بالکل بیچ میں رہ گئے، پانی ایک طرف بہہ رہا تھا، ایک کونے میں دو تین قطرے تیل جمع ہو رہا تھا، مرچ نے ایک جگہ لی اور ہلدی

ایک طرف بہہ رہی تھی، پتہ نہیں ان اشیاء کے درمیان کون حائل تھا جس نے ان ساری چیزوں کو الگ الگ کرر کھا تھا۔ خیر ان صاحب کی یہ خداداد صلاحیت اور نئی ایجاد یقیناً قابلِ تعریف تھی۔

اس کے علاوہ گا ئیک واڈ حویلی کے باہر انڈے کی آٹھوں کی ایک لاری کھڑی رہتی تھی، وہاں کی "انڈا کھچڑی" مشہور تھی، چالیس روز میں شاید ایک یا دو بار وہاں کی انڈا کھچڑی کھلائی گئی تھی۔

میرے استاذِ محترم حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری (دامت برکاتہم) کی زبانِ مبارک سے ایک مرتبہ ایک بہت ہی پیاری بات سنی تھی حضرت نے فرمایا تھا کہ ''میں گھر میں کھانا کھاتا ہوں اس پر بھی دعوت کی دعاء اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِیْ پڑھ لیتا ہوں چاہے ہم پیسے کما کر دیتے ہیں، لیکن اہلیہ اور گھر والوں کی بڑی محنت و مشقت کے بعد ہمیں لذیذ کھانا میسر ہوتا ہے، یہ انکا احسان ہے، الحمد للہ تب سے میں نے نہ صرف گھر کے کھانے پر بلکہ کرائم برانچ کے کھانے پر اور جیل کے کھانے پر بھی دعوت کی دعا پڑھی ہے۔

کھلانے والے چاہے کرائم برانچ والے ہی صحیح اور کتنا ہی بدمزہ کیوں نہ ہو، یہ ان کا یا حکومت کا احسان تھا کہ انہوں نے کھانا دیا۔

طالب علمی کے زمانے میں مدرسہ کے کھانے کی بہت ہی ناقدری کی تھی جامعہ ڈابھیل میں، الحمد للہ صبح میں چائے روٹی، دوپہر میں دال چاول، کڑی کھچڑی، سبزی کھچڑی، کبھی کبھی بریانی اور شام میں ہفتہ میں تقریباً پانچ روز گوشت میسر ہوتا تھا، بار ہا دعوتیں ہوتی تھی، لیکن اس وقت مستی و شرارت سوجھتی تھی اور میں بطور استہزاء کہتا تھا کہ مدرسہ کا کھانا (مبنی بر لحم) ہے، (اہلِ علم سمجھ جائیں گے) آسان الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ عام طور پر گوشت ہی ہوتا تھا، لیکن اس وقت ناقدری ہوتی تھی، لیکن کرائم برانچ اور جیل کا کھانا کھانے کے بعد آیتِ کریمہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ کا مفہوم سمجھ میں آ گیا۔

غیر قانونی حراست اور ہیبئس کورپس

(Habeas Corpus)

کسی بھی شخص کو پولیس عدالت کی اجازت کے بغیر ایک منٹ کے لئے بھی غیر قانونی حراست میں نہیں لے سکتی، ہاں شک وشبہ کی بنیاد پر پوچھ تاچھ کے لئے ضرور طلب کرسکتی ہے، لیکن تفتیش کے بعد فوراً چھوڑ دینا ہوگا۔ البتہ اگر کسی شخص کو کسی گناہ میں باقاعدہ گرفتار کیا تو گرفتاری کے لئے عدالت کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس صورت میں بھی ۲۴ گھنٹے کے اندر اسے متعلقہ عدالت میں پیش کرنا ضروری ہے، اگر پولیس کسی کو غیر قانونی طور پر اٹھالے گئی تو اس کے خلاف ہائی کورٹ میں ایک عرضی کی جاسکتی ہے، جسے ہیبئس کورپس (Habeas Corpus) کہا جاتا ہے۔

Habeas Corpus

ہائی کورٹ میں کی جانے والی اس درخواست میں امید وخوف دونوں باتیں ہوتی ہیں۔ ہائی کورٹ کی تحقیق وانکوایری پر یہ امید ہوتی ہے کہ پولیس اس شخص کو فوراً رہا کردے گی، لیکن ساتھ ہی یہ ڈر بھی ہوتا ہے کہ پولیس اس شخص کو مقدمہ میں پھنسا کر قانونی طور پر گرفتاری کا باقاعدہ اعلان کردے گی۔

یہی وجہ ہے کہ کئی کئی روز تک غیر قانونی طور پر رکھے جانے کے باوجود میرے گھر والوں نے مقدمہ میں پھنسا دیئے جانے کے ڈر اور رہائی کی امید پر یہ عرضی نہیں کی۔ کیونکہ مجھ سے پہلے باپونگر کے ایک صاحب "اطہر پرویز" کے لئے اور بھی کچھ لوگوں کے لئے یہ عرضی کی گئی تھی جس کے نتیجہ میں کرائم برانچ نے ان تمام حضرات کو ہرین پنڈیا اور پوٹا کے دیگر مقدمات میں پھنسا دیا تھا ،البتہ ایک دو ایسے خوش نصیب بھی ہوئے جنہیں (Habeas Corpus) کرنے پر فوراً رہا کردیا گیا۔

کسی شخص پر چاہے جتنا ہی بڑا الزام ہو اگر غیر قانونی حراست ثابت ہو جائے تو وہ سارے الزام بے بنیاد ثابت ہو سکتے ہیں، چنانچہ ہمارے مقدمہ میں غیر قانونی حراست پر گواہ بھی

خواتین کی احتجاجی ریلی جس کا آگے ذکر ہوا اُس ریلی سے بھی کم از کم تاریخ 25-8-2003 کے روز یا اس سے پہلے سے ہماری غیر قانونی حراست ثابت ہوگئی تھی۔ خود پولیس نے ریلی میں شرکت کرنے والی کچھ خواتین کو حراست میں لیا تھا اور FIR بھی درج کی تھی جس میں ہماری غیر قانونی حراست کا تذکرہ تھا۔ لیکن خصوصی پوٹا کورٹ اور گجرات ہائی کورٹ نے ان گواہوں کو کوئی اہمیت نہیں دی، جبکہ سپریم کورٹ نے الحمدللہ ان گواہوں کو مانا اور مقدمہ کو غلط ثابت کرنے میں یہ بھی ایک اہم نکتہ رہا۔

بہرحال، جھوٹی کہانی کے مطابق تاریخ 28-8-2003 کو مقدمہ کی جانچ کرائم برانچ کو دی گئی، 28 کی شام میں اشفاق کا بیان لیا اور 29 کو ہم تمام کو گرفتار کر لیا گیا۔ دوسرے روز تاریخ 30-8-2003 سنیچر کے روز صبح ۱۰ بجے ہم گاندھی نگر کے لئے روانہ ہوئے، میری گرفتاری کی خبر سن کر میرے رشتہ دار و متعلقین پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا جسے بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

باقاعدہ ریمانڈ کا آغاز

معمولی حادثوں پر عوام کو مرعوب و خوفزدہ کرنے کے لئے پانچ۔چھ گاڑیاں لے کر نکلنا ان افسروں کا محبوب ترین مشغلہ تھا، آج تو انہوں نے بہت بڑا شیر مار لیا تھا، لہٰذا آج تو رعب جھاڑنے اور دہشت پھیلانے کا انہیں پورا حق تھا! 10-12 گاڑیوں پر مشتمل قافلہ کرائم برانچ سے روانہ ہوا، ہمارے چہروں پر نقاب ڈال دیئے گئے تھے، گاندھی نگر کورٹ پہونچے، وہاں ہزاروں لوگ جمع تھے، میڈیا والے بھی تھے، اس پرخطر اور دہشت ناک ماحول میں بھی الحمدللہ کچھ داڑھی ٹوپی والے باشرع مسلمان باریک برقع سے نظر آرہے تھے، جو کوئی اور نہیں بلکہ بھائی سلمان (ممتاز مصالحہ والے) میرے والد مولانا عبداللہ کے بھائی و دیگر حضرات تھے، ان حضرات کو دیکھ کر مجھے ڈر لگا کہ خدانخواستہ کہیں مشتعل ہجوم ان حضرات پر حملہ نہ کردے، لیکن الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی اور ہماری حفاظت فرمائی۔

مجسٹریٹ جناب ایس۔ ایس۔ اوجھا صاحب کی عدالت میں ہمیں پیش کیا گیا، ہماری جانب سے گھر والوں اور میرے دوستوں نے وکیل جناب شوکت شیخ کو نامزد کیا تھا، عدالت میں پیش کرنے کے بعد چہروں سے نقاب اور ہاتھ سے ہتھکڑیاں کھول دی گئی۔ پوری عدالت کرائم برانچ کے افسران اور دیگر پولیس سے بھری ہوئی تھی۔ کرائم برانچ کی جانب سے سرکاری وکیل نے ۱۵ روز کا ریمانڈ طلب کیا اور اس کے لئے وہی بکواس کہانی شروع کی جس پر اوجھا صاحب نے کہا کہ دو سب رہنے دو، (مجسٹریٹ کا رویہ ایسا تھا گویا وہ اس جھوٹ سے واقف تھے لیکن مجبور تھے) آپ کیوں اور کتنا ریمانڈ چاہتے ہیں وہ بتاؤ۔ خیر جھوٹے دلائل اور بیہودہ ضروریات بیان کرکے پندرہ دن کے ریمانڈ لے لئے گئے۔ اوجھا صاحب نے ہمارے وکیل سے کہا کہ آپ اپنے موکلوں سے تو پوچھئے کہ انہیں پولیس کے خلاف کوئی شکایت ہے؟ ہمیں پہلے ہی کرائم برانچ سے ڈرا دھمکا کرا دیا گیا تھا کہ اگر ہمارے خلاف ایک لفظ بھی کہا تو انکاؤنٹر کر دیا جائے گا اور تمہارے گھر والوں کو غلط مقدمہ میں پھنسا دیا جائے گا۔ اس روز کورٹ میں صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ ہمارے وکیل جناب شوکت شیخ کو بھی سنگھل صاحب نے دھمکی دی تھی۔ ان حالات میں ہم کیسے جرأت کر سکتے تھے؟ اور پھر دوران ریمانڈ عدالت کی ہر پیشی پر یہ فارمالٹی ہوتی، جج صاحبان پوچھتے کوئی تکلیف یا شکایت تو نہیں؟ اور چونکہ ہمیں اس سلسلہ میں پہلے ہی دھمکیاں دیکر خوفزدہ کر دیا جاتا تھا اسلئے ہم کہہ دیتے کہ کوئی تکلیف نہیں۔ افسوس اس وقت اگر کسی انصاف پسند نے ہماری زبان کے بجائے ہماری آنکھوں سے چھلکتا ہوا خوف و ہراس دیکھا ہوتا تو سب کچھ سمجھ میں آ جاتا، یا پھر وہ جان کر بھی انجان بن رہے تھے،

اب تاریخ 30-8-2003 سے باقاعدہ ریمانڈ شروع ہوا، کرائم برانچ کو جو کچھ کرنا تھا وہ تو غیر قانونی حراست ہی میں کر چکے تھے، اب تو صرف دو تین باتیں باقی رہ گئی تھیں، ورنہ تو بس خانہ پوری کی جا رہی تھی۔

باقاعدہ ریمانڈ میں ایک کام میں یہ کیا گیا کہ جو جھوٹی کہانی ان حضرات نے ہم سے تیار کروائی تھی مجھے کیمرے کے سامنے بولنے کے لئے مجبور کیا۔ آپ حضرات حالات کی سنگینی کا

اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہوگی۔اب مجھے بھی تھوڑا سا احساس تھا کہ اگر میں نے کیمرے کے سامنے بول دیا تو میری خیر نہیں، لہذا سخت مار پیٹ اور موت کی دھمکی کے باوجود میں نے یہ کیا کہ میں تھوڑا بولتا پھر چالو کیمرے میں ونار سے اشارہ کر کے پوچھتا کہ صاحب صحیح بول رہا ہوں؟ ونار گالی بول کر کیمرا بند کر دیتا پھر مجھے کچھ دیر اچھی طرح یاد کرنے کے لئے کہتا (مجھے یاد کرنے کے لئے لکھے ہوئے کاغذات دے دیئے تھے) میں یاد کرنے کا ڈھونگ کرتا، وہ پوچھتا اب تیار ہے؟ میں کہتا جی ہاں! پھر کیمرا چالو کیا جاتا جہاں سے باقی تھا وہاں سے پھر بولنا شروع کرتا، تھوڑا بول کر چالو کیمرے میں کبھی اشارے سے کبھی زبان سے ونار کو پوچھتا صاحب اس کے بعد کیا کہوں؟ میں بار بار یہ حرکت کرتا رہا اور بار بار وہ مجھے ماں اور بہن کے نام سے انتہائی غلیظ اور گندی گالیاں دیکر کیمرا بند چالو کرتا رہا۔ بار بار کیمرا بند چالو ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو شاید ڈر تھا کہ .F.S.L میں کیسٹ کی پول پکڑی جائے گی، اسی لئے انہوں نے اس ویڈیو گرافی کو عدالت میں بطور ثبوت پیش نہیں کیا اور اللہ تعالی نے اس طرح اس معاملہ میں حفاظت فرمائی۔

معزز سپریم کورٹ نے "ستین دوبے" مقدمے میں رہنمائی کی ہے کہ دورانِ ریمانڈ ملزم کو 48 گھنٹے میں کم از کم ایک بار سرکاری ہسپتال میں لے جا کر اس کا میڈیکل چیک اپ کیا جائے، اگر ملزم بیمار ہے یا کوئی تکلیف ہے تو اس کا علاج کیا جائے اور اسکے علاج کے تمام کاغذات ریمانڈ دینے والی عدالت اور ٹرائل عدالت میں پیش کئے جائیں۔

چنانچہ دورانِ ریمانڈ یہ ایک کام بڑے اہتمام کے ساتھ کیا جاتا، اول مجھے ڈرایا جاتا کہ ہم تجھے ڈاکٹر کے پاس لے جا رہے ہیں، وہاں ایک لفظ بھی مت بولنا، ڈاکٹر پوچھے تو کہہ دینا کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ اگر کچھ بھی کہا تو خیر نہیں، ہم بعد میں پرائیویٹ ڈاکٹر سے تیرا علاج کروا دینگے۔ اسی طرح کی دھمکیاں دوسروں کو بھی دی جاتی تھی چنانچہ دیر رات 10/11 بجے چار پانچ گاڑیوں پر مشتمل یہ قافلہ .V.S ہسپتال پہونچتا۔ ہماری آنکھوں پر باریک نقاب ہوتا تھا۔ وہاں پہونچ کر عوام میں دہشت پھیلانے کے بعد یہ حضرات ہمیں ڈاکٹر کے سامنے پیش کرتے۔ ڈاکٹر بھی خانہ پوری کر کے کیس پیپر میں NIL (کچھ نہیں) لکھ دیتے۔ اگر کوئی ڈاکٹر میری نبض پکڑتا یا

کچھ دریافت کرتا بھی تو کرائم والے فوراً کہہ دیتے "ڈاکٹر صاحب! یہ اکشر دھام مندر پر حملہ کرنے والے دہشت گرد ہیں" اس وقت ڈاکٹر کا بس نہیں چلتا تھا کہ ہمیں وہیں مار دے۔

ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک رات ایک انسانیت پسند "سر پھرے" ڈاکٹر کی باری تھی اور کرائم برانچ والے غلطی سے اسکے پاس چلے گئے اس نے سب کو چیک کرنا اور دریافت کرنا شروع کیا کہ کوئی تکلیف تو نہیں؟ کرائم برانچ کے .P.S.I ترى ویدی اور کچھ دیگر افساران کود پڑے اور کہا صاحب یہ تو اکشر دھام حملہ کے دہشت گرد ہیں اور ہم کرائم برانچ کے آفسر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی جرأت کے ساتھ بے باکانہ انداز میں کہا کہ "یہ لوگ کوئی بھی ہو، اوّل تو انسان ہیں۔ میں انسانیت کے ناتے انکا علاج ضرور کرونگا آپ کرائم برانچ کے ہوں یا اور کوئی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا" انہوں نے ہم تمام کو جانچا ہم میں سے ایک ملزم چاند خان نے جرأت کرکے مار پیٹ اور درد کی شکایت بھی کی۔ ڈاکٹر نے وہ ساری باتیں لکھ لی، جسکے نتیجہ میں اسکے وکیل کی شکایت پر اسے دورانِ ریمانڈ سوِیل ہسپتال بھیجا گیا۔ لیکن افسوس سویل کے ڈاکٹر کو مار پیٹ کے نشانات نظر نہیں آئے!!! اور کرائم برانچ کے زیر اثر انہوں نے بھی رپورٹ میں "NIL" لکھ دیا۔

کشمیر کا سفر

تاریخ 5/9/2003 جمعہ کے روز معمول کے خلاف جناب آر آئی پٹیل صبح سویرے تشریف لے آئے اور مجھے غسل کرکے اچھے کپڑے پہننے کے لئے کہا (میرے سارے خون آلود کپڑے آر آئی پٹیل نے اپنے پاس جمع لے لئے تھے تا کہ ان کا راز فاش نہ ہو جائے اور اسکے بجائے دوسرے کپڑے منگوا دئے تھے) میری ہی طرح مولوی عبداللہ صاحب اور آدم بھائی کو بھی تیار کیا گیا تھا۔ روزانہ ایک بجے کے قریب آنے والے بنجارا صاحب بھی جلدی تشریف لے آئے تھے اور کچھ دیر بعد انکی ماتحتی میں .D.G بنجارہ، .P.I آر۔آئی۔پٹیل، .P.I اے۔اے۔چوہان، .P.S.I سی۔جے۔گوسوامی، .P.S.I ڈی۔ایس۔واگھیلا اور ملزمین میں عبدالقیوم احمد حسین،

مولانا عبداللہ صاحب اور آدم بھائی پر مشتمل یہ قافلہ روانہ ہوا۔ کرائم برانچ سے ایئرپورٹ پہونچنے تک ہمیں پتہ نہیں تھا کہ کہاں جارہے ہیں؟ ایئرپورٹ پر ہمیں ٹکٹیں دکھائی گئی۔ احمد آباد سے شری نگر وایا دہلی روپے-/11,000 کی جانبین کی ٹکٹ تھی۔ ابھی امیگریشن اور ہوائی جہاز اڑنے کو دیر تھی وقت کی قدر کرتے ہوئے آر۔ آئی۔ پٹیل نے ہماری ذہن سازی شروع کی۔ وہاں سری نگر میں چاند خان نام کا ایک آدمی ہے اسے پہچان لینا ہے اور وہاں بھی ہماری یہی کہانی بیان کرنی ہے ورنہ ہم تمہیں ماردیں گے اور رپورٹ داخل کردینگے کہ دہشت گردوں کے ساتھ مٹھ بھیڑ میں مارے گئے۔ ویسے تو پچھلے دوتین روز سے گلشیر چاند خان وغیرہ نام لیکر مجھے پوچھا جاتا تھا کہ اسے جانتا ہے؟ انکی تصویر بھی دکھائی جاتی اور کہا جاتا کہ اِس کا نام چاند خان ہے، ہم تجھے ایک جگہ لے جائیں گے، وہاں تو اُسے پہچان لینا، ہم تجھے رہا کردیں گے اور اگر تو نے نہیں پہچانا اور ہماری کہانی میں ذرا بھی گڑبڑ کی تو تجھے ماردیں گے، آج جب ہوائی اڈہ پر یہ بات دوہرائی گئی اُس وقت احساس ہوا کہ ہمیں اِس مقدمہ کے اسفل السفلین میں دھکیلنے کی گھٹیا کوشش ہورہی ہے اور اِسی لئے پچھلے دودِنوں سے کچھ نرم رویہ اپنایا گیا تھا، ہوائی اڈہ پر جناب بنجارا صاحب میرے قریب بیٹھ کر بڑی محبت سے باتیں کرنے لگے اور مخلص دوست کی طرح نہایت ہی محبت سے میرے گلے میں ہاتھ ڈالدیا، میں ڈر سے سکڑ گیا، جس پر بنجارا صاحب برہم ہوگئے اور کہا کیا کریگا؟ مجھے مروا دیگا؟ ہاتھ کندھے پر رہنے دے اور دوستوں کی طرح مجھ سے کُھل مِل کر باتیں کر اور خبردار وہاں کِسی سے بھی یہ مت ظاہر کرنا کہ ہم کرائم برانچ کے افسر ہیں۔ یہی ظاہر کرنا کہ ہم تمام دوست ہیں اور کشمیر سیر وتفریح کے لئے آئے ہیں۔ آدم بھائی اور مولانا عبداللہ صاحب کو بھی یہ تاکید کی گئی تھی۔

مودی اور رتھ یاترا کے نام سے نہتوں، کمزوروں اور عورتوں کو فرضی انکاؤنٹر میں ماردینے والے اور دہشت گردی کے تعلق سے فرضی کہانیاں بیان کرکے بڑے نام اور میڈل حاصل کرنے والے افسران کی بہادری کا یہ حال تھا !!!

اِمیگریشن کے بعد ہم ہوائی جہاز میں جاکر بیٹھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اِس مقدمہ اور ہمارے طفیل کچھ افسروں کو پہلی ہی بار ہوائی جہاز میں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ اُن کی

خوشی اور ہمارا غم دیکھنے کے قابل تھا، بے چاروں کو سیٹ بیلٹ باندھنا بھی نہیں آتا تھا۔ طعام، مشروبات اور چاکلیٹس کے لئے بھی مجھے کہتے، میں سیٹ کے اوپر دیا ہوا بٹن دباتا تو ایر ہوسٹیس (خادمہ) یا اسٹوئرٹ (خادم لڑکا) خدمت میں حاضر ہو جاتے اور میں ہی جیسے اِس قافلے کا امیر ہوں ویسے حکم دیتا کہ فلاں صاحب کو پانی دو، فلاں کو چاکلیٹ دو، وغیرہ۔ اور یہ حضرات مارے حیرت کے میرا منھ تکتے رہتے۔ الحمدللہ حج وعمرہ کی برکت سے میں پہلے بھی ہوائی جہاز میں سفر کر چکا تھا، مقامی ایرلائنس کا تجربہ بھی یہاں کام آرہا تھا جو اِن حضرات کے لئے تعجب کی بات تھی۔

دہلی سے ہوائی جہاز تبدیل کیا اور وایا جموں دوپہر تقریباً 12:00 بجے سری نگر ہوائی اڈے پر پہونچے، ہوائی اڈے پر کشمیر پولیس کے کچھ افسران اور گارڈز لینے کے لئے پہونچ گئے تھے اُن کی تحویل میں ہوائی اڈے سے باہر نکلے۔ ہوائی اڈے سے باہر باغ میں جمعہ کی نماز ہو رہی تھی، کئی روز کے بعد باجماعت نماز کا منظر دیکھ کر الحمدللہ دِل کو بہت سکون ملا۔ ہمیں یہ حضرات S.O.G. کیمپ شیر گڑھی، سری نگر لے گئے، ہوائی اڈے سے یہاں تک قدم قدم پر چیک پوسٹ تھی اور C.RP.F.,B.S.F. کے بے شمار جوان عارضی مورچہ سنبھالے ہوئے تھے، کشمیر پولیس کی رہنمائی میں ہم S.O.G. کیمپ پہونچے۔ فوجی چھاؤنی ہی کی شکل کی یہ جموں کشمیر پولیس کے خصوصی دستے S.O.G. کی بڑی عمارت تھی وہاں لے جا کر ہمیں حوالات میں بند کر دیا گیا۔ وہاں کی حوالات تو کرائم برانچ کی حوالات سے بھی بدتر تھی۔ لائٹ، پنکھا، بیت الخلاء ودیگر ضروریات کا کوئی انتظام نہیں تھا، استنجاء کے لئے ایک ڈبہ دے دیا گیا اور کہا گیا کہ چھوٹی پیشاب، بڑی پیشاب! سب اِسی ڈبہ میں کرنا، روشنی کی ضرورت کے پیشِ نظر ایک ماچس، اور اوڑھنے بچھانے کے لئے ایک ایک کمبل دیدیا گیا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ پھر P.I آر۔آئی۔پٹیل تشریف لے آئے اور کہا تم لوگوں کو جو تصویر دکھائی تھی اُسکا نام چاند خان ہے اسے پہچان لینا یہاں کی پولیس اور آرمی کے اِرادے خطرناک ہیں لیکن ہم تمہیں بچالیں گے۔ کچھ دیر بعد ہمیں طلب کیا گیا۔ حوالات سے D.G. جناب کے راجیند رصاحب کی آفس مشکل سے پندرہ بیس قدم دور تھی لیکن اتنا فاصلہ بھی آر۔آئی۔پٹیل نے غنیمت جانا اور کشمیر پولیس سمجھ نہ سکے اس مقصد سے گجراتی زبان

میں کہا: بازی سنبھال لینا، ہم تم کو بچالیں گے۔ وہ ایک کشادہ آفس تھی بڑے کاؤنٹر ٹیبل کے پیچھے کرسی پر جناب کے راجیند رصاحب (.D.G جموں & کشمیر) تشریف فرماں تھے انکے اردگرد .A.C.P سندیپ وزیر .A.C.P ڈاکٹر عبدالحسیب (.S.O.G) ودیگر افسران تشریف فرماں تھے سامنے داہنے ہاتھ پر لگی کرسیوں پر ہمارے گجرات کے افسران تشریف فرماں تھے دروازے سے متصل دیوار کے پاس لگی ہوئی کرسیوں پر ہمیں بٹھایا گیا۔ کے. راجیند رصاحب نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے اکشر دھام مندر پر حملہ کروایا تھا؟ ہم نے ڈرتے ہوئے ہاں کہا، اُسپر انہوں نے بہت سی تصویریں نکالی اور فدائین کی تصویر پہچان کر الگ کرنے کے لئے کہا۔ یہ اتنی باریک اور اہم بات تھی جسکی جانب کرائم برانچ نے توجہ ہی نہیں دی تھی۔ ہمیں انکی تصویریں ہی نہیں دکھائی گئی تھی۔ یہ اللہ تعالی کا فضل ہے ورنہ شاید موت کے خوف سے ہم وہ تصویریں بھی پہچان لیتے میں اِسے کرائم برانچ کی بھول نہیں بلکہ خیانت کہوں گا کیوں کہ وہ مقدمہ کو ایمانداری سے حل کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے مقدمہ میں یہی نہیں بلکہ اور بھی بڑی بڑی غلطیاں (جان بوجھ کر) کی تھی کچھ غلطیاں آگے بیان ہوچکی ہیں کچھ غلطیوں کا ذکر مختلف مرحلوں پر آتا رہے گا۔

تصویریں دیکھ کر ہم نے فدائین کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ اُسکے بعد اُنہوں نے چاند خان کو طلب کیا۔ میں نے اور دوسرے ساتھیوں نے جرأت کے ساتھ اُسے بھی پہچاننے سے انکار کر دیا۔

یہاں اِس بات کی وضاحت کر دوں کہ میں مولوی عبداللہ صاحب کے علاوہ اس مقدمہ کے دوسرے کسی بھی ساتھی کو نہیں جانتا تھا۔ ہاں جیل میں جانے کے بعد مقدمہ کی وجہ سے دوسرے ساتھیوں کا تعارف ہوا، لیکن تعلق نہیں تھا اور چاند خان کون ہے؟ کہاں کا رہنے والا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ مجھے نہ پہلے کوئی علم تھا نہ ابھی ہے، نہ کبھی میں نے جاننے کی کوشش کی۔

اب کشمیر پولیس نے نہایت ہی باریک سوالات پوچھنے شروع کیے مثلاً یہ کہ اُنہوں نے کیسے کپڑے پہنے تھے؟ چپل پہنی تھی یا جوتے پہنے تھے؟ اگر جوتے تھے تو کیسے اور کس کمپنی کے تھے؟ اردو زبان میں بات کرتے تھے تو لہجہ کیسا تھا؟ کیوں کہ ہر علاقے کا لہجہ الگ ہوتا ہے۔ اُنکی

لمبائی، اونچائی، چہرے کی رنگت وغیرہ سے متعلق بھی سوالات کیئے۔ جنہیں سن کر کرائم والوں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ ظاہر ہے اُنہوں نے ان تمام باتوں کو (خیانتاً) غیر ضروری سمجھا تھا۔ زیادہ تر سوالات مجھ ہی سے کیئے گئے تھے اور میں اُنکے جواب نہیں دے پا رہا تھا۔ اب کی بار .A.C.P ڈاکٹر عبدالحسیب صاحب نے مجھے بلا کر اپنے سامنے اس طرح کھڑا کر دیا کہ بنجارا اور گجرات پولیس میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے، انکی نگاہیں میری پشت پر تھی۔

اسکے بعد .A.C.P ڈاکٹر عبدالحسیب نے مجھ سے کہاں مفتی ہو کیا فتوے دیتے ہو؟ میں نے کہا نکاح، طلاق، میراث وغیرہ جو مسئلہ پوچھا جائے بتاتا ہوں، کہنے لگے جہاد کا فتوی بھی دیتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگے جھوٹ بولتے ہو؟ میں نے اپنے سینے کے قریب ہاتھ لے جا کر انگوٹھے کے ذریعے پیچھے بیٹھے ہوئے بنجارا صاحب وغیرہ کی موجودگی کا اشارہ کیا۔ میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ ان حضرات کی موجودگی میں میں سچ بات بتا نہیں سکوں گا۔ عبدالحسیب صاحب اور کشمیر پولیس کے دیگر افسران میرا اشارہ سمجھ گئے اور اُس وقت تو اُنہوں نے مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی کہ ''تمہیں شرم نہیں آتی؟'' مفتی ہو کر مندر پر حملہ کرواتے ہو، بے قصوروں کی جان لیتے ہو؟ لیکن چونکہ کشمیر پولیس کو سچائی کا شاید پہلے ہی سے علم تھا، اس مجلس سے کرائم برانچ اور اُنکی جھوٹی کہانی پر انکا شک وشبہ اور بڑھ گیا، اور انہوں نے دوسرے روز یہ اہتمام کیا کہ کشمیر .D.G کے علاوہ .I.B اور .R.A.W (ریسرچ اینڈ اینالیسیس ونگ) انڈین آرمی ودیگر خفیہ ایجنسیوں کے بڑے بڑے افسران کو بھی طلب کرلیا (یہ بات کرائم برانچ ہی کے ایک .P.S.I صاحب نے مجھے بعد میں بتائی تھی اور ایک گجراتی اخبار پھول چھاب نے بھی یہ ساری باتیں اخبار میں لکھی تھی۔)

.D.G کے راجیند رصاحب نے مجھے اپنے سامنے طلب کیا اور کہا ''ملا جی اب سچ بتا دو کیا بات ہے؟'' مجھے حالات نے خوف زدہ کر رکھا تھا اسلئے میں نے کہا صاحب آپ گجرات پولیس کو مت بتانا ورنہ وہ مجھے مار دینگے۔ راجیند رصاحب نے مجھے تسلی دی اور اطمینان دلایا کہ آپ بے خوف ہو کر سچ بتائیں تمہیں کوئی نہیں مار سکے گا۔ انکی انسانیت وہمدردی دیکھ کر میں زار وقطار رونے لگا، انہوں نے پانی اور چائے ناشتہ منگوایا، افاقہ ہونے کے بعد انہوں نے کہا اب

بتاؤ کیا بات ہے؟ میں نے کہا صاحب میں بالکل بے قصور ہوں، تو کہنے لگے یہ تو ہم بھی جانتے ہیں، ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ بے قصور ہیں آپ صرف ہمیں یہ بتادو کہ آپ ہی کو اس مقدمے میں کیوں پھنسایا گیا؟

دو سوال

اکثر مجھے دو سوال پوچھے گئے (۱) آپ ہی کو مقدمے میں کیوں پھنسایا گیا؟ شہر میں اور بھی مفتی، عالم اور کیمپ چلانے والے تھے آپ ہی کا انتخاب کیوں ہوا؟ (۲) آپ جب بے قصور تھے تو آپ نے قبول کیوں کیا؟ اور اقبالیہ بیان پر دستخط کیوں کئے؟ میں سمجھتا ہوں آپ حضرات کے ذہنوں میں بھی یہ سوالات کھٹکتے ہونگے۔ اللہ رب العزت کے فضل سے میں نے اپنی ناقص فہم کے مطابق ان سوالات کے جوابات دئے جنہیں یہاں ذکر کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات واشکالات دور ہو جائینگے۔

چنانچہ راجیندر صاحب کے پوچھنے پر کہ اس مقدمے میں آپ ہی کو کیوں پھنسایا گیا؟ میں نے کہا :

(۱) کرائم والے اس مقدمے میں کسی ایسے شخص کو ڈالنا چاہتے تھے جو ریلیف کیمپ اور دیگر رفاہی کاموں سے جڑا ہوا ہو، تا کہ آئندہ کوئی باز آبادکاری کا کام نہ کر سکیں۔ اور رفاہی کاموں اور کیمپوں پر لگی انکی بری نظروں کو سکون پہونچے اور مدارس، مراکز و دیگر رفاہی کاموں کو ملک و بیرون ملک سے ملنے والے چندے پر پابندی لگائی جا سکے۔ اسی لئے انکی کہانی کا مدار ہی ریلیف کیمپ کی کیسٹیں تھیں، اور ظاہر ہے ریلیف کیمپ سے میں ہی جڑا ہوا تھا۔

(۲) کرائم والے کسی ایسے مفتی کو تلاش کر رہے تھے جو متحرک و فعال ہو، اور اسکی شخصیت ایسی ہو کہ اسے مقدمہ میں ڈالنے کی صورت میں اسکے ملوث ہونے کو عوام آسانی سے یقین کرلے۔ اس وقت شہر میں دو مفتی "بدنام" (؟) تھے۔ ایک مفتی سفیان صاحب جو انکے ہاتھوں سے نکل چکے تھے، دوسرا میں تھا۔ میں انہیں اس مقدمہ کے لیے ہر اعتبار سے مناسب لگا اس لئے مجھے

مقدمہ میں ڈالدیا۔ اگر مفتی سفیان ان کے ہاتھ لگے ہوتے تو شاید یہ وبال ان کے سر ہوتا۔

(۳) الحمدللہ فراغت (۱۹۹۸-۱۹۹۷) کے بعد سے تا حال رفاہی خدماتی کاموں میں لگا ہوا تھا۔ خاص کر سن 2000 میں کنڈلا نولکھی میں سیلاب 2001 میں کچھ بھوج ودیگر مقامات پر آئے ہوے تباہ کن زلزلے میں الحمدللہ بلاتفریقِ مذہب متاثرین کی میں نے اور میرے ساتھیوں نے مدد کی تھی 2002 کے فساد میں تاریخ 2002-2-28 کو سب سے پہلا ریلیف کیمپ دریاپور کے مسلمانوں نے میری نگرانی میں بواہر ہال پر قائم کیا تھا کیمپ میں پناہ لینے والے مظلوم و بے بس لوگوں کا قیام و طعام ودیگر ضروریات عوام کے تعاون سے پوری ہوتی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ کیمپ سے روانگی کی صورت میں ہر فیملی کو سلائی مشین اور ذریعۂ معاش کے اوزار وآلات وضروریات زندگی کی چیزیں بھی تقسیم کی گئی تھیں۔ حالات کے پیشِ نظر "ہیومن ویلفیر سوسائٹی" کے نام سے ایک ٹرسٹ قائم کیا تھا اور اولاً ایک ایمبولنس خریدی گئی تھی اور عوام کی ضرورت وشدید تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دریاپور، لمڑی چوک میں واقع لوکھنڈ والا ہسپتال احمد آباد کارپوریشن سے کرائے پر لے کر تجدید کی گئی تھی۔

ان ساری باتوں سے عوام تو مطمئن اور خوش تھے لیکن یقیناً کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا تھا ان کے لئے شاید یہ "انا" کا مسئلہ تھا چنانچہ کچھ حاسدوں نے بے نامی عرضی کی تھی کہ اکشر دھام مندر پر حملہ کرنے کی سازش میں ہماریں محلہ کے مفتی اور کچھ لوگ شامل ہیں اسی طرح کی عرضی سن 2000 میں عید الاضحٰے کے وقت ہوئے فسادات اور اسکے علاوہ دو تین موقعوں پر کی گئی تھی۔ کچھ شرارت پسند وفتنہ پرور آدمی اس قسم کی عرضیاں کرنے میں بڑے ماہر ہوتے ہیں، اوران کا مشغلہ و پیشہ ہی یہی ہوتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے خلاف جائز ناجائز عرضیاں کرتے ہیں، بہر حال ساری خدمات کو مختصراً بیان کر کے تیسرا جواب یہ دیا کہ صاحب ہوسکتا ہے میں کسی کے حسد یا گندی سیاست کا شکار ہوا ہوں۔

(۴) آخری بات یہ کہ تمہیں ہی کیوں پھنسایا گیا؟ یہ سوال تو ہر شخص کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ میرے بجائے کوئی اور مفتی ہوتا یا کوئی اور شخص ہی ہوتا اس سے بھی یہ سوال ہوتا کہ تمہیں ہی کیوں پھنسایا گیا۔ دنیا میں کوئی بے قصور ایسا نہیں ہے کہ جس پر یہ سوال نہ ہو کہ دنیا بھری پڑی ہے پھر

تمہیں ہی کیوں پھنسایا گیا؟ اور پھر سب سے اہم اور ٹھوس بات یہ ہے کہ ظالم کو ظلم کرنے کے لئے وجوہات کی تلاش نہیں ہوتی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کو ان جوابات سے اطمنان ہو رہا تھا۔ کہا ٹھیک ہے ابھی تو آپ جاؤ اور کرائم برانچ کے افسر جیسا کہیں ویسا کرو، فی الحال ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے لیکن وقت آنے پر ہم آپکی ضرور مدد کریں گے۔

دوسرا سوال یہ کہ آپ جب بے قصور ہیں تو قبول کیوں کر لیا؟ یہ سوال بھی مجھے کئی لوگوں نے پوچھا۔

محترم قارئینِ کرام!

(۱) گذشتہ صفحات میں آپ نے ظلم وتشدد اور جسمانی ذہنی اور زبانی اذیتوں کا نہ تھمنے والا سیلاب اور وحشت ودرندگی کا وہ ننگا ناچ دیکھا جو شاید بربر وجھولو اور دنیا کی نہایت ہی پسماندہ وبدتہذیب قوموں میں بھی نہیں ہوتا ہوگا۔ کیا اس ظلم وتشدد کے سامنے کوئی بھی شخص ثابت قدم رہ سکتا ہے؟

(۲) قبول نہ کرنے اور اقبالیہ بیان پر دستخط نہ کرنے کی صورت میں میرے گھر والوں اور میرے دوستوں کو مار دینے یا مقدمے میں پھنسا دینے کی دھمکیاں دی جاتی تھیں۔ کیا کوئی بھی غیرت مند آدمی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں پر ان مظالم کا تصور کر سکتا ہے؟

(۳) طاقت اور ڈنڈے کے زور پر تو کسی سے بھی اقبالیہ بیان لے لینا بہت آسان ہے۔ ایک افسر نے ایک مرتبہ مجھے یہی سوال پوچھا تھا میں نے کہا صاحب آپ کو حکومت نے جو (جائز، ناجائز) پاور دیا ہے آپ مجھے دے دو اور ڈنڈا مجھے دے دو۔ آپ کہیں گے اس آدمی سے میں قبول کروالونگا۔

(۴) مجھے اقبالیہ بیان کے لئے انکاؤنٹر کرنے کے لئے بھی لے گئے تھے جسکی تفصیلات آئندہ صفحات میں آرہی ہیں۔

(۵) اس سے قبل مجھے پولیس تھانہ کے اصول وآداب کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ جیل میں معلوم ہوا

کہ ایسے لوگ جنہیں بارہا کرائم برانچ کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا ہے، اور جیل انکے لئے سرائے کی طرح ہے، انکا آنا جانا لگا رہتا ہے، وہ حضرات بھی پولیس کی مار کے سامنے عاجز ہو جاتے ہیں اور اقبالیہ بیان دے دیتے ہیں، پھر میری کیا حیثیت تھی؟

(٦) یہی نہیں کرائم برانچ کے ظلم کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ میں تو پولیس اسٹیشن کے آداب وقوانین سے ناواقف تھا۔ ہمارے ایک وکیل جناب مشتاق سید و دیگر کچھ وکلاء کو بھی پوٹا کے ایک مقدمے میں پھنسایا گیا تھا، مشتاق بھائی بڑے ہی قابل وکیل ہیں۔ پوٹا اقبالیہ بیان کے دفاع میں کافی مہارت حاصل ہے، سپریم کورٹ کے مختلف فیصلے اور رہنمائی (گائیڈ لائنس) جج حضرات ان سے معلوم کیا کرتے تھے۔ ان سے بھی اقبالیہ بیان لے لیا گیا تھا (اگر چہ .C.J.M کے پاس انہوں نے اس سے انکار کر دیا تھا) جب ایک وکیل اقبالیہ بیان کے نقصانات سے واقف ہوتے ہوئے بھی اقبالیہ بیان دینے پر مجبور ہو گیا تو میں کب تک ان ظلموں کو برداشت کر سکتا تھا؟

(٧) ظلم وتشدد کے علاوہ کچھ لوگ مجھ پر ایسے بھی مسلط کئے گئے تھے جو مجھے اللہ ورسول کا واسطہ دیکر قبول کر لینے کے لئے کہتے اور میری ذہن سازی کرتے تھے کہ اللہ کے واسطے آپ قبول کرلو یہ امت کا مسئلہ ہے!!!

امید کرتا ہوں میرے ان جوابات سے آپ حضرات کے اشکالات اور ذہن میں اٹھنے والے سوالات کا ضرور تصفیہ ہو گیا ہوگا۔

بہر حال ادھر کشمیر پولیس اور دیگر افسران ہماری الگ سے تفتیش کر رہے تھے، ادھر کرائم برانچ کی حالت دیگر گوں ہو رہی تھی، اس کا اندازہ اس طرح ہوا کہ جیسے ہی ہمیں آفس سے باہر بھیجا گیا باہر ہی .R.I پٹیل و دیگر افسران کھڑے تھے۔ ان کے چہروں سے ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور بار بار پوچھ رہے تھے " ہماری کہانی ہی بتائی سچ تو نہیں کہہ دیا؟ لیکن شاید انہیں احساس ہو چکا تھا کہ انکی پول پکڑی گئی ہے، اسلئے بنجارا، آر۔آئی۔ پٹیل اور اے۔اے۔ چوہان تو جموں کشمیر پولیس کے ہیڈ کوارٹر چلے گئے۔ وہیں قیام وطعام کیا اور رخصت ہوتے ہوئے بنجارا نے

ہدایت دی کہ انہیں لیکر کسی اچھی ہوٹل میں چلے جاؤ اور انہیں کشمیر دکھاؤ، یہ حکم ہماری ہمدردی میں نہیں بلکہ انکا مفاد تھا۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر انہیں کشمیر پولیس تحویل میں رکھا گیا تو شاید کشمیر پولیس ان سے مزید سچائی جاننے کی کوشش کریگی اور ہوسکتا ہے عدالت میں 169 کا رپورٹ داخل کر دیں۔ اسلئے دیگر افسران واگھیلا، گوسوامی اور چوہان ہمیں لیکر لال چوک میں واقع ایک مشہور ہوٹل "شالیمار" میں چلے گئے، وہیں تین روز قیام کیا۔ کشمیری وازوان اور دوسرے لذیذ ترین کھانے کھلاتے رہے کچھ تو بنجارا کا حکم اور کچھ سچائی کا انکشاف کہ وہاں جاکر ماتحت افسران کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ یہ بکواس کہانی ہے، اور بے قصوروں کو ڈال دیا گیا ہے، چنانچہ ان ماتحتی افسران کا سلوک بڑا ہی ہمدردانہ و دوستانہ تھا، ان حضرات کے ساتھ کشمیر کے روح پرور وحسین مناظر کو دیکھنے کا موقع ملا۔ کشمیر پولیس نے ایک کانسٹیبل مقبول کو بطور رہبر ساتھ کر دیا تھا، وہ صاحب ہمیں اول شالیمار گارڈن لے گئے۔ (اس وقت وہاں غالبًا کسی ہندی فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی)، وہاں سے ہمیں مغل گارڈن لے گئے۔ ہندوستان کے گارڈنوں میں اسکا ایک امتیازی مقام ہے، خوبصورت پھول بوٹے اور سلیقہ سے تراشی ہوئی بیل و پودے جاذبِ نظر ہے۔ وہاں سے ہم مغل گارڈن ہی میں واقع چشمِ شاہی پہونچے، یہ پہاڑوں کے دامن میں واقع ایک انتہائی خوبصورت جگہ ہے۔ کہاجاتا ہے کہ مغل بادشاہ شاہ جہاں نے یہاں آبشارا دیکھا جو پہاڑوں سے نکل کر یہاں بہہ رہا تھا اور اسکا پانی نہایت ہی صاف شفاف تھا، اسے حکیموں نے اسکے بہت سے فوائد بتلائے، شاہ جہاں نے وہیں پر ایک چھوٹی سی محل نما عمارت قائم کی، اسکے بیچ سے یہ آبشارا بہتا ہے اور اسکے سامنے کی جانب بہترین نہر اور اسکے دونوں طرف راستہ اور روشنی کا بہترین نظارہ آنکھوں کو ٹھنڈک اور روح کو سکون پہنچاتا ہے۔ کہاجاتا ہے کہ ہمارے ملک کے سب سے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو جی نے پوری زندگی اسی چشمہ کا پانی پیا ہے، ہم بھی اسکا پانی پی کر محظوظ ہوئے، وہاں سے ہمیں نشاط گارڈن میں لے گئے۔

اسکے بعد وہاں کی مشہور ومعروف جگہ ''ڈال لیک'' گئے، چاروں طرف ہریالی و پہاڑوں کے دامن میں وسیع وعریض سمندر نما یہ لیک وادی کشمیر کی خوبصورتی کا بڑا راز ہے،

شاید اسی کو دیکھ کر کہنے والے نے کہا ہوگا.......

اگر بہشت برروئے زمیں است　　ہمیں است، ہمیں است، ہمیں است

(اگر جنت اس روئے زمین پر ہے،　تو یہی ہے، یہی ہے، یہی ہے)

دال لیک کا اپنا حسن اور اسمیں چلنے والی شکارہ کشتی، ہاؤس بوٹ اور تیرتا ہوا بازار اسکی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیتے ہیں، ہمیں تو گویا کشمیر گھمانے اور سیر و تفریح ہی کے لئے لے گئے تھے، پھر شکارہ کی سواری سے کیوں کر محروم رہتے؟ ہمیں بھی شکارہ کی سواری کرائی، شکارہ میں دور تک گئے سامنے دور حضرت بال کی مشہور درگاہ نظر آرہی تھی، وہاں ناشتہ بھی ہوتا رہا اور ساتھی افسران خریدی بھی کرتے رہے، اب کشمیر میں جب کہ سچ اجاگر ہو چکا تھا، گجرات پولیس اور کشمیر پولس کے لئے ہمارے تعلق سے شاید کوئی کام باقی نہیں تھا، گجرات پولس گھومنے پھرنے اور خریدی کرنے میں اپنا وقت گذار رہی تھی۔ کشمیر پولیس کو حتی الامکام ہم سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی، پھر بھی کبھی موقع مل جاتا تو بیچارے کچھ کانسٹیبل میرے پاس تعویذ بنانے چلے آتے!

یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کشمیر آکر دودھ اور پانی الگ ہو گئے تھے، کرائم برانچ کا جھوٹ اور انکی پول پکڑی گئی تھی، یہ ایک بہترین موقع تھا کہ کرائم برانچ والے اپنی غلطی مان کر ہمارے لئے عدالت میں دفعہ 169 کا رپورٹ داخل کر دیتے، دفعہ 169 کو مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ پولیس اپنی غلطی / غلط فہمی کا اعتراف کرتے ہوئے عدالت میں رپورٹ داخل کرتی ہے کہ ہم ایک جیسا نام ہونے یا ہم شکل ہونے یا ایک ہی برادری، محلّہ ہونے کی وجہ سے غلطی سے بے قصور آدمی کو پکڑ لائے ہیں، ہمارے پاس اسکے خلاف کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا اسے رہا کر دینا چاہئے، پھر عدالت اپنی تحقیق کے بعد عام طور پر اس شخص کو رہا کر دیتی ہے۔

لیکن افسوس کہ ہمارے ان افسران کو نہ صرف مسلمانوں پر ظلم کرنا تھا بلکہ ہندوؤں کو بھی دھوکا دے کر میڈل حاصل کرنا تھا، اسلئے ان سے یہ توقع کرنا بے کار تھا۔ دفعہ 169 کا رپورٹ بھرنا تو دور کی بات رہی، انہوں نے اپنی پول پکڑی جانے کے ڈر سے دو مختلف کہانیاں گھڑ لیں اور میرا رول اور بڑھا دیا، بلکہ مجھے ہی "اصل ہیرو" بنا دیا۔

بہر حال بنجارا صاحب اینڈ کمپنی نے ہمیں کشمیر میں خوب گھمایا اور Enjoy کروایا!
حالانکہ یہ سیر وتفریح یقیناً ان کے لئے Enjoy تھا، لیکن میرے لئے یہ سفر اپنی تمام خوبصورتیوں اور دل فریب مناظر کے باوجود بے مزہ تھا، کیوں کہ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ صرف چار دن کی چاندنی ہے. 9-9-2003 منگل کے روز ہماری کشمیر سے واپسی ہوئی، ہمیں .P.S.I سی۔ جے۔ گوسوامی P.S.I. آئی۔ کے۔ چوہان اور .P.S.I ڈی۔ ایس۔ واگھیلا کے ساتھ روانہ کیا گیا، بنجارا صاحب، .P.I آر۔ آئی۔ پٹیل اور .P.I اے۔ اے۔ چوہان وہیں ٹھہر گئے۔ یہ حضرات چاند خان کو لینے کے لئے رک گئے تھے، سری نگر ایر پورٹ پر ہم امیگریشن کے لئے صف میں کھڑے تھے وہاں وہی جنوب ہند کے افسر نظر آئے، جنہیں میں کے۔ راجیند ر صاحب کی آفس میں دیکھ چکا تھا، انہوں نے کہا: ملا جی آپ کو تھوڑا سا صبر کرنا پڑے گا ہم وقت آنے پر تمہاری مدد کریں گے رات میں قریب 9:00 بجے ہم احمد آباد ایر پورٹ پر اترے۔

تاریخ 13-9-2003 سنیچر کو ہمیں خصوصی پوٹا عدالت میں پیش کیا گیا۔ پہلی بار پوٹا جج سونیا گوکانی صاحبہ کا دیدار ہوا۔ اور انہوں نے ۵ روز کے ریمانڈ (Remand) پر ہمیں پھر کرائم برانچ کے حوالے کر دیا حالانکہ انہوں نے ریمانڈ دینے سے پہلے خانہ پوری ضرور کی تھی کہ آپ کو کوئی شکایت ہے؟

لیکن جیسا کہ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں،، ہمیں اتنا ڈرا دیا گیا تھا کہ ہم کچھ بھی نہ کہہ سکے، تاریخ 18-9-2003 جمعرات کو ہمیں پھر پوٹا عدالت میں پیش کیا گیا اور جج صاحب نے پھر 8 روز کے ریمانڈ پر بھیج دیا۔ ریمانڈ کے ان دنوں میں صرف فورمالیٹی ہوتی رہی تاہم میں اپنی پورانی حالت نہ بھول جاؤں اس لئے کبھی کبھی گالی گلوچ اور دو چار ڈنڈوں کا مزہ چکھا دیا جاتا تھا جس کا شاید میں عادی ہو چکا تھا اس لئے ایسی چھوٹی موٹی تکالیف کو خاطر میں نہیں لاتا تھا! لیکن تاریخ 18-9-2003 جمعرات کی رات میرے لئے ایک نا قابل یقین مصیبت کا پیغام لیکر آئی جس کے سامنے اگلی تمام مصیبتیں ہیچ معلوم ہوتی تھی۔

میرا انکاؤنٹر

18 ستمبر 2003 جمعرات کی وہ ٹھنڈی رات تھی، میں .V.D ونار کی آفس میں اس حال میں سو رہا تھا کہ میرے ایک ہاتھ میں ہتھکڑی لگا کر ٹیبل سے لاک (Lock) کی ہوئی تھی۔ مشکل سے نیند آئی تھی کہ میری پیٹھ پر جوتے پہنے ہوئے کسی صاحب نے لات مار کر اٹھایا، سامنے جناب سنگھل صاحب کھڑے ہوئے تھے اور ان کے کپڑوں سے بہترین قسم کے "عود" کی خوشبو مہک رہی تھی۔ سنگھل کے پیچھے اور ایک چہرہ نظر آیا وہ وی۔ڈی۔ونار تھے۔ سنگھل کے حکم سے میرے ہاتھ سے ہتھکڑی کھول دی گئی، .V.D ونار نے مجھے ساتھ لیا اور کہا چل صاحب کا حکم ہے آج تیرا "انکاؤنٹر" کرنا ہے۔ مجھے کہا گیا تو مرنے والوں کی نماز پڑھاتا ہے آج تو خود اپنی نماز پڑھ لے میرے انکار پر ونار نے بے شمار گالیاں دیں، اور مجھے دھکے دیکر ایک ٹاٹا سُومو (Tata Sumo) میں بٹھا دیا میرے اردگرد داہنی جانب وی ڈی ونار اور بائیں جانب آر۔آئی۔پٹیل بیٹھ گئے۔ آگے ڈرائیور کے پاس جناب .P.I اشرف چوہان تشریف فرماں ہوئے۔ پیچھے ایک کمانڈو اور ایک کانسٹیبل ندیم خان بیٹھ گئے۔ کرائم برانچ سے باہر نکلتے ہی ونار نے گالیوں کی بوچھار شروع کر دی اور میرے چہرے سے نقاب ہٹا کر کہا کہ " آخری وقت ہے اب نقاب کی ضرورت نہیں جی بھر کے آخری بار دنیا دیکھ لے"۔ اس کے بعد مجھے فون دیکر کہا: لے آخری مرتبہ تیرے ماں باپ، بیوی بچوں سے بات کر لے۔ میرے انکار پر نہایت ہی بے دردی سے میری ڈاڑھی اور سر کے بال کھینچ کر میرا سر سیٹ پر دے مارا۔ یہ ظالم اپنی مستی میں مست میرے دل کی کیفیت سے غافل تھا۔ خوف وہراس سے میرا دل دھڑک رہا تھا، لیکن مختلف خیالات، اور وساوس کے سایہ میں واللہ دل میں کہیں نہ کہیں اللہ رب العزت کا نام اور اطمینان ضرور تھا۔

گائیک واڈ کی حویلی سے باہر نکل کر امیرِ قافلہ ونار نے گاڑی " کوتر پور" لینے کے لئے کہا۔ رات کے تقریباً 2:00 بج رہے تھے، تاریک رات میں سامنے سے گذرنے والی اکا دکا گاڑیوں کی ہیڈ لائٹ کی روشنی میری آنکھوں کا خوف اور ظالموں کی آنکھوں سے ٹپک رہی درندگی کو

اُجاگر کر دیتی تھی، راستے میں ایک دو جگہ ونار نے ریوالور نکال کر اسے صاف کیا، چیک کیا اور ہوا میں فائر کرنے کی کوشش کی لیکن فائر نہیں ہوا، فائر نہ ہونا بھی شاید میری غلطی تھی، اس لئے مجھے گالیاں دی گئیں ۔آر۔آئی۔ پٹیل نے کہا: دوسرے والی ریوالور چیک کرو، ونار نے کہا وہ سرکاری ریوالور ہے۔ پھر کارٹس کا حساب دینا ہوگا تو گڑبڑ ہوگی (معلوم ہوا کہ یہ انکاؤنٹر کے ماہرین دو ریوالور رکھتے تھے، ایک قانونی (سرکاری) اور دوسری غیر قانونی (غیر قانونی حرکتوں میں یہ حضرات شاید یہی غیر قانونی ریوالور استعمال کرتے ہوں گے) ایک دو جگہ مس فائر کے بعد ونار نے P.I. آر۔آئی۔ پٹیل سے انکی (غیر قانونی) ریوالور طلب کی اور گاڑی ادھر اُدھر مختلف راستوں پر لینے کے بعد ڈرائیور سے گاڑی "نہر" کے پاس لینے کے لئے کہا، راستے میں ونار فرضی انکاؤنٹروں میں اپنی مہارت اور حکومت کی جانب سے میڈل دئے جانے کی داستان بھی مجھے سناتا رہا، مجھے کہا: میں نے اب تک پانچ انکاؤنٹر کئے ہیں، حمید لالا کو میں نے مارا تھا، رانپ والے کو میں نے یہاں کرائم برانچ کی سیڑھی پر ہی مارا تھا، اور بھی نام گنوائے اور کہا اتنے انکاؤنٹر کے بعد بھی حکومت اور عدالت نے میرا کیا بگاڑ لیا؟ (ونار کے الفاظ تھے " کیا توڑ لیا"؟) بلکہ مجھے بہادری کا ایوارڈ اور ۱۵ ہزار روپئے انعام دیے گئے، آج تیرا یہ چھٹا انکاؤنٹر ہے، کل اخبارات اور میڈیا میں کہانی دے دیں گے کہ مقدمہ کی جانچ کے لئے لے گئے تھے اور وہاں سے موقع دیکھ کر بھاگ گیا اور کہیں سے ریوالور ہاتھ لگ گئی اور ہم پر فائر کئے اور جوابی فائرنگ میں مارا گیا!

اندھیری رات میں ایک جگہ گاڑی روکی گئی، میرے انداز سے وہ ایرپورٹ کے پیچھے کی کوئی جگہ تھی کیونکہ وہاں سے ایرپورٹ کی لائٹ نظر آرہی تھی، راستے کے دونوں طرف نہر تھی، گاڑی نہر سے لگ کر داہنی جانب کچے راستے پر اتاری گئی لیکن کچھ آگے جاتے ہی وہاں بہت سے بھیڑ بکری اور ایک چرواہا نظر آیا جنہیں دیکھ کر ونار نے گاڑی واپس لینے کے لئے کہا، پھر راستے کی بائیں جانب کچے راستے پر اندر تک گاڑی لے گئے اور ایک وسیع جگہ گاڑی روک کر تمام بہادر اُترے۔ میری داڑھی کھینچ کر مجھے بھی نیچے اتارا گیا، گاڑی سے اتار کر ونار نے مجھے دھکا دیا اور کہا

بھاگ، میں نے کہا: میں نہیں بھاگوں گا، کہنے لگے کہ نہیں بھاگے گا تو ہم گولی مار دیں گے۔ میں نے کہا ماردو۔ ونار نے ریوالور نکالی اور اپنے ساتھیوں سے تھوڑا دور ہٹ جانے کے لئے کہا۔ ریوالور کا نشان میرے سر پر لیا۔ میری زبان پر بے ترتیب کلمات ودعائیں جاری تھیں۔ دل ودماغ اورزبان ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

رات کی تاریک فضا میں ایک دھماکا سنائی دیا جس سے رات کی خاموشی خلل انداز ہوگئی، اور آگ کی ایک لکیر سی میرے سر کے پاس سے گذر گئی، میں مبہوت وحیران زندہ کھڑا تھا کیونکہ گولی میرے سر میں نہیں لگی تھی بلکہ میرے سر کے پاس سے گذری تھی۔ اس کے بعد مسلسل میرے سر کے پاس، میرے دائیں، بائیں اور میرے پیر کے پاس کل پانچ فائر کئے۔ قریب کے درختوں سے پرندوں کا ایک شور وغل اُٹھا کیونکہ اس نامانوس آواز نے ان تھکے ہوئے بے زباں پرندوں کو وقت سے قبل بیدار کر دیا تھا۔

ونار نے اپنے ہاتھوں میں ریوالور گھماتے ہوئے کہا ! ابھی ایک گولی باقی ہے، جو تیرے لئے کافی ہے۔ ابھی تک جناب اے۔اے۔ چوہان جو اس خونی ڈرامے کے خاموش تماشائی تھے اب انکی بھی پردے پر آمد ہوئی، وہ بظاہر میرے ہمدرد بن کر سامنے آئے اور کہا ونار صاحب اسے مت مارو میں بڑے صاحب سے بات کر کے اسے آخری موقع دینا چاہتا ہوں۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا، بڑے صاحب جو کچھ کہے تو سب قبول کرنے کے لئے تیار ہو تو میں تیری جان بچا سکتا ہوں۔ میں نے کہا اتنا بڑا مقدمہ تو آپ نے مجھ پر ڈال ہی دیا ہے اب کیا قبولنا باقی ہے؟ کہنے لگے میں صاحب کو فون لگاتا ہوں وہ جو کہے قبول کر لینا اور جہاں کہے دستخط کر دینا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اے۔اے۔ چوہان نے اپنے موبائل سے فون لگایا اور کچھ دیر تک خود بات کرتے رہے اور میری سفارش (!) کرتے رہے کہ صاحب آپ اسے معاف کردو وہ سب قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور پھر مجھے فون دیا کہ لے صاحب سے بات کر۔ سامنے سے سنگھل صاحب کی آواز سنائی دی پوچھا: ہم جو کچھ کہیں کرنے کے لئے تیار ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، کہنے لگے اردو خطوط تو نے لکھے تھے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ فون اے۔اے۔ چوہان کو دینے کے لئے

کہااور پھر انکے آپس میں کچھ گفتگو ہوئی اور وہ مجھے زندہ لیکر کرائم برانچ واپس آ گئے۔ اردو خطوط اگر چہ میں پہلے ہی قبول کر چکا تھا لیکن شاید یہ حضرات اس معاملے میں مزید اطمنان کر لینا چاہتے تھے چونکہ اقبالیہ بیان کے علاوہ پورے مقدمہ میں ثبوت کے طور پر صرف اردو خطوط ہی تھے جن کے ذریعہ کسی کو بھی اس مقدمہ سے جوڑا جاسکتا تھا چنانچہ واپسی پر .P.I آر۔ آئی۔ پٹیل کچھ کاغذات لیکر آ گیا اور کہا کہ خطوط تو نے لکھے تھے؟ میں نے انکار کر دیا تو ان حضرات کا غیض وغضب ساتویں آسمان پر پہونچ گیا۔ ونار نے کہا کہ اسے برہنہ کر کے چھت پر الٹا لٹکا دو، رات کے آخری پہر میں میرے جسم سے کپڑے اتارے جانے لگے اور ایک موٹا سا رسّا لایا گیا میرا آدھے سے زیادہ جسم کھول دیا گیا تھا جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ مجھے بالکل برہنہ کرنے سے بھی نہیں شرمائیں گے اس لئے مجبوراً میں نے پھر اقرار کر لیا۔ جس پر مجھے چھوڑ دیا گیا۔ کچھ ہی دیر میں فجر کا وقت ہو گیا اور اس بھیانک رات کی تاریکیاں چھٹ گئیں۔

بعد میں پتہ چلا تھا کہ انکاؤنٹر کا یہ ڈرامہ شاید مجھے خوف وہراس میں مبتلا رکھنے اور اقبالیہ بیان دینے اور اس پر دستخط کرنے کے لئے کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ تاریخ 2003-9-18 کے بعد بھی دو تین روز تک انکاؤنٹر کا ڈرامہ کیا گیا چنانچہ دوسرے روز تاریخ 19/9/2003 جمعہ کی دیر رات میں پھر مجھے بلایا گیا کرائم برانچ میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ پر ونار اور .P.I آر۔ آئی۔ پٹیل کی آفس کے درمیان سامنے ایک جھولا تھا۔ ہمارے بہادر افسران رات دن "ملک کی خدمت" کر کے جب تھک جاتے تو تھوڑی دیر یہاں آرام کر لیا کرتے تھے جھولے پر اس وقت دو تین افسروں کے درمیان ایک تاؤ دار مونچھوں والے صاحب تشریف فرما تھے۔ مجھے ان کے سامنے لے جا کر زمین پر بٹھا دیا گیا مونچھوں والے صاحب نے پوچھا مجھے جانتا ہے؟ میں نے کہا نہیں جانتا۔ کہنے لگا مجھے نہیں جانتا؟! میں ترون باروٹ ہوں۔ لطیف بھائی کو میں نے مارا تھا۔ پھر کہنے لگا دیکھ سامنے وہ اندھا اور داڑھی کھڑے ہیں انہوں نے مجھے تیرا انکاؤنٹر کر دینے کے لئے کہا ہے۔ (یہ لوگ غائبانہ اپنے دو بڑے افسروں کو اندھا اور داڑھی کے القاب سے پکارتے تھے)، تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّ قُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى ۔ بہرحال اس نے بھی انکاؤنٹر میں اپنی مہارت وخوبیاں شمار کروائی اور کچھ دیر ڈرا دھمکا کر مجھے واپس کر دیا۔

ریمانڈ کے آخری دنوں میں ایک روز جوئنٹ کمشنر آف کرائم برانچ جناب پی۔ پی۔ پانڈے کے سامنے پیش کیا گیا۔ پیش کرنے سے پہلے چونکہ دھمکیاں دیکر وہی جھوٹی کہانی کہنے کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ پانڈے صاحب نے صرف یہ پوچھا کہ اردو خطوط آپ نے لکھے ہیں، میں نے کہا جی ہاں! یہ سب جھوٹ اور بکواس ہے کہتے ہوئے وہ صاحب چل دیئے۔

ایک رات شہر کے پولس کمشنر جناب کے۔ آر۔ کوشک کے سامنے پیش کیا گیا، یہ صاحب بھی کمال کی ہستی ہے، ان کے دور میں کئے گئے سارے ہی انکاؤنٹر میں سب سے پہلے دہشت گردوں کی خُفیہ اطلاع انہیں کو ملتی تھی یہ شہر کی ناکا بندی اور دوسرے حفاظتی اقدامات کے احکام جاری کرتے تھے، لیکن سارے ہی انکاؤنٹر کے روز یہ صاحب خود چھوٹی پر ہوتے تھے! چنانچہ مجھے خاموشی سے کچھ دیر تک دیکھتے رہے، اور پھر چلے گئے، غالباً 22 ستمبر تھی۔

ایک رات کرائم برانچ میں سِنگھل کی آفس ہی میں .A.C.P نجے کمار گڈھوی کے سامنے پیش کیا گیا، یہ وہی گڈھوی صاحب ہیں جنہوں نے 2002 کے فسادات میں کالوپور سوداگر کی پول کے قریب بے تحاشہ فائرنگ کر کے پانچ چھ مسلمانوں کو ہلاک کر دیا تھا اور تہلکہ کے اسٹینگ آپریشن میں کیمیرے (Camera) کے سامنے اپنے اِس کارنامہ پر بڑا فخر محسوس کیا تھا، انہوں نے بھی صرف یہ پوچھا: خطوط آپنے لکھے تھے؟ اور میں نے مجبوراً اثبات میں جواب دیا۔

تاریخ 24-9-2003. بدھ کے روز دوپہر میں تقریباً تین چار بجے جناب ونار، آر۔ آئی۔ پٹیل اور .P.I اگروات نے مجھے اور آدم بھائی کو ایک گاڑی میں سوار کیا۔ دوسری گاڑی میں جناب سِنگھل صاحب اور کچھ گارڈ وغیرہ تھے، مجھے منزل ومقصد معلوم نہیں تھا، پوچھنے کی جرأت نہیں تھی، گاڑی میں بیٹھتے ہی ونار نے ذہن سازی شروع کی اور کہا دیکھو آج تمہیں ایک بہت بڑے صاحب کے سامنے پیش کررہے ہیں، وہ تمہیں کچھ سوالات کریں گے، تمہیں اپنی کہانی پر قائم رہنا ہے، اور وہ جہاں کہے وہاں دستخط کردینی ہے، اگر تم نے ہماری مرضی کے مطابق کام کیا تو ہم تم پر رحم کریں گے ورنہ وہیں راستہ میں ماردیں گے، اس طرح دھمکی اور لالچ بھی دیتے رہے۔ ہمارا قافلہ پورانی ہائی کورٹ پہونچا۔ وہاں وکلاء کی چہل پہل سے اندازہ ہوگیا کہ ہمیں کسی جج صاحب

کے سامنے پیش کیا جانا ہے۔ ونارا اور اگروات گاڑی میں بیٹھے ہماری ذہن سازی کرتے رہے، سِنگھل صاحب کہیں تشریف لے گئے تھے وہ آئے اور پہلے آدم بھائی کو لے کر گئے، کچھ دیر بعد وہ واپس آئے اور مجھے لے کر گئے، وہ C.J.M. (چیف جیوڈِیشل مجسٹریٹ) جناب پادھیا صاحب تھے، انہوں نے مجھے اپنی قلم دی اور مجھ سے 9/10 صفحات کے حاشیہ میں اور تحریر کے آخر میں مختلف جگہوں پر دستخط کروائے، انہوں نے صرف یہ کہا کہ تم پر پوٹا کی فلاں فلاں دفعات لگائی گئی ہیں، بس اور کوئی بات نہیں کی۔ بلکہ حد تو یہ ہوئی کہ اِدھر میرے موت کے پروانے پر دستخط لئے جارہے تھے اور اُدھر جناب پادھیا صاحب، سِنگھل، ونار، آر۔آئی۔پٹیل وغیرہ حضرات نہایت ہی خوش ہنس ہنس کر باتیں کررہے تھے، اور چائے، ناشتہ کا مزہ لیتے ہوئے اِس عظیم کامیابی کا جشن منا رہے تھے۔

رِیمانڈ کے آخری دن تاریخ 26-9-2003. جمعہ کے روز دوپہر تین بجے کے قریب مجھے اور آدم بھائی کو لے کر سِنگھل صاحب کی ماتحتی میں پانچ سات گاڑیوں پر مشتمل قافلہ روانہ ہوا، معمول کے مطابق پہلے ہی دھاک دھمکی دیکر عدالت میں خاموش رہنے کی تاکید کردی گئی تھی۔

میں اِس موقع پر آدم بھائی کی ضرور تعریف کرونگا۔ انہوں نے موقع دیکھ کر مجھے کان میں کہا کہ میں آج عدالت کو سب کچھ بتادونگا۔ مجھے چونکہ بے انتہا مارا پیٹا گیا تھا اور پھر کچھ پورانی اور نئی دھمکیوں کا اثر، گھر والوں اور دوستوں کی فکر اور پھر یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ رِیمانڈ کا آخری روز ہے۔ اِس کے بعد دوبارہ رِیمانڈ پر نہیں بھیجا جائیگا، چونکہ ہم سے پہلے ایک مقدمہ "ٹفن (Tiffin) بم" میں تو ایک جج صاحب نے یہ شرمناک حرکت کی تھی کہ جب ان سے چار روز کا رِیمانڈ طلب کیا گیا تو کہنے لگے چار روز میں کیا ہوگا؟ چھ آٹھ دن لے جاؤ، اور یہی دھمکی ہمیں بھی دی گئی تھی کہ اگر کچھ بھی کہا تو واپس یہیں ہمارے پاس آنا ہے۔ اِن باتوں کے پیشِ نظر میں نے آدم بھائی سے کہا خدا کے واسطہ کچھ مت بولنا، ورنہ تم تو مروگے مجھے بھی مروادوگے، خیر کچھ خانہ پوری کے بعد سرسری طور پر یہ سوال کرکے "کوئی تکلیف، شکایت تو نہیں؟" ہمیں سابرمتی سینٹرل جیل بھیجنے کا حکم دے دیا گیا۔

اُس روز عدالت میں اور عدالت سے باہر میرے اور آدم بھائی کے کافی رشتہ دار اور عام مسلمان موجود تھے، ونار نے اُس روز پہلی بار انسانیت دِکھائی اور ہمیں ہمارے گھر والوں سے مختصر ملاقات اور بات چیت کی اجازت دی لیکن ساتھ ہی یہ دھمکی دینا نہیں بھولے کہ "کوئی بھی حرکت مت کرنا، جیل میں جانے کے بعد بھی ہمارے خلاف ایک لفظ زبان سے مت نکالنا ورنہ جیل سے نکال کر لطیف بھائی کی مانند قتل کر دیں گے۔ آخر جیل پولیس بھی ہمارے ہی لوگ ہیں"۔

لوگ نہایت ہی غمگین تھے، رو رہے تھے، اور مجھے تسلی دینے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ ہمیں پولیس کی بڑی گاڑی میں بٹھا دیا گیا، لوگ اب بھی کرائم برانچ کے ڈر سے قریب آنے سے کترا رہے تھے اور دور ہی دور سے ہاتھوں سے تسلی اور دعاء کے لئے اشارہ کرتے تھے، تاہم کچھ ہمدرد ایسے بھی تھے جنہوں نے گاڑی کے قریب آ کر مصافحہ کیا اور ہمت وحوصلہ برقرار رکھنے کے لئے کہا، اُس وقت بھائی سلمان کی آہ وزاری اور غم کا یہ عالم تھا کہ وہ مارے غم کے مجھ سے قریب ہونے کی ہمت نہیں کر رہے تھے اور دور ایک اسکوٹر پر بیٹھ کر زار و قطار رو رہے تھے، اُن کی حالت دیکھ کر کرائم برانچ کے افسر .C.J گوسوامی، .P.S.I دیسائی کے بھی دل بھر آئے اور اُن کے چہرے بھی غمناک ہو گئے، بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر کنٹرول کرتے ہوئے اِن صاحبوں نے پوچھا یہ بھائی جو تڑپ رہے ہیں کون ہیں؟ میں نے کہا میرا دوست ہے لیکن میرے حقیقی بھائی کا درجہ رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا اسے قریب بلاؤ اور سمجھاؤ کہ صبر کرے۔ اُن کے الفاظ آج بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تمہیں جیل کسٹڈی ہو گئی یہ اچھا ہے۔ تمہیں کرائم برانچ کے مظالم سے نجات مل گئی۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی سب اچھا کر دیں گے۔

گناہ کیسے قبول ہو؟

کسی بھی شخص کی جانب سے گناہ کا اقرار اسکے خلاف ایک مضبوط اور مؤثر ثبوت اسی وقت بن سکتا ہے جبکہ وہ گناہ پر شرمندگی کے احساس پر اپنی رضا سے دیا گیا ہو۔ جیسا کہ سپریم کورٹ نے بھی ہمارے اس مقدمے کے ججمینٹ میں لکھا ہے۔

یہی وجہ ہے اسلام نے گناہوں کی سزا اور روک تھام کے لئے مار پیٹ اور ریمانڈ کے بجائے عقیدۂ آخرت اور اللہ کی ذات کے استحضار کا نظریہ دنیا کو دیا کہ اگر انسان کو یہ یقین حاصل ہوجائے کہ میں جو بھی اچھا برُا عمل کرونگا اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اور مجھے سارے اعمال کا جواب دینا ہے، تو یہ عقیدۂ آخرت اُسے گناہوں سے روک دیگا، اور اگر گناہ ہو بھی گیا تو آخرت کی پکڑ اور جہنم کے عذاب کے مقابلہ میں وہ دنیا کی سزا و تکلیف کو ترجیح دیگا، دیکھئے غامدیہ صحابیہؓ اور حضرت ماعز اسلمیؓ کو حد سے بچنے کے لئے موقع دیا جارہا ہے اور بار بار آکر وہ اپنے گناہ کا اقرار اور اجراء حد کا اصرار کررہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں: طَهِّرْنِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ. یارسول اللہ ﷺ مجھے (سزا دے کر) پاک کردیجئے۔

نبی کریم ﷺ یہ کہہ کر کہ شاید تم نے صرف چھویا ہوگا، شاید تم نے صرف بوسہ لیا ہوگا، بار بار سزا سے بچنے اور اپنی عزت بچانے کا موقع دے رہے ہیں۔ لیکن اُن کے سامنے عقیدۂ آخرت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے اسلئے دنیا کی زندگی و عزت پر وہ سزا اور آخرت کو ترجیح دے رہے ہیں۔

بیشک دنیوی نظام چلانے کے لئے پولیس، انتظامیہ، عدالت، قوانین، سزائیں، سب کچھ ضروری ہے، لیکن جب تک دل میں اپنے مالک، اپنے رب کا خوف نہ ہو۔ صرف قوانین اور انتظامیہ انسان کو گناہ سے روکنے لے لئے ناکافی ہے۔

میں نے بہت سے ایسے خطرناک مجرم و گنہگار دیکھے جن کے لئے پولیس اسٹیشن اور جیل مہمان خانہ اور سرائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ سال میں پانچ چھ مرتبہ رہا ہوتے ہیں، باہر جا کر وہی

گناہ کرتے ہیں، پھر جیل میں آتے ہیں کچھ روز بعد پھر رہا ہو جاتے ہیں پھر گناہ کر کے جیل میں آتے ہیں، پتہ نہیں چلتا کہ اُن کا وطنِ اصلی جیل ہے یا گھر؟

بہرحال رِیمانڈ کے آخری دِنوں میں ایک رات ونار نے آ کر مجھے کہا کہ ایک ڈاکٹر صاحب آئے ہیں، وہ ایک اِنجکشن دینگے تو تیری ساری تکلیفیں اور درد ختم ہو جائیں گے، لیکن یہ بات یاد رکھنا وہ جو کچھ بھی سوال پوچھے تو تجھے ہماری کہانی کے مطابق ہی جواب دینا ہے، بصورتِ دیگر وہی پورانی ساری دھمکیاں دوہرائی اُس کے بعد مجھے آنکھوں پر پٹی باندھ کر کرائم برانچ میں داخل ہوتے ہوئے داہنے ہاتھ کی بالائی منزل پر لے کر گئے، وہاں لے جا کر مجھے ایک ٹیبل پر لِٹا دیا گیا اور میرے ہاتھ میں (شاید دو) انجکشن دئے گئے جس کے اثر سے مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں نیم بے ہوشی و بے خودی کے عالم میں چلا گیا، اُس کے بعد ونار، آر۔ آئی۔ پٹیل کے علاوہ ایک تیسری آواز بھی تھی جو شاید ڈاکٹر کی تھی، اول اُسی نئی آواز نے مجھے اپنا نام پوچھا، اُس کے بعد اکشر دھام مندر پر حملہ کے تعلق سے میرا رول پوچھا، میں نے اُسی نیم بے ہوشی ہی کی حالت میں اول کرائم برانچ کی کہانی اور میرا کردار سُنایا، وہ لوگ مجھے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر سوال پوچھتے تھے، میں بے خودی کے عالم میں جواب دیتا، پھر گویا کومہ (Coma) میں چلا جاتا تھا۔ کہانی سن کر ڈاکٹر اور ونار نے پوچھا یہ سب کچھ سچ ہے؟ میں نے کہا آپ مارو گے تو نہیں؟ کہنے لگے نہیں مارینگے، میں نے کہا یہ سب جھوٹ اور بکواس ہے، میں بے قصور ہوں، اُس پر ونار نے نہایت ہی گندی گالیاں دی اور ابھی بھی ہوش میں ہے یہ کہتے ہوئے سوالات پوچھنا بند کر دیا۔ میں بہت ہی کمزوری اور نیند کا غلبہ محسوس کر رہا تھا، کچھ دیر مجھے وہیں سُلائے رکھنے کے بعد دو کانسٹیبل مجھے پکڑ کر ونار کی آفس میں چھوڑ گئے، یہ شاید میرا "نارکو ٹیسٹ" تھا۔

مناسب ہے یہاں "نارکو اینالسیس" اور اِس قسم کے دوسرے ٹیسٹوں کا مختصر تعارف ہو جائے۔

نارکو اینا لسیس ٹیسٹ

(Narco Analysis Test) کیا ہے؟

دوائیوں کے ذریعہ کیا جانے والا امتحان

یہ نیند میں لیا جانے والا ایک ٹیسٹ ہے، جس میں مرد یا عورت کو ایک خاص مقدار میں اِنجکشن کے ذریعہ سوڈیم پینٹوتھل (Sodium Pentothal) یا سوڈیم امٹل (Sodium Amytal) دیا جاتا ہے، اِسی طرح سکوپولا مائن (Scopolamine) دوا بھی استعمال کی جاتی ہے، شک کی بنیاد پر یہ ٹیسٹ کیا جاتا ہے۔ جب یہ ٹیسٹ کیا جاتا ہے تو انسان نیم نیند اور غنودگی میں ہوتا ہے اور سوالات کے صحیح جوابات دیتا ہے، اسٹمپ (Stamp) مقدمہ میں جناب عبد الکریم تیلگی پر بھی یہ ٹیسٹ کیا گیا تھا، تاکہ بڑے سیاسی رہنماؤں کے ناموں کا افشاء کیا جاسکے۔

ایک خاص مقدار میں یہ ڈوز (Dose) دینے کے بعد مرد یا عورت جھوٹ نہیں بول سکتے، اِس ٹیسٹ کے ذریعہ آدمی اپنی بھولی ہوئی یادداشت یا چیزوں کو بھی دوبارہ حاصل کرسکتا ہے۔

نارکو ٹیسٹ کی قانونی حیثیت :

کسی بھی شخص کو عدالت کی اجازت یا اُسکی مرضی کے بغیر نارکو ٹیسٹ کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی اِس سے حاصل ہوئی معلومات عدالت میں ثبوت کی حیثیت رکھتی ہے، ہاں ثبوت مہیہ کرنے اور اُسے مدنظر رکھتے ہوئے جانچ آگے بڑھانے اور قانونی کاروائی کو صحیح رُخ دینے میں یہ ضرور مددگار ثابت ہوتا ہے۔

لائی ڈِٹیکٹر ٹیسٹ (Lie Detector Test)

(جھوٹ پکڑنے والا امتحان)

لائی ڈِٹیکٹر ٹیسٹ کو پولی گراف ٹیسٹ (Polygraph Test) بھی کہا جاتا ہے، اِس ٹیسٹ میں انسان چار سے چھ سینسر جانچوں سے گذرتا ہے، یہ ٹیسٹ E.C.G. کی طرح کے ایک

مشین کے ذریعہ ہوتا ہے، جو سینسر سے نکلنے والے مختلف سگنلوں (اشاروں) کو کاغذات پر گراف کی طرح ریکارڈ کرتا ہے، انسان کے سانس کی مقدار اور ہاتھ پیر کی حرکتوں کو بھی ریکارڈ کرتا ہے۔

اِس ٹیسٹ کی ابتداء میں سوال پوچھنے والا اِس شخص کو تین چار عام قسم کے سوالات پوچھتا ہے اُس کے بعد مقصد کے سوالات کے ساتھ یہ ٹیسٹ شروع کیا جاتا ہے، دورانِ سوال انسان کی تمام حرکات و اشارات کاغذ پر گراف کی شکل میں درج ہوجاتے ہیں، اِس ٹیسٹ کے دوران اور بعد میں ٹیسٹ کرنے والا شخص کسی بھی سوال پر اُس شخص کی ذات میں ہونے والے غیر معمولی اور قابلِ ذکر تغیر کو دیکھ سکتا ہے، عام طور پر دِل کی دھڑکنوں کا تیز ہوجانا، خون کا دباؤ بڑھ جانا، معمول سے زیادہ پسینہ بہنا یہ تغیر کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

اِس فن میں مہارت رکھنے والا شخص اِس ٹیسٹ کے ذریعہ سے انسان کے سچ۔ جھوٹ کو ضرور پرکھ سکتا ہے، لیکن کبھی کبھی اس میں ناکامی بھی ہوتی ہے کیونکہ یہ ٹیسٹ بھی نامکمل ہے اور ٹیسٹ دینے والا آدمی اپنی مہارت و چالاکی سے دھوکہ بھی دے سکتا ہے۔ اِسلئے اِس لائی ڈِٹیکٹر کی قانونا کوئی حیثیت نہیں ہے، ہاں اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جانچ آگے بڑھائی جاسکتی ہے لیکن اِسے بطورِ ثبوت عدالت میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

برین میپنگ (Brian Mapping)

یعنی دماغ کا نقشہ

یہ ایک نیا اور ترقی یافتہ سائنسی فن ہے۔ جسمیں احساس وادراک کرنے والی دماغ کی رگوں کی تصویریں لے کر مغز کا ایک نقشہ تیار کیا جاتا ہے اور اسکا باریکی سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ان تصاویر میں سے بعضے تصویر Intra-operative, Microscopic, Endoscopic اور Immunohistochemistry, Molecular & ،Multi-modality imaging Optogenetics, Stem cell اور انسانی جسم کے ذراۃ اور انجینئرنگ کے استعمال کے ذریعہ

مغزاور ریڈھ کی ہڈی کی بناوٹ اور طریقۂ کار پر غور کیا جاتا ہے۔

اس ٹکنالوجی سے دماغ کے مختلف حصوں میں آنے والے مختلف خیالات وادراکات کے مختلف نقشے تیار کئے جاتے ہیں۔

اس مقصد کے حصول کے لئے دماغ کی بناوٹ وطریقۂ کار سے متعلق functional Magnetic Resonance Imaging (fMRI)، diffusion MRI (dMRI)، Magnetoencephalography (MEG)، Electroencephalography (EEG)، Positron Emmision Tomography (PET)، Near-infrared Spectroscopy (NIRS) اور تصویر کشی کرنے والے دیگر طریقوں کے ذریعے اول انسان کی صحت وبیماری، قوت یادداشت، تعلیم کا طریقہ، عمر اور مختلف لوگوں پر مختلف دواؤں کے اثرات کو معلوم کرکے مغز کی ان رگوں اور ذرات کی تصویروں پر مشتمل ایک نقشہ تیار ہوتا ہے۔ اور اسکے ذریعہ انسان کے ذوق، عزائم وغیرہ کو معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سن 1980ء میں اقوام متحدہ کی میڈیکل سائنس اکاڈمی نے دماغ اور اسکے قوۃ مدرکہ پر مطالعہ کے لئے ایک ٹیم تشکیل دی تھی۔

برین میپنگ کی قانونی حیثیت :

5 مئی 2010 کو سپریم کورٹ نے اپنے ایک ججمینٹ میں نارکوٹیسٹ، لائی ڈٹیکٹر اور برین میپنگ کو سراسر غیر قانونی اور آئین کی دفعہ (3)20 کی خلاف ورزی کہا ہے۔

کسی بھی شخص کو ان ٹیسٹوں کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا اور اسکی قانونی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص اپنی رضامندی سے یہ ٹیسٹ کروائے تو اسکی اجازت ہے اور دفعہ 27 کے تحت اسکو ثبوت کی حیثیت سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

آیئے اب اکشر دھام حملہ کی حقیقت خود سنگھل صاحب کی زبانی پڑھیئے :

حملے کی کہانی جناب سنگھل کی زبانی

(F.I.R.)

میں گرشکمار لکشمن بھائی سنگھل، عمر:۳۹، رہائش: گاندھی نگر، کاروبار: ملازمت، بذاتِ خود حاضر ہوکر میری فریاد و حقیقت بتا رہا ہوں کہ میں علاقائی پولیس کمشنر گاندھی نگر کی حیثیت سے تاریخ 24-11-2001 سے فرض ادا کر رہا ہوں ۔ نیز گاندھی نگر شہر میرا عملی میدان ہے اور گاندھی نگر میں واقع سوامی نارائن اکشر دھام مندر میری متعینہ حدود میں داخل ہے۔

میں تاریخ 24-9-2002 کے روز شام تقریباً 16:50 کو میری آفس میں حاضر تھا، اس وقت یہ خبر ملی تھی کہ اکشر دھام مندر میں دو نامعلوم افراد فائرنگ کر رہے ہیں، اور کچھ لوگوں کے مارے جانے کی اطلاع ملی تھی ۔ یہ خبر ملتے ہی میں اپنے ساتھی پولیس افسران کے ساتھ فوراً اکشر دھام کے لئے راوانہ ہو گیا تھا۔ اور یہ خبر دوسرے افسران کو بھی مل چکی تھی، اسلئے وہ بھی اپنے طور پر اکشر دھام پہونچنے کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ میں شام 17:00 (5:00) بجے اکشر دھام پہونچا تھا۔ اس درمیان دیگر افسران جس میں گاندھی نگر پولیس نگرانِ اعلیٰ جناب آر۔ بی۔ برھم بھٹ، جناب جے۔ کے۔ بھٹ (S . P .ریلوے) سیکٹر 21 کے پولیس انسپکٹر جناب P.R. مہیش، سیکٹر 7 کے پولیس انسپکٹر جناب ڈی۔ پی۔ چاوڑا اور گاندھی نگر پولیس اسٹیشن کے دیگر افراد بھی آ گئے تھے، میں نے روانہ ہوتے وقت گاندھی نگر سیکٹر 21 پولیس اسٹیشن، سیکٹر 7 پولس اسٹیشن، L.C.B. (مقامی کرائم برانچ) کے پولیس انسپکٹر جناب وی۔ آر۔ ٹولیا، نیز ہمارے علاقے اڈالج، پیتھا پور، ڈبھوڑہ، کلول اور مانسہ پولیس اسٹیشنوں کے عملہ کو بھی اکشر دھام پہونچنے کے لئے کہا تھا اور وہ بھی پہونچنا شروع ہوئے تھے، میں جب اکشر دھام پہونچا اُس وقت ہمارے اعلیٰ افسران گاندھی نگر رینج (علاقہ) کے I.G.P. جناب پرمود کمار صاحب، پولیس نگرانِ

اعلیٰ جناب چکروتی صاحب، ایڈیشنل .D.G.P (قانون ونظام) جناب منی رام صاحب، نیز
.I.G.P جناب وی۔وی۔ رباری صاحب، وغیرہ موجود تھے اور .D.G.P صاحب کے حکم کے
مطابق .S.R.P کمپنی اور .A.T.S کے افسران وغیرہ کو بھی فوری طور پر اکشر دھام پہونچنے کی
ہدایت دیدی گئی تھی۔ اکشر دھام پہونچتے ہی وہاں کے دائمی رضا کار جناب ہنش بھائی کو بھائی
آچاریہ اور دیگر بھگتوں نے ملاقات کرکے بتایا کہ 16:30(4:30) بجے کے عرصہ
میں اکشر دھام کے دروازہ نمبر 3 کی طرف سے دہشت گرد قسم کے لوگ کود کر اندر گھسے تھے اور
انہوں نے ابتدا میں بچوں کے کھیل کود کی چیزیں، رائڈس (Rides) ٹوراٹورا
(Tora-Tora) کی جانب اپنی بندوقوں سے بے تحاشہ فائرنگ اور دستی بم پھینکنا شروع کئے
تھے۔ اِس طرح (فائرنگ اور دھماکے) کرتے ہوئے مندر کے دروازہ نمبر 2 پر آئے تھے اور
وہاں جو عقیدت مند زیارت کے لئے آئے تھے اُن پر فائرنگ کی تھی، اور بم پھینکے تھے، اور مندر کی
اصل عمارت کی جانب آگے بڑھ رہے تھے جس کی وجہ سے میں نے یعنی ہنش بھائی نے انٹرکام
ٹیلیفون سے مندر کے رضا کاروں کو مندر کے دروازے اندر سے بند کر دینے کے لئے کہا جس پر
ہمارے رضا کاروں نے دروازے اندر سے بند کر دئے تھے۔ جس کی بناء پر یہ لوگ سچی دانند نمائشی
ہال نمبر 1 کی جانب بڑھے تھے اور وہاں بھی فائرنگ کر کے عقیدتمندوں، بھکتوں، عورتوں، بچوں
وغیرہ کو زخمی کیا تھا اور اِس طرح لوگوں میں دہشت اور خوف وہراس کا ماحول کھڑا کیا تھا اور بھگدڑ
مچ گئی تھی۔ اِس دوران ابھی تک یہ دہشت گرد سچی دانند ہال کے اطراف میں کہیں چھپے ہوئے تھے
اور اب تک زخمی اور ہلاک ہونے والے ویسے ہی پڑے ہوے تھے اور اندازاً 35-40 افراد عین
مندر میں اور 150 افراد ملٹی میڈیا (Multimedia) ہال میں پھنسے ہوئے تھے۔

اِس طرح حقیقت حال جاننے کے بعد اور اس اثناء میں .C.I.P.E کے .D.I.G اور
مذکورہ سنیر افسران، پولس عملہ اور .S.R.P کمانڈوز وغیرہ بھی آ گئے تھے، نیز دہشت گرد اب تک
اِسی علاقہ میں چھپے ہوئے تھے۔ پھنسے ہوئے عقیدتمندوں، بھکتوں کی ایذاء رسانی اور انہیں بان
میں لے کرنا جائز مطالبات کئے جانے کے اندیشے کے پیشِ نظر .D.G.P صاحب کی ہدایت

کے مطابق اول اِن پھنسے ہوئے افراد کو حفاظت سے باہر نکالنے کا لائحۂ عمل طے کیا گیا تھا اور اس کے مطابق پھنسے ہوئے لوگوں کو پولیس کی حفاظت میں باہر نکالا گیا تھا اور پولیس عملہ اور افسران اور S.R.P. جوان وغیرہ کے ذریعہ سب سے پہلے مندر کی عمارت کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا اور دہشت گرد بھاگ نہ سکے ایسا انتظام کیا گیا تھا۔

ساتھ ہی زخمیوں اور ہلاک ہونے والوں کی لاشوں کو پولیس کے تعاون سے ایمبولنس (Ambulance) میں ہسپتال پہنچانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اِس دوران شام کو تقریباً 19:00 (7:00) بجے تحفظی اقدامات کا ابتدائی مرحلہ پورا ہونے پر دہشت گردوں کی تلاش شروع کی گئی تھی اور یہ اطلاع ملی تھی کہ یہ دہشت گرد اسلحوں سے لیس سچی دانند ہال کے قریب سے گذر کر طواف گاہ کے راستہ میں پُل پر دو گنبدوں کے بیچ چھپے ہوئے ہیں، جس پر اِن لوگوں کو شکنجہ میں لینا ضروری تھا، نیز یہ لوگ زمین کی سطح سے 10-12 فِٹ بُلندی پر چُھپے ہوئے ہونے کی وجہ سے انہیں تلاش کرنے اور زیر کرنے کی سخت ضرورت کے پیش نظر I.G.P. جناب وی۔ وی۔ رباری صاحب نے اپنے رضامندی سے حملے کی قیادت قبول کی۔ ان کے ساتھ پولیس نگران اعلیٰ جناب آر۔ بی۔ بھٹ صاحب، اور S.R.P. کمانڈوز کے تقریباً 4 جوان اسلحوں سے لیس ہوکر یہ دستہ طواف گاہ کی راہ پر حملہ کے لئے روانہ ہوا، یہ افسران اور جوان طواف گاہ کے راستہ پر دروازہ نمبر 2. کے قریب راستے کے کنارے سے اوپر چڑھ کر زمین سے پیٹ گھسیٹتے ہوئے سچی دانند ہال کے قریب طواف گاہ کے راستہ میں واقع دو چھوٹے گنبدوں سے تقریباً 40-50 فِٹ کی دوری پر پہونچے تھے کہ اِن دہشت گردوں میں سے ایک نے اپنی A.K.5 6، خودکار رائفل (Automatic Rifle) سے اِس ''حملہ پارٹی'' پر فائرنگ شروع کی، جس کے جواب میں اِس ''حملہ پارٹی'' کے افسران نے بھی جوابی فائرنگ کی اُس وقت دہشت گردوں نے ''مسلسل فائرنگ'' سے اِن افسران اور جوانوں پر اندازاً 25 جتنی گولیاں چلائی تھی اور اُس کے بعد آڑ میں چھپ گئے تھے۔ ایک دومنٹ بعد دونوں دہشت گردوں نے دور سے اپنی A.K.56 رائفلوں سے دیوار کی آڑ میں رہ کر اِس حملہ پارٹی پر دوبارہ 30 جتنے فائرنگ کئے تھے، جواباً حملہ پارٹی کے

افسران وجوانوں نے بھی سامنے فائرنگ کی تھی جس کی وجہ سے دہشت گرد پھر سے دیوار کی آڑلیکر چُھپ گئے تھے، اور اِس طرح پولیس اور دہشت گردوں کے درمیان گولیوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ اور دہشت گرد مندر کی عمارت کی چھت اور دیواروں کے بیچ چھپ گئے تھے اور مندر کے شمال مغرب کونے کی طرف پناہ لی تھی اور وقفہ وقفہ سے پولیس عملہ پر فائرنگ اور دستی بم کے حملے جاری رکھے تھے۔

اِس دوران دہشت گرد بھاگ نہ جائیں اِس مقصد سے مندر کے دروازہ نمبر 2 سے پچھم کی جانب عمارت کے قریب کی چار دیواری میں زیادہ نفری کو متعین کرنے کی ضرورت کے پیشِ نظر تقریباً رات کے 21:00 (9:00) بجے کے عرصہ میں گاندھی نگر .L.C.B کے پولیس انسپیکٹر جناب وی۔آر۔ ٹولیا اور .S.R.P کے جوان محاصرے کے لئے بڑھے جن پر دہشت گردوں نے دستی بم سے حملہ کیا تھا، جس سے .S.R.P کے جوان زخمی ہوئے تھے، جس کی وجہ سے اُن کی حفاظت و مدافعتی اقدامات کے ساتھ محاصرے کی کاروائی جاری رکھی گئی تھی، اور زخمی ہونے والے پولیس اہل کاروں کو علاج کے لئے گاندھی نگر ہسپتال بھیج دیا تھا۔

اِس طرح پولیس اور دہشت گردوں کے درمیان مُٹھ بھیڑ جاری رہی تھی، اِسی اثنا میں تقریباً 22:30 (10:30) بجے زائد .D.G.P جناب منی رام صاحب، پولیس نگرانِ اعلیٰ جناب آر۔ بی۔ برھم بھٹ صاحب اپنے ساتھ پولیس سب انسپیکٹر جناب ڈی۔ پی۔ چُڈاسما اور پولس عملہ اور .S.R.P کے ساتھ مندر کے دروازہ نمبر 2 سے پچھم کی جانب چار دیواری کے قریب محاصرے کی کاروائی کے لئے جارہے تھے کہ مندر کی عمارت سے دہشت گردوں نے بے تحاشہ فائرنگ کی جس سے جناب برھم بھٹ صاحب کا ہاتھ شدید زخمی ہوا تھا، اسی طرح اُن کے ساتھی دیگر پولیس والوں کو اور ایک پولیس سب انسپیکٹر کو بھی ایذائیں ہوئی تھی، جس کی بناء پر مدفعتی اقدامات کرتے ہوئے زخمیوں کو ہسپتال بھیج دیا گیا تھا اور جیسے جیسے مزید پولیس عملہ حاصل ہوتا رہا مندر کے اطراف میں مضبوط محاصرہ کیا گیا۔

اِس طرح مذکور کاروائی جاری تھی اُس دوران اعلیٰ افسران کی جانب سے دہلی سے نیشنل

سیکیورٹی گارڈ (N.S.G.) افسران وجوانوں کو اپنے اسلحوں کے ساتھ بذریعہ ہوائی جہاز گجرات پولیس کی مدد کے لئے طلب کیا گیا تھا اسلئے یہ محاصرہ جاری رکھا گیا اور دہشت گردوں کو عوام کو مخاطب کرنے کے آلے (پبلک ایڈریس سسٹم) سے بار بار اپنے آپکو پولیس کے حوالے کر دینے کے لئے کہا گیا۔ لیکن انہوں نے پولیس کی درخواست پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور پولیس پر مسلسل حملے جاری رکھے تھے۔ انہیں کہا گیا تھا کہ اگر وہ اپنے آپکو پولیس کے حوالے کر دیں گے تو پولیس انہیں کسی بھی طرح کا نقصان پہونچائے بغیر قانونی کاروائی کرے گی، لیکن انہوں نے پولیس کی عرض پر توجہ دیئے بغیر حملہ جاری رکھے تھے۔

اِس طرح گجرات پولیس نے لائحۂ عمل کے تحت وہ لوگ بھاگ نہ جائے اُس کا خیال رکھتے ہوئے نیشنل سیکیوریٹی گارڈ (N.S.G.) کا انتظار کرتے ہوئے محاصرہ جاری رکھا تھا۔

اِس اثناء میں رات کے 23:15 (11:15) بجے کے عرصہ میں نیشنل سیکیورٹی گارڈ کے برگیڈیر جناب راج سیتا پتی صاحب کی قیادت میں کمانڈو کی ٹیم آپہونچی تھی، جس پر سینیر افسران نے اُس وقت مندر کے رضا کاروں اور سوامی جی کی مدد سے اِس مندر کی عمارت اور تعمیری نقشے کو سامنے رکھ کر اِس علاقے کی جغرافیائی صورتِ حال کو پیش کیا تھا اور دن کے دوران گذرے ہوئے حالات سے انہیں واقف کیا تھا۔

اِس طرح رات کے 4 بج گئے تھے اور آج بتاریخ 25-9-2002 کو............ بجے سے اِن کمانڈوز نے مقامی پولیس کو ساتھ رکھ کر دہشت گردوں کو تابع کرنے کی کاروائی شروع کی تھی اور N.S.G. کمانڈوز کو اِس کام میں لگا دیا گیا تھا، N.S.G. کمانڈوز نے بھی دہشت گردوں کو اپنے آپکو حوالے کر دینے کی عرض کی تھی۔ لیکن اُنہوں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا اور N.S.G کمانڈوز اور پولیس پر حملے جاری رکھے تھے۔ جس کے جواب میں N.S.G. کمانڈوز نے بھی جوابی فائرنگ جاری رکھی تھی اور اِس طرح N.S.G. کمانڈوز اور دہشت گردوں کے بیچ آمنے سامنے فائرنگ اور حملے جاری رہے تھے، یہ کاروائی اول صبح تک جاری رہی تھی، اور اِس دوران دہشت گردوں نے مسلسل حملے جاری رکھے تھے جس کے جواب میں N.S.G. کے

جوانوں نے بھی پولیس فائرنگ جاری رکھی تھی اور آخر کار تقریباً صبح "7:15" بجے دن کی روشنی ہوتے ہی یہ دونوں دہشت گرد پولیس (.N.S.G) کے ساتھ مُٹھ بھیڑ میں مارے گئے تھے۔

دہشت گردوں کے پاس سے .N.S.G کمانڈو نے اسلحہ، گولہ بارود اور دیگر چیزیں فہرست بنا کر پیش کئے جانے پر قبضے کی تھی۔ تازہ اطلاع کے مطابق اسٹیٹ کمانڈو فورس کے جناب ارجن سینھ ایس۔ گامیتی، اور .S.R.P گروپ نمبر 3 کے جناب اے۔ ایچ۔ گڈجام اور .N.S.G کمانڈو کے مانسینھ سُریش کمار کی دہشت گردانہ حملے میں موت واقع ہوئی تھی اور دیگر 23 پولیس افسران و جوانوں کو فائرنگ اور دستی بموں کے حملے میں شدید زخم پہونچے تھے، علاوہ ازیں دہشت گردوں کے حملے میں اب تک خواتین، مردوں، بچوں پر مشتمل 26 افراد کی موت ہوئی تھی جن میں مندر کے مہنت پرمیشور سوامی جی کی بھی موت ہوئی تھی اور عورتوں، مردوں، بچوں سمیت کل 51 عقیدت مند شدید طور پر زخمی ہوئے تھے۔ اِس طرح اِن دہشت گردوں نے پہلے سے منصوبہ بندی و تیاری کے ساتھ حملہ کر کے مذکورہ ہلاکتیں اور ایذاء رسانی کی تھی۔

اِن دہشت گردوں کے ساتھ مُٹھ بھیڑ میں جن پولیس جوانوں اور افسروں نے فائرنگ کی تھی اُن کی تفصیلات اُن جوانوں اور افسروں سے معلوم کی جاسکتی ہے، اِسی طرح .N.S.G کمانڈو کی فائرنگ اور اُن کی کاروائی کی تفصلات اُن ہی سے معلوم کی جاسکتی ہے، پولیس افسران کے ساتھ جو جوان اِس کاروائی میں شامل تھے اُن کے نام وہ افسران بتا سکتے ہیں۔

اِس طرح اِن دہشت گردوں نے پہلے سے طے شدہ گناہ کی سازش کے تحت اپنے ارادے کی تکمیل کے لئے جدید اسلحوں اور دھماکہ خیز گولہ بارود سے مسلح ہو کر اور غیر قانونی طور پر اسلحہ و گولہ بارود کا قبضہ کرتے ہوئے عقیدت مندوں، بھکتوں، عوام، پولیس جوان و افسران پر گولی بار کر کے اور دھماکہ خیز مادہ پھینک کر اور اُن کو ہلاک کرنے اور قتل کرنے کی کوشش، سخت ایذائیں پہونچا کر اور مذہبی عبادت گاہ کو نقصان پہونچا کر، مذہبی عبادت گاہ میں داخل ہو کر عقیدت مندوں بھکتوں کا قتل کر کے اور زخمی کر کے اُن کے جذبات کو ٹھیس پہونچائی، مذہبی عبادت گاہ

میں غیر قانونی طور پر داخل ہوکر دہشت گردانہ کاروائی کر کے عوام میں دہشت پھیلانے کا گناہ کرنے کے سبب اُن کے خلاف تعزیراتِ ہند کی دفعہ 120 B,302,307,153A,451، قانونِ اسلحہ کی دفعہ 25(1)(AA) نیز دھماکہ خیز مادہ کی دفعہ 3،7، نیز B.P. ایکٹ کی دفعہ 135(1) کے مطابق گناہ کرنے کے سبب اِس پولیس فائرنگ میں مارے گئے دو نامعلوم دہشت گردوں اور دورانِ تفتیش اِس سازش میں شامل جو بھی نام سامنے آئیں اُن کے خلاف میری فریاد ہے۔

اِتنی میری فریاد و حقیقت میرے لکھانے کے مطابق برابر اور صحیح ہے۔

دستخط

جی،ایل، سنگھل

SD.PO.G.N.R.

یہ اکشر دھام مندر پر حملہ کی مختصر کہانی تھی، اِس مقدمہ کا مزید اجمالی خاکہ یہ ہے:-

- ☆ تاریخ 24-9-2002 بروز منگل حادثہ ہوا۔ اِس حملے میں تین پولیس سمیت 33 افراد ہلاک ہوئے اور 23 پولیس سمیت 86 افراد زخمی ہوئے۔
- ☆ تاریخ 25-9-2002 علی الصبح دونوں دہشت گرد مارے گئے، تاریخ 25 کو N.S.G. کمانڈو نے آپریشن "ورج شکتی" کی کامیابی کے بعد اکشر دھام مندر اور احاطہ گجرات پولیس کے حوالے کیا۔
- ☆ تاریخ 24-9-2002 کو I.C.R. F.I.R نمبر 314/2002 گاندھی نگر سیکٹر 21 پولیس اسٹیشن میں درج کی گئی۔
- ☆ تاریخ 25-9-2002 کے روز مقدمہ کی جانچ مقامی کرائم برانچ، گاندھی نگر کے P.I. جناب وی۔آر۔ٹولیا کو دی گئی۔
- ☆ تاریخ 3-10-2002 کو مقدمہ کی جانچ A.T.S. (دہشت گردی مخالف دستہ) کو سپرد کی گئی۔

☆ حادثہ کے تقریباً 11 مہینے بعد تاریخ 28-8-2003 کو بقول کرائم برانچ مقدمہ کی جانچ احمد آباد سیٹی کرائم برانچ کو سپرد کردی گئی۔ اُسی روز P.W.50 (اشفاق بھاؤنگری) کا بیان لیا گیا اور مجھے اور دیگر چار افراد کو تاریخ 29-8-2003 کو گرفتار کرلیا گیا۔

(حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے جو میں آگے بیان کرچکا، مختصراً یہ کہ مجھے 17/اگست سے اور دوسرے لوگوں کو مجھ سے بھی قبل غیر قانونی طور پر حراست میں لے لیا گیا تھا، اور نہایت ہی بہیمانہ ظلم وتشدد کے بعد اِس مقدمہ میں پھنسا دیا گیا تھا۔)

☆ تاریخ 21-11-2003 کو ہمارے خلاف پوٹا کے تحت مقدمہ چلانے کی محکمۂ داخلہ کی جانب سے منظوری دی گئی (جسے سینکشن کہا جاتا ہے) منظوری سے پہلے ہی تاریخ 30-8-2003 کو ہم پر پوٹا کی دفعہ لگادی گئی تھی!!!

☆ تاریخ 25-11-2003 کو میرے اور دیگر افراد کے خلاف چارج شیٹ فائل کی گئی، جسمیں بحیثیت گواہ 376 افراد کے نام تھے۔

☆ تاریخ 17-6-2004 کو فردجرم طے کیا گیا۔

☆ دورانِ سماعت تقریباً 126 گواہوں کو جانچا گیا اور تاریخ 1-7-2006 کو خصوصی پوٹا کورٹ نے فیصلہ دیا جس میں مجھے، آدم بھائی اور چاند خان کو پھانسی، سلیم حنیف کو عمر قید (تاموت)، مولوی عبداللہ کو 10 سال کی قید بامشقت اور الطاف ملک کو پانچ سال کی قید بامشقت کی سزائیں سنائی گئیں اور جرمانہ عائد کیا گیا۔

☆ اس فیصلے کے خلاف ہم نے ہائی کورٹ میں تاریخ 31-7-2006 کو اپیل کی اور صوبہ گجرات نے فیصلے کی توثیق کے لئے کنفرمیشن اپیل داخل کی، تاریخ 1-6-2010 کو گجرات ہائی کورٹ نے خصوصی پوٹا کورٹ کی تائید میں اپنا فیصلہ دیا اور ہم تمام کی سزاؤں کو برقرار رکھا۔

☆ تاریخ 6-8-2010 کو سپریم کورٹ میں ہماری جانب سے .S.L.P (خصوصی اجازت کی عرضی) فائل کی گئی، سپریم کورٹ نے اُسے منظور کیا اور پھانسی پر روک لگا دی۔

☆ تاریخ 20-11-2013 سے سپریم کورٹ میں آخری دلائل شروع ہوئے اور تاریخ 15-01-2014 کو ہمارے دلائل مکمل ہوگئے۔ اسکے بعد تاریخ 01-04-2014 سے سرکاری وکیل نے دلائل شروع کئے اور 17-04-2014 کو سرکاری وکیل کے دلائل بھی پورے ہوگئے۔

☆ مختلف مرحلوں میں مقدمہ کی سماعت کے بعد عدالت عظمیٰ نے تاریخ 16-5-2014 جمعہ کے روز بے مثال انصاف کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا اور ہم تمام کو باعزت بری کر دیا۔

میرے خلاف الزامات، گواہ وثبوت اوران پر سپریم کورٹ کا تبصرہ

کرائم برانچ نے میرے خلاف یہ الزامات عائد کئے:

☆ میں نے اور مولوی عبداللہ صاحب نے آدم اجمیری ودیگر حضرات کو اِس کا م میں آگے بڑھنے کا مشورہ دیا اور مقامی تعاون کا یقین دلایا اور آدم نے میرے حکم پر فدائین کو مختلف مقامات دکھائے۔

☆ فدائین کے پاس سے برآمد ہوئے دو خطوط میں نے لکھے تھے جن میں فساد بھڑکانے اور فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے والی باتیں لکھی تھیں۔

☆ میں نے اُن فدائین کو شہادت وکامیابی کی نماز پڑھائی۔

گواہ وثبوت :

☆ P.W.88 کے۔سی۔کپور (خصوصی مشیر برائے وزارت داخلہ)	پوٹا کے تحت مقدمہ چلانے کی اجازت دی تھی
☆ میرا اقبالیہ بیان	
☆ A.C.P.PW.78 سنجے گٹھوی	بقول کرائم برانچ انہوں نے میرا بیان درج کیا
☆ C.J.M. P.W.99 سُریش کمار پادھیا	بقول کرائم برانچ انہوں نے اس بیان کی تصدیق کی
☆ دو اردو خطوط	
☆ P.W.91 میجر جے دیپ لامبا	دو اردو خطوط کی برآمدگی کے گواہ
☆ P.W.121 ملک باپو	اردو خطوط کا ترجمہ کرنے والے
☆ P.W.89 ماہر تحریرات جے جے پٹیل	اردو خطوط میں میری تحریر ہونے کی رائے دی
☆ P.W.51 عبدالرحمٰن پانارا	بقول کرائم برانچ حملہ کی سازش میں شریک گواہ
☆ P.W.52 مناف ریڈ یٹر	بقول کرائم برانچ حملہ کی سازش میں شریک گواہ

(۱) آیئے سب سے پہلے پوٹا کے تحت مقدمہ چلانے کی اجازت دینے والے محکمہ، وزارت داخلہ، وزیر داخلہ، خصوصی مشیر برائے محکمہ وزارت داخلہ کے متعلق سپریم کورٹ کا تبصرہ دیکھئے۔

"سپریم کورٹ نے لکھا ہے کہ ان حضرات نے پوٹا کے تحت مقدمہ چلانے کی اجازت دینے میں اپنے دماغوں کا صحیح استعمال نہیں کیا۔" (سپریم کورٹ ججمینٹ، صفحہ نمبر 109)(اردو ترجمہ، صفحہ نمبر 54)

(۲) اب میرا اقبالیہ بیان دیکھئے :

کرائم برانچ کی کہانی کے مطابق مجھے اپنے اِس جرم پر شرمندگی اور ندامت کا احساس ہوا

اور میں نے تاریخ 24-9-2003 کو اپنی رضا و رغبت اور خوشی و سمجھداری سے اِس کے نقصان سے واقف ہوتے ہوئے بغیر کسی دھاک دھمکی یا لالچ کے یہ اقبالیہ بیان دیا، بقول کرائم برانچ میں نے اُن سے کہا کہ مجھے .A.C.P گڈھوی کے پاس لے چلو، میں اپنا جرم قبول کرنا چاہتا ہوں!!! میرے کہنے پر وہ لوگ مجھے .A.C.P سنجے گڈھوی صاحب کے پاس لے گئے!

اور میں نے اِس طرح کا اقبالیہ بیان دیا:-

میرا نام عبد القیوم عرف مفتی صاحب بن احمد حسین منصوری، عمر: 32 سال، کاروبار: امامت و مدرسہ، رہائش: ماڈھ کا محلّہ، مسجد بلڈِنگ، دریاپور، احمد آباد۔

روبرو پوچھنے پر میں لکھا رہا ہوں کہ میں مذکورہ پتے پر میرے خاندان کے ساتھ رہتا ہوں، اور حاجی یحیٰ کی مسجد میں امامت اور اِس مسجد میں واقع "مدرسہ تربیۃ الاطفال" میں تعلیم دیتا ہوں، میں نے دنیوی تعلیم ساتویں کلاس تک حاصل کی ہے، اِسی طرح ڈابھیل کے مدرسہ "جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین" میں مفتی تک کی تعلیم حاصل کی ہے، مجھے گجراتی، ہندی، اردو، عربی زبانیں آتی ہے، اِسی طرح تھوڑا فارسی اور انگریزی بھی جانتا ہوں۔

گذشتہ تاریخ 27-2-2002 کے روز گودھرا ٹرین حادثہ اور اُس کے بعد گجرات اور خصوصاً شہر احمد آباد میں ہوئے فرقہ وارانہ فسادات کے دوران ہم دریاپور چاروات پر واقع بواہر ہال پر متاثر مسلمانوں کے لئے رِیلیف کیمپ چلا رہے تھے، کیمپ میں پناہ گذین مسلمانوں کے حالات اور اُن کے اطراف میں جان مال کی ہوئی تباہی کو سُن کر کیمپ میں (خدمت کے لئے) آنے والے ذمہ داروں میں بھی غم و غصہ اور اشتعال کے جذبات بھڑک اٹھے تھے۔

درمیان اپریل 2002ء کی ابتداء میں ایک دن دوپہر کے وقت چاروات عبد الرزاق کے روضہ کے قریب رہنے والا ناصر خان عرف ڈومن چھتے خان پٹھان اپنے ساتھ اپنے ایک دوست کو لیکر میرے پاس آیا تھا، اُس وقت بواہر ہال کے باہر دروازہ سے متصل جھنکار ساؤنڈ کی دوکان میں ہماری آفس تھی اُس وقت میرے پاس حاجی یحیٰ کی مسجد کے امام مولانا عبد اللہ صاحب موجود تھے اُس وقت ناصر نے کہا تھا "یہ آدم بھائی شاہ پور سے آئے ہیں اور میرے دوست

ہیں''، اِس کا بھائی سعودی عرب کے ریاض میں رہتا ہے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے کچھ بات کرنا چاہتا ہے یہ بات کہہ کر اُس نے آدم بھائی کو تفصیل سے بات کرنے کے لئے کہا، آدم نے کہا: ''سعودی میں گجرات اور بالخصوص احمد آباد کے مسلمانوں کی ایک جماعت ہے، وہ لوگ میرے بھائی عبد الرشید اور دریاپور کمکوڑی کی پول کے باشندے سلیم شیخ وغیرہ کی صدارت میں وہاں کی کچھ دہشت گرد تنظیموں کو چندہ جمع کر کے دیتے ہیں، جس کی بناء پر موجودہ حالات میں یہاں کے مسلمانوں کی بربادی دیکھ کر دہشت گرد تنظیموں کے ذمہ دار انتقام لینے کے لئے یہاں کی ہندو اکثریت والی آبادی میں کسی جگہ بڑی قاتلانہ واردات انجام دینے کے لئے آمادہ ہیں، وہ لوگ یہ قاتلانہ واردات کو انجام دینے والے دہشت گرد (فدائین) اسلحہ اور چندہ بھی دینگے''

''ہمیں صرف اُن کے لئے قیام وطعام اور مہمان نوازی کی سہولتیں مہیہ کرنی ہے، اسی طرح قتلِ عام کیلئے اُن کے ساتھ رہ کر علاقوں کا جائزہ لینے کے لئے اُنہیں جگہیں دکھا کر تعاون کرنا ہے''۔

آدم بھائی کی یہ بات سُن کر میں نے اُسے ہال کے اندر پہلی منزل پر ریلیف کیمپ کی آفس میں جا کر نگران عبدالرحمٰن پانارا سے ملاقات کے لئے کہا۔ وہ دونوں اُس سے ملے اور کچھ دیر کے بعد ناصر ڈومن، آدم اجمیری، عبدالرحمٰن پانارا اور مناف ریڈیٹر یہ چاروں حضرات یہ تجویز لیکر میرے پاس آئے تھے۔ چنانچہ میں نے عبدالرحمٰن کو مکان و دیگر ضروریات کا انتظام کرنے کے لئے، اِسی طرح آدم کو آنے والے مہمانوں (دہشت گردوں) کو رکشہ میں ساتھ گھما کر معائنہ میں تعاون کرنے کے لئے کہا تھا۔ اُس وقت قاتلانہ واردات انجام دینے کیلئے آنے والے لوگوں کے لئے ہم نے ''مہمان'' کا کنایہ (کوڈ ورڈ) استعمال کرنا طے کیا تھا۔

اُس کے بعد ہر دو تین دن میں ہال کی آفس میں اِس سلسلے میں ہماری میٹنگ ہوتی تھی۔ پہلی میٹنگ کے بعد سے مُناف ریڈیٹر نے میٹنگ میں آنا بند کر دیا تھا، اُس دوران ہمارا سعودی ربط جاری تھا، اِس کام کے لئے ابتدا میں آدم نے سعودی والوں سے رابطہ کرنے کے لئے ناصر

ڈومن کے گھر کا فون نمبر:2168478 اور موبائل نمبر:9898172245 دیا تھا،اُس کے بعد بواہر ہال پر گوٹلا والوں کا نمبر :2176768 دیا گیا تھا،نیز بعد میں مختلف مرحلوں میں مختلف نمبرات دیئے تھے،چنانچہ ہماری آفس میں جون مہینہ میں ہیومن ویلفیر سوسائٹی کے نام سے دو فون لئے تھے جن کے نمبرات :2163102(2)2163097(1) تھے،اسی طرح میں اُس وقت ایوب خان کا موبائل فون نمبر:9825158751 استعمال کرتا تھا،یہ سارے نمبرات دیے گئے تھے،نیز یہاں سے سعودی بات کرنے کے لئے سلیم کے دو نمبر (0096614286958 (عدد کا نمبر12) 009661428531 (1) اور اُس کے بغل میں لانڈری والے کا فون نمبر: 0096614243245 اور اسی طرح ابو طلحہ کا فون نمبر:0096652745138 دیے تھے جن سے ربط جاری تھا(**کرائم برانچ کی عقلمندی دیکھئے کہیں 12 تو کہیں 13 عدد کے نمبرات ہیں**)

اس دوران آدم نے بتایا تھا کہ دہشت گرد جہادی تنظیم کا ذمہ دار خالد ہندوستان آیا ہوا ہے،سعودی سے انہوں نے اُسے حیدرآباد جا کر ملنے کی ہدایت دی ہے،اِس لئے آدم نے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کا مطالبہ کیا تھا،اُس وقت ہم سب ریلیف کیمپ میں مشغول ہونے کی وجہ سے میں نے آدم کو اپنے کسی دوست کو حیدرآباد لے جانے کے لئے کہا،جس پر آدم اپنے پڑوسی عبدالواحد کو لے کر حیدرآباد گیا تھا۔جانے سے قبل سلیم کے بھائی عرفان کے ذریعہ اخراجات کے لئے-/3000 روپیہ ملے تھے ایسا آدم نے بتایا تھا۔

آدم نے حیدرآباد سے واپسی پر مجھے بتایا کہ ''حیدرآباد میں دہشت گرد تنظیم کے ذمہ دار خالد کے ساتھ اُس کی میٹنگ ہوئی تھی۔اُس وقت خالد نے''ایوب خان''نامی ایک شخص کا تعارف کرایا تھا۔آدم کو حیدرآباد میں بھی-/3000 بطورِ خرچ اور-/500 ہوٹل کے کرایہ کے ملے تھے۔''

اُس کے بعد بھی ہماری میٹنگیں اور ریاض مقام پر ٹیلیفون سے ربط جاری رہا۔اُس دوران ایک مہینے بعد یعنی مئی 2002 کے آخری ہفتے میں آدم کو سلیم ورشید کی ہدایت کے مطابق یہاں کی چنگیز پول کے باشندے اِلٰہی ماسٹر کی معرفت خرچ کے-/10000 موصول ہوئے جس میں مکان وغیرہ کے انتظام کے لئے عبدالرحمٰن کو-/5000 اور دوسرے-/5000 ناصر ڈومن

کو دو پورانے موبائل خرید نے کے لئے میری ہدایت کے مطابق دیے تھے، اِن تمام موقعوں پر مولانا عبداللہ میرے ساتھ رہتے اور ہم دونوں آپس میں مشورہ کرتے اور فیصلہ کرتے تھے۔

اُس کے دس بارہ دن کے بعد یعنی جون کے دوسرے ہفتہ میں آدم کو سعودی سے بذریعہ حوالہ -/50000 ملنے کی بات اُس نے بتائی تھی، جن میں سے -/20000 اُن کی ہدایت کے مطابق اِلٰہی ماسٹر کو دیئے تھے، اور -/15000 مہمانوں کے لئے مکان کرایہ پر رکھنے اور دوسرے انتظامات کے لئے عبدالرحمٰن کو دینے کی بات آدم نے کہی تھی۔

اُس کے بعد میری ہدایت کے مطابق حیدرآباد سے آنے والے مہمانوں کے قیام کے لئے بقول عبدالرحمٰن اس نے اپنے ایک دوست لیاقت کی وساطت سے "دانی لمڑا، پرانے ڈھور بازار" کے قریب تیار سکیم کے مکانوں میں سے ایک مکان کرایہ پر رکھ کر وہاں گدّے، بستر، پانی بھرنے کا پیپ اور بجلی کا انتظام کر رکھا تھا۔ اُس عرصہ میں ناصر ڈومن نے دو پورانے موبائل لیکر عبدالرحمٰن کو دیئے تھے اور عبد الرحمٰن کو وہ فون چالو رکھنے کی ہدایت دی تھی، فون نمبر: 9825347963 (2) جو عبدالرحمٰن نے اپنے پاس رکھا تھا اور دوسرا اپنے دوست محمود وڈھوانی کو دے دیا تھا جس کا نمبر: 9824347157 تھا، یہ نمبرات سعودی والوں کی جانب سے مہمانوں کو دیئے گئے تھے اسلئے کبھی بھی ربط کیا جا سکتا تھا۔

کچھ وجوہات کی بنا پر مہمان کے نہ آنے پر عبدالرحمٰن اِس کام سے الگ ہو گیا تھا، جس کی بنا پر ہم نے دوسری جگہ مکان کا انتظام کرنے کا طے کیا تھا۔

اِس دوران عبدالرحمٰن، ناصر ڈومن اور مناف ریڈیئٹر کے دماغ سے اِس بات کو نکال دینے اور اب ہم کچھ کرنا نہیں چاہتے اِس طرح کا تأثر پیدا کرنے کے مقصد سے ہم نے ان تینوں کو بتا دیا تھا کہ حیدآباد سے مہمان نہیں آئیں گے اور عبدالرحمٰن کو مکان اور دیگر انتظامات واپس کر دینے کے لئے کہا تھا۔

اِس طرح وقت گذرتا رہا اور سن 2002 کا ستمبر مہینہ آ گیا، وہاں تک بذریعہ فون ہم تینوں کا سعودی عرب عبدالرشید، سلیم اور خالد کے ساتھ ربط جاری رہا۔

اُس عرصہ میں ستمبر کے آخری 15 دنوں کی ابتداء میں سعودی سے آدم کو بذریعہ فون یہ اطلاع ملی تھی کہ چار پانچ دنوں میں مہمان آجائیں گے، اسلئے میٹنگ میں طے شدہ دیگر ضروریات یعنی قیام وطعام وغیرہ کا انتظام کرنا طے ہوا تھا۔

اِس اطلاع کے بعد میں نے آدم کو اُس کے بھائی حبیب کا مکان خالی کرنے کے لئے کہا تھا، جس کی وجہ سے آدم نے فسادات کا بہانہ بنا کر اپنے چھوٹے بھائی حبیب کو سمجھا کر ''دودھیشورروڈ، رُستم میل کے سامنے "لابھ شنکر کی چال" کے کنارے واقع اُس کا مکان خالی کروا لیا تھا اور اُسے اپنے گھر" شاہ پور سگرواڑ" منتقل کر دیا تھا اور اُس کے بھائی کو محسوس نہ ہو اِس طرح بڑی چالاکی سے اُس کی چابیاں حاصل کر لی تھی۔

اِس دوران طے شدہ منصوبے کے تحت تقریباً چار دن کے بعد ایک صبح آدم اُن تینوں افراد کو ریلوے اسٹیشن سے لیکر بواہر ہال ہماری آفس پر آ گیا تھا، اُن تینوں کے پاس سامان میں ایک بیگ (Bag) ایک ایر بیگ (Airbag) اور بغلی جھولا تھا، آدم نے ہمارا آپس میں تعارف کرایا تھا، ایوب نے اپنے آپکو ڈاکٹر نمبر:1 اور دیگر دونوں کو ڈاکٹر نمبر:2 اور ڈاکٹر نمبر:3 کے طور پر پہچاننے کی ہدایت کی تھی۔ اُن کے جسمانی خدوخال کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر نمبر:1 (ایوب) عمر اندازاً 30 سال، اونچائی اندازاً ''5.7، درمیانہ قد، گول منہ، گندمی رنگ، سر میں بالکل سیاہ کنگھی کئے ہوئے بال، ڈاکٹر نمبر:2 عمر اندازاً 25 سال، تھوڑا سا دُبلا پتلا لیکن مضبوط جسم کا، اونچائی اندازاً ''5.8، گندمی رنگ، ڈاکٹر نمبر:3 عمر اندازاً 25 سال، موٹا و مضبوط جسم والا، گندمی رنگ، تینوں پینٹ شرٹ پہنے ہوئے تھے اور ہندی میں بات کرتے تھے۔

اِن تینوں مہمانوں کو چائے، پانی اور نہانے کا انتظام کرنے کے لئے میں نے مولانا عبداللہ صاحب سے کہا تھا، اِسی طرح انہیں احمد آباد شہر کے ہندو علاقوں کا معائنہ کرنا تھا اسلئے آدم کو رِکشہ کا انتظام کرنے کے لئے کہا تھا، ڈیڑھ دو گھنٹہ بعد آدم ایک رِکشہ نمبر: GRW-3681 لیکر آیا تھا، اُس وقت تینوں مہمان چائے، پانی، ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو گئے تھے۔

انہیں احمد آباد شہر کے مختلف علاقوں کا معائنہ کرنا تھا۔ اسلئے میری ہدایت کے مطابق آدم

انہیں ایک دو روز میں منی نگر، کانکریہ، .S.T اسٹینڈ (بس اڈہ) ،لال دروازہ ،اپنابازار،ضلع پنچایت ، . V . S ہسپتال، آنباواڑی،سِوِیل ہسپتال ، پالڈی میں ہندوپریشد کی آفس،خانپور میں .B.J.P کی آفس اِسی طرح مختلف مندر مثلاً گیتامندر، سارنگپور رنچھوڑ رائے کامندر، جگن ناتھ کامندر، بھدر کالی مندر، کالوپورسوامی نارائن مندر، واسنہ دھرنی دھر دیراسر، شاہی باغ اکشر پرُشوتم مندر، دیوجی پورہ مہاکالی مندر وغیرہ جگہیں دِکھائی تھیں۔

مذکورہ تفصیلات کے مطابق مہمانوں نے احمدآباد میں مختلف مقامات کامعائنہ کرنے کے بعدانہیں گاندھی نگر بیچ والے ،سردارپٹیل بھون، سیکٹر:28 کاباغیچہ اوراکشردھام دِکھلانے کے لئے میں نے آدم کوکہاتھا،اُس کے مطابق دوسرے دن اُن جگہوں کودیکھ کرآنے کے بعدایوب نے مجھے کہاتھاکہ آج اتوارکادن ہونے کی وجہ سے باغیچہ اوراکشردھام والی جگہ پر،بہت اژدہام تھاجس کی وجہ سے انہیں واردات انجام دینے کے لئے اکشردھام والی جگہ مناسب معلوم ہوتی ہے،اسلئے اُنہوں نے اُس جگہ کادوگھنٹہ تک باریکی سے معائنہ کرکے سب برابردیکھ لیاہے۔

اُس کے بعدگاندھی نگرسے جواہر ہال آکرایوب نے بتایاتھاکہ کل ہمارے دوسرے دوساتھی سامان (اسلحہ وغیرہ) لیکرآجائیں گےاورہم پھرساتھیوں کے ساتھ معائنہ کرلیں گے،کل آدم کی ضرورت نہیں ہے، اُس وقت میں نے سامان (اسلحہ وغیرہ) لیکرآنے والے افرادکےمتعلق بہت سوالات کئے تھے لیکن ایوب نے کوئی بھی بات نہیں بتائی تھی اورکسی طرح کی کوئی بات ظاہرنہ ہوجائے اسی وجہ سے انہوں نے آدم کوآنے سے منع کیاتھاایسامجھے محسوس ہواتھا،اُس کے بعدرات دیرسے آدم اُن تینوں کوسونے کے لئے دودھیشورلابھ شنکرکی چال کے کنارے اپنے بھائی کے گھر لے گیاتھا،اِس طرح ایک دوراتیں مہمانوں نے وہاں قیام کیاتھااور ایک دو راتیں ہمارے یہاں دریاپور میں ٹھہرے تھے اُس کے بعدیعنی پیر کے روز رات میں ایوب تنہاہماری آفس پر آیاتھااوراُس نے بتایاتھاکہ سامان (اسلحہ وغیرہ) لیکرآدمی آچکے ہیں۔کل دوپہر میں ظہرکی نماز کے وقت وہ تینوں یہاں دعا کے لئے آئیں گے،اُس وقت مجھے اور دونوں فدائین (ڈاکٹر:2 اورڈاکٹر:3) کوالگ الگ طریقہ سے اکشردھام جاناہے اسلئے مجھے لے جانے کے لئے دوپہر

کوظہر کی نماز کے وقت آدم کو رِکشہ کے ساتھ بُلا لینا اور یہ ''قتلِ عام'' مسلمانوں پر ہوئے حد سے زیادہ ظلم کے انتقام کے طور پر تھا ایسے دو خط اردو میں لکھ کر رکھنا اور بطور راقم گجرات کا بدلہ لینے والی جماعت یعنی تحریکِ قصاص گجرات کا نام لکھنا۔ یہ باتیں کہہ کر ایوب چلا گیا تھا۔ وہ کہاں گیا تھا؟ مجھے معلوم نہیں۔

اُس رات دیر سے ہماری جھنکار ساؤنڈ کی آفس کا دروازہ بند کر کے میں نے اور مولوی عبداللہ صاحب نے باہم مشورہ کے بعد میں نے اپنے ہاتھوں سے اردو زبان میں دو خطوط لکھے تھے ,جن میں میں نے لکھا تھا کہ گجرات میں مسلمانوں پر ہوا ظلم برداشت سے باہر تھا جس سے مسلمانوں میں انتقام کا جذبہ بھڑک اٹھنے پر اب ہندوؤں، پولیس وغیرہ کا خون بہے گا۔ اب شیوسینا، V.H.P اور مندر جلیں گے اُس سے تمام مسلمانوں کو سکون پہونچے گا۔ اور مسلمانوں کو اعلان کیا تھا کہ وہ تمام کندھے سے کندھا ملا کر شہیدوں کا بدلہ لیں۔ جیئیں تو عزت سے جیئیں اور مریں تو عزت سے مریں، یہ قتلِ عام کا تحفہ مودی اور اڈوانی کے لئے ہے، اِس طرح لکھ کر بحیثیت راقم بدلہ لینے والی تنظیم یعنی تحریکِ قصاص گجرات وغیرہ لکھا گیا تھا، یہ دونوں خطوط اور قلم دوسرے روز فدائین کو دینے کے لئے کہہ کر میں نے مولانا عبداللہ کو سپرد کر دیئے تھے۔

اُس کے دوسرے روز 24-9-2002 منگل کے دن دوپہر میں تقریباً 1:00 بجے آدم رکشہ نمبر: GEW-3681 لیکر بواہرہال پر آ گیا تھا اور تینوں مہمان بھی آ گئے تھے، اُس وقت حاجی سخی کی مسجد میں ظہر کی نماز کا وقت ہو جانے پر میں اور مولوی عبداللہ مسجد میں نماز اداء کر کے آفس میں آئے تھے اُس وقت ایوب نے دونوں فدائین کے لئے اُن کے کام میں کامیابی، حفاظت اور حصول جنت کی دعاء کے لئے دو رکعت نفل ادا کرنے کی بات کہی تھی جس پر اُسی وقت ڈاکٹر نمبر:2 (مرتضٰی) اور ڈاکٹر نمبر:3 (اشرف) کو فوراً غسل کرنے کے لئے حاجی سخی کی مسجد میں بھیجا تھا، وہ لوگ غُسل کر کے نئے کپڑے پہن کر آفس میں آ گئے تھے، جس پر وہ تینوں مہمان میں اور مولوی عبداللہ نے آفس کا دروازہ بند کر کے تھوڑا کھُلا رکھ کر باہر آدم کو کھڑا کر دیا تا کہ کوئی خلل نہ پہونچائے اور ہم پانچوں نے آفس میں دو رکعت نفل نماز ادا کی اور ڈاکٹر:2 (مرتضٰی) اور

ڈاکٹر:3 (اشرف) کے کام میں کامیابی، حفاظت اور شہید ہو جانے کی صورت میں حصولِ جنت کی دعاء کے لئے میں نے دونوں فدائین کو اپنے صحیح نام اور ٹھکانے بتانے کے لئے کہا، جس پر ڈاکٹر:2 (مرتضیٰ) نے اپنا صحیح نام حافظ یاسر، وطن لاہور، پاکستان: اور ڈاکٹر:3 (اشرف) نے اپنا صحیح نام محمد فاروق وطن راولپنڈی، پاکستان ہونے کی بات بتائی اُن کے لئے دعا اور نماز اداء کرنے کے بعد ہم پانچوں نے آپس میں معانقہ کیا تھا، اُس وقت مولوی عبداللہ نے گزشتہ رات میرے لکھے ہوئے دونوں اردو خطوط میری ہدایت کے مطابق دونوں فدائین کو دے دیئے تھے اور مستقبل میں اگر خطوط پکڑے جائیں تو فدائین ہی نے لکھے ہیں یہ تأثر دینے کے لئے قلم بھی انہیں دیدی تھی۔

اُس کے بعد دروازہ کھول کر ایوب نے بتایا تھا کہ اُن کے منصوبے کے مطابق اُسے آدم بھائی کے ساتھ رکشہ میں پہلے ہی اکشر دھام پہونچنا ہے اور دونوں فدائین یہاں سے اپنے طور پر نکل کر ریلوے اسٹیشن سے کسی طرح اپنے دوسرے ساتھیوں سے سامان (اسلحہ، وغیرہ) حاصل کر کے پہونچ جائیں گے، اِس کے مطابق ایوب آدم کی رکشہ GRW-3681 میں بیٹھ کر اکشر دھام جانے کے لئے چارواٹ کی طرف روانہ ہوا تھا، جب کہ دونوں فدائین کو کرایے کی رکشہ میں بٹھانے کے لئے مولوی عبداللہ "پوپٹیا بڑ" کی طرف روانہ ہوئے تھے، وہ تقریباً دس منٹ میں واپس آئے تھے اور کہا تھا کہ کرایے کی رکشہ میں دونوں فدائین کو روانہ کر دیا ہے۔

اُس کے بعد میں اور مولوی عبداللہ خبر کے انتظار میں تھے اُس وقت شام میں تقریباً 6/7 بجے آدم اُسکی رکشہ میں ایوب کو بٹھا کر آیا اور اُس نے ہمیں بتایا کہ وہ لوگ اکشر دھام پہونچ گئے تھے اُس کی کچھ دیر بعد شام کے تقریباً 4:30 بجے دونوں فدائین احاطہ کی دیوار کود کر اسلحوں کے ساتھ اکشر دھام میں داخل ہو گئے تھے اور انہوں نے عوام پر بم پھینکے تھے اور مشین گن سے فائرنگ شروع کر دی تھی جس سے وہاں موجود لوگوں نے بہت ہی زیادہ گھبراہٹ کے مارے چلانا شروع کر دیا تھا۔ اکشر دھام میں بھیانک دہشت کا ماحول ہو گیا تھا۔ لوگ اپنی جان بچا کر بھاگتے ہوئے دروازے سے باہر نکلنے لگے انکے ساتھ شامل ہو کر ہم بھی باہر نکل کر یہاں آ گئے اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے ہم چاروں نے آپس میں مصافحہ کر کے مبارک باد دی تھی۔ اس وقت ایوب نے کہا تھا کہ اب مجھے فوراً احمد آباد چھوڑنا ہو گا اسکا سامان چونکہ پیک کی ہوئی حالت میں تھا وہ فوراً آدم

کی رکشہ میں رکھا گیا اور میں نے آدم سے کہا کہ ایوب کو کالوپور ریلوے اسٹیشن چھوڑ دو جس سے آدم اسے رکشہ میں لیکر روانہ ہوا اور تقریباً ایک گھنٹے کے بعد واپسی پر آدم نے بتایا کہ رکشہ میں ایوب کے قریب کے کسی بڑے ریلوے اسٹیشن کے متعلق دریافت کرنے پر میں نے اسے بروڈہ بتایا تھا جس پر ایوب نے بروڈہ جانے کی بات کہی تھی۔ میں نے کالوپور ریلوے اسٹیشن سے -/900 روپے کرائے پر امبیسیڈر ٹیکسی میں اسے بڑودا روانہ کردیا ہے اسکے بعد لوگوں میں چرچہ ہوئی، پھر ٹی۔وی۔اور اخباروں سے ہمیں مزید تفصیلات معلوم ہوئی تھی کہ اکشر دھام مندر میں دہشت گردوں نے حملہ کرکے ۳۰ سے ۴۰ افراد کو ہلاک کردیا ہے اس دوران مسلح دستوں کے ساتھ مٹھ بھیڑ میں وہ دونوں دہشت گرد بھی مارے گئے ہیں اور ان دونوں کی جیبوں سے اردو تحریر والے ایک ایک خط برآمد ہوا ہے۔ان خطوط اور مارے گئے دونوں دہشت گردوں کی تصویریں بعد میں ہم نے ٹی وی اور اخباروں میں دیکھی اور ہم پہچان گئے تھے کہ وہ دونوں خطوط وہی ہیں جو مولوی عبداللہ سے مشورہ کے بعد میں نے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے اور مرنے والے دونوں فدائین ڈاکٹر نمبر دو (مرتضیٰ) حافظ یاسر اور ڈاکٹر نمبر تین (اشرف) محمد فاروق تھے۔ اسکے بعد اس میں ہمارے ملوث ہونے کا کسی کو شک نہ ہو اس لئے میں نے اور مولوی عبداللہ نے آدم کو آئندہ بواہر ہال بار بار نہ آنے اور ہماری ملاقات نہ لینے کی ہدایت دی تھی۔ اور ہم نے بھی خاموشی اختیار کرلی تھی۔ اسکے بعد ایوب کہاں گیا تھا؟ اور اسکے دوسرے ساتھی کون تھے؟ اور وہ کہاں سے آئے تھے؟ اسکی مجھے کوئی اطلاع نہیں۔ مزید میں یہ بات بتلا رہا ہوں کہ اس سے قبل مجھے عدالت میں پیش کئے جانے کے وقت کبھی بھی میرے کسی بھی رشتہ دار، وکیل یا مشیر وغیرہ نے بالواسطہ یا بلا واسطہ تحریراً یا تقریراً مجھے اقبالیہ بیان دینے سے منع نہیں کیا۔ اسی طرح مجھ سے ہوئی غلطیوں کا احساس ہونے پر اور ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے میں نے مذکورہ اقبالیہ بیان لکھوایا ہے۔اور یہ میری لکھائی ہوئی تمام تفصیلات صحیح ہیں۔

روبرو

دستخط (غیر واضح)

(ایس۔کے۔گڈھوی) نائب پولیس کمشنر، زون 4-احمد آباد شہر

ملزم نے آج تاریخ ۲۰۰۳-۹-۲۵ کو شام پانچ بجے میری حاضری میں اپنے مذکورہ بیان میں دستخط کی ہے۔ ملزم کو اسکا بیان پڑھ کر سنایا گیا ہے اور اس نے اس کا اقرار کرتے ہوئے اقبالیہ بیان میں دستخط کئے ہیں۔

دستخط (غیر واضح)

تاریخ 25-9-2003

C.J.M.، احمد آباد

احمد آباد (دیہات)

پرانی ہائی کورٹ، احمد آباد

یہ ہے وہ اقبالیہ بیان جو بقول کرائم برانچ میں نے اپنے گناہوں کی ندامت پر اپنی رضا مندی اور خوشی سے دیا تھا۔ حالانکہ حقیقتِ حال کچھ اور ہے جو آگے بیان کی جا چکی ہے۔

تاہم اگر کرائم برانچ کی کہانی صحیح مان لی جائے تب بھی اس اقبالیہ بیان میں بے شمار خامیاں ہیں جس پر میرے قابلِ فخر وکیلوں نے اور سپریم کورٹ کے انصاف پسند ججوں نے خوب روشنی ڈالی ہے۔ (تفصیلات کے لئے ججمینٹ دیکھئے) یہاں میں کچھ موٹی موٹی باتوں کی جانب توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

☆ کرائم برانچ نے فدائن کے تعلق سے تین نقطۂ نظر پیش کئے۔ اس اقبالیہ بیان میں لکھا ہے فدائین حیدرآباد سے آئے تھے۔ چاند خان کے اقبالیہ بیان میں لکھا ہے کشمیر سے آئے تھے اور P.W.91 جے دیپ لامبا کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فدائین پاکستان سے آئے تھے۔ کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے؟ اس میں خود کرائم برانچ بھی کسی یقینی نقطۂ نظر پر متفق نہیں ہو سکی ہے جس پر سپریم کورٹ نے بڑی وضاحت سے تبصرہ کیا ہے۔ سپریم کورٹ نے لکھا ہے۔۔۔

"ہم ذیلی عدالتوں کی اس توجیہ سے اتفاق نہیں کرتے ہیں، کیوں کہ موجودہ معاملے میں نہ صرف یہ کہ A-1 سے لے کر A-5 تک کوئی بھی A-6

کو نہیں جانتا، اور نہ ہی اس کے برعکس، بلکہ A-2, A-4 اور A-6 نے
ایک ہی کہانی کی مختلف روایتیں بیان کی ہیں جن میں سے ہر کوئی ایک
دوسرے کی بات کاٹ رہا ہے اور استغاثہ کے لئے مصیبت پیدا کر رہا
ہے۔ ذیلی عدالتوں نے مشینی انداز میں بغیر اپنی ذہنی صلاحیتوں کے
استعمال کے ملزمین کے فاضل وکیل کی اس دلیل کو خارج کر دیا۔ "

(سپریم کورٹ انگریزی ججمنٹ، صفحہ نمبر 268)(اردو ترجمہ صفحہ نمبر 155)

☆ آدم بھائی نے میری ہدایت پر انہیں گیتا مندر، سارنگ پور، رنچھوڑ رائے کا مندر، جگن ناتھ کا مندر، بھدر کالی مندر، کالو پور سوامی نارائن مندر، واسنا دھرنیدر دیراسر، شاہی باغ اکشر پرشوتم مندر، دیو جی پورہ مہا کالی مندر اور دیگر اتنے مندر دکھائے کہ شاید کرائم برانچ کے ان افسران نے بھی ان مندروں کے درشن نہیں کئے ہونگے۔ کیا ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں اتنے مندروں کے نام و پتے معلوم ہونا ممکن ہے؟

☆ گاندھی نگر سے واپسی پر ایوب نے مجھے کہا کہ آج اتوار کا دن تھا اسلئے باغیچہ میں اور اکشر دھام میں بہت اژدہام تھا۔ آئندہ کل آدم کی ضرورت نہیں، اور کرائم برانچ کی اسٹوری کے مطابق انہوں نے دوسرے روز یعنی پیر کو پھر اکشر دھام کا معائنہ کیا۔ بیچارے کرائم برانچ والوں نے شاید کبھی اکشر دھام کے درشن ہی نہیں کئے ہونگے اسلئے وہاں کے اصول و آداب اور قوانین سے واقف نہیں تھے۔ انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ دوسرے روز پیر تھا اور پیر کو اکشر دھام میں چھٹی ہوتی ہے!!!

اقبالیہ بیان درج کرنے والے A.C.P.P.W.78 سنجے گڈھوی نے اقبالیہ بیان درج کرنے کے تعلق سے سپریم کورٹ کی جانب جاری کی گئی ہدایات میں سے کسی بھی ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے سپریم کورٹ ججمنٹ صفحہ 128، اردو ترجمہ صفحہ 66)

.C.J.M جناب سریش کمار پادھیا کے بیان میں اس بات کی وضاحت ہے کہ:

☆ 569 نمبر کے تحت .A.C.P سنگھل صاحب نے ایک یادداشت .C.J.M کو بھیجی تھی جسمیں دوسرے فقرے کی چوتھی سطر میں "بیان لیا جانا ہے" لکھا ہے۔ معلوم ہوا گڈھوی کے پاس کوئی بیان نہیں لیا گیا ہے۔ اور واقعی صورت حال بھی یہی تھی۔ اس ایک غلطی سے ہی کرائم برانچ کی ساری پول کھل جاتی ہے۔ کیونکہ قانوناً اقبالیہ بیان تو گڈھوی کے پاس لیا جانا تھا۔ .C.J.M کے پاس تو صرف اس کی تصدیق ہونی تھی۔

☆ سپریم کورٹ نے .C.J.M کے کردار پر بھی بڑا بہترین تبصرہ کیا ہے:

سی جے ایم Pw-99 کے مذکورہ بالا بیان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ملزمین کے بیانات کو درج کرواسکتے تھے، ان کو پڑھ کر سنا سکتے تھے اور کسی بھی تشدد یا دباؤ کے بارے میں معلومات لے سکتے تھے۔ سب کچھ محض آدھے گھنٹہ میں!! یہ ناقابلِ یقین ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ اقبالیہ بیان جو 15 صفحات سے زیادہ پر محیط ہو، محض آدھ گھنٹے میں پڑھ کر انہیں سنا بھی دیا جائے۔ pw-99 کا بیان جو کچھ بھی تھا، بیان تعارفی یا جرح کے دوران اسے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ انھوں نے ان بنیادی باتوں کی تکمیل کی بھی تفتیش نہیں کی جس کے بارے میں ملزم کے خلاف شفاف تفتیش کو یقینی بنانے کے لئے خود کو آگاہ رکھنا ضروری تھا۔ دفعہ 32 (5) کے تحت بیان کو درج کرنے میں ان کا رویہ محض اطاعت گذار مذبذب اور ایک ایسے افسر کا تھا جو کسی ضابطہ کی کارروائی کی محض خانہ پوری کر رہا ہو۔

(سپریم کورٹ انگریزی ججمینٹ، صفحہ نمبر 141) (اردو ترجمہ صفحہ نمبر 74)

اقبالیہ بیان کے درج کرنے میں اور بھی بے شمار غلطیاں ہیں، یہاں ان کا احاطہ ناممکن ہے۔ تاہم اقبالیہ بیانات کو بالکل صحیح مان لیا جائے تب بھی ہم نے چونکہ عدالتی تحویل کے بعد اُن بیانات سے انحراف کر لیا تھا۔ اس صورت میں اقبالیہ بیان کی کوئی قانونی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ اس پر میں یہاں سپریم کورٹ ہی کا تبصرہ نقل کرتا ہوں:

.120۔ استغاثہ کی کہانی ہر مرحلے پر اوندھے منہ گر رہی ہے۔نہایت ہی اہم ترین بات یہ ہے کہ اوپر بیان کئے گئے جن مقدمات پر اعتماد کیا گیا ہے ان سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر ملزم نے اقبالیہ بیان سے انحراف کر لیا ہے تو اس کے اقبالیہ بیان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ دیگر آزاد ثبوتوں سے اسکی تصدیق نہ ہو جائے۔ (سپریم کورٹ انگریزی ججمینٹ، صفحہ نمبر245) (اردو ترجمہ،صفحہ نمبر143)

(۳) P.W.51 نے اول کرائم برانچ کے ظلم وتشدد اور دھمکیوں سے ڈر کر اگر چہ میرے خلاف بیان دیا جو میرے اقبالیہ بیان ہی کا ایک حصہ تھا۔لیکن جرح کے دوران اس نے کرائم برانچ کی ساری پول کھول دی۔اس کی جرح کے کچھ ضروری اقتباسات یہ ہے:

☆ یہ بات صحیح ہے کہ میرے جواب سے ۶۰ روز پہلے سے مجھے کرائم برانچ میں لے گئے تھے۔ مجھے بہت مارا پیٹا گیا تھا۔جس سے میرا انگوٹھا بھی ٹوٹ گیا تھا۔

☆ مجھے کہا گیا تھا کہ تیرے پورے خاندان کو اس مقدمہ میں ڈال دینگے۔

☆ میں آج بھی عدالت میں کرائم برانچ سے آ رہا ہوں مجھے آج صبح 9:30 بجے طلب کیا گیا تھا اور گزشتہ کل شام کو 6:00 بجے بلایا تھا۔

☆ میں نے آگے بیان میں جو درج کروایا ہے کہ گودھرا سانحہ کے بعد مفتی عبدالقیوم اور مولوی عبداللہ ملے تھے۔میں نے کرائم برانچ کے کہنے پر درج کروایا ہے۔

☆ مجھے کرائم برانچ نے کہا تھا کہ مہمان یعنی دہشت گرد ایسا مجھے عدالت میں بتانا ہے۔

☆ یہ بات صحیح ہے کہ مجسٹریٹ صاحب نے کرائم برانچ کے بیان ہی سے ۱۶۴ کے بیان کی نقل کر لی تھی۔

☆ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ مجھے ملزمین کی جانب سے دھمکی ملی تھی جس کی وجہ سے میں اس طرح کی گواہی دے رہا ہوں۔

☆ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ گزشتہ مدت پر میری گواہی کے بعد مجھے دھمکیاں دی گئیں تھیں۔

ان ساری باتوں کہ باوجود ذیلی عدالتوں نے اسکی گواہی کو ہمارے خلاف تسلیم کیا اور اقبالیہ بیان کی تائید میں اسے قبول کیا !!

P.W.52 مناف ریڈ ییٹر کا مکمل بیان ہمارے خلاف ہے۔ لیکن اسکی جرح کے کچھ اقتباسات حسب ذیل ہیں:

☆ آدم بھائی نے مولانا عبداللہ صاحب کے ساتھ آہستہ آہستہ بات کی تھی۔ انہوں نے کیا بات کی مجھے معلوم نہیں۔

☆ اکثر دھام کا حادثہ کس تاریخ کس مہینہ اور کس سن میں ہوا؟ مجھے یاد نہیں

☆ اس کے بعد مجھے کبھی بھی یہ ڈر نہیں لگا تھا کہ مجھے اس مقدمہ میں پھنسایا جائیگا۔ آگے گواہ نے بذات خود یہ کہا: **میں اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا پھر مجھے کس بات کا ڈر؟**

☆ بیان کے اخیر میں میں (عبدالقیوم) نے اس جھوٹے گواہ کو قرآن پاک اٹھا کر قسم دلانے کی درخواست کی تھی۔ جسے خصوصی پوٹا کورٹ نے نامنظور کر دیا اور اس کے بیان کو ہمارے خلاف مان کر اقبالیہ بیان کی تائید میں استعمال کیا تھا۔

اس جھوٹے گواہ کی پوری گواہی کو صحیح مان لیا جائے تب بھی وہ کہاں قابلِ اعتبار ہے؟

چنانچہ اس پر سپریم کورٹ نے خوب تبصرہ کیا ہے:

"P.W.51 کی جانب سے جرح کے دوران جو بیان دیا گیا ہے اور اس عدالت نے جو قانونی اصول بنائے ہیں وہ دونوں ہمیں اس فیصلے کی رہنمائی کرر ہے ہیں کہ **تفتیشی ایجنسی نے ان شریک جرم افراد کے بیانات کی مدد سے ملزمین کے خلاف غلط مقدمہ بنانے اور انہیں پھنسا دینے کی پوری پوری (سنجیدہ) کوشش کی تھی، کیونکہ وہ لوگ حادثے کے تقریباً ایک سال بعد بھی اس مقدمہ کو حل نہیں کر سکے تھے۔"** (سپریم کورٹ انگریزی ججمینٹ، صفحہ نمبر 188)(اردو ترجمہ، صفحہ نمبر 106)

(۴) اب آیئے دو اردو خطوط دیکھئے جس کا شاید آپ کو شدت سے انتظار ہوگا:

1525 પોટા કેસ નં. ૧૬ સને ૨૦૦૩

A/5/B AG 19/1/03

A/5/B

A/5/B AG 19/1/03

1522

A/57B (?) AB-196/03

یہ دونوں ان اردو خطوط کی فوٹو کاپی (Xerox) ہیں جو مبینہ طور پر فدائین کی جیبوں سے برآمد ہوئے تھے۔ دونوں خطوط میں جن لفظوں و حرفوں پر دائرہ بنا ہوا ہے۔ یہ ماہر تحریرات جناب جے۔ جے۔ پٹیل صاحب نے بنایا ہے۔ بقول ان کے دائرہ کئے ہوئے لفظوں اور حرفوں کا انہوں نے میری تحریر سے موازنہ کیا تھا اور دونوں میں یکسانیت پائی تھی۔ اور جناب نے دونوں تحریر میرے ہاتھوں سے لکھی گئی ہونے کی رائے دی تھی۔

4587

[illegible]

B1(A)

ہم اہلِ جنوں جھکیں ہوش کے آگے
ہم جب بھی ہوئے ہوش پہ احسان کر گئے

B1(i) A) 13/6/87-

4607

ہم اہل جلیلہ اور جھلکیں موت کے آگے
ہم جب بھی سلوٹ پر احسان کریں گے

یہ دونوں تحریر میری ہے جو کرائم برانچ کے افسران نے مجھ سے جبراً لکھوائی تھی۔ اور جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ حتی الامکان مجھے فدائین سے برآمد شدہ خطوط کی ہو بہو نقل کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ تاہم الحمدللہ ان دونوں خطوط اور میری تحریر میں بالکل واضح فرق ہے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مگر افسوس! جے۔ جے۔ پٹیل صاحب کے نزدیک دونوں تحریرات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اور کیسے ہو بھی سکتا ہے؟ گدھا زعفران اور دھاگے میں کہاں فرق کر سکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک قصاص گجرات، ہند

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ
ترجمہ۔تم پر بدلا لینا فرض کر دیا گیا ہے
سورۂ بقرہ، القرآن

ہند کے غدّ ار اور ضمیر فروش مسلمانوں کے دشمنوں کے نام

گجرات کا ظلم حقیقی مسلم کی برداشت سے باہر تھا یہ وہ ظلم جس نے چنگیزیت کو موت دے دی، اس نا قابل برداشت ظلم کو دیکھ کر شیطان بھی مرجھا گیا، اس نا قابل برداشت ظلم نے مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ جہاد اور قصاص کی تڑپ پیدا کی اور چند لوگ اس قصاص کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اب خون ہندوؤں کا بہے گا، پولیس کا بہے گا اور شہیدوں کی روحوں کو سکون ملے گا۔ اب تحریکِ قصاص تحریک کا ہر نو جوان شہید مسلمانوں کا بدلہ لے گا۔ شہید ہوئے بچے، بوڑھے، عورتیں، جلے گھر، جلی مسجدوں کی دھواں کی جگہ اب انکے بدلے میں ہندو جلیں گے، شیوسینا کے غُنڈے وشو ہندو پریشد کے کٹر سادھو اور مندر جلیں گیں اور پھر حقیقی مسلمانوں کو سکون پہونچے گا۔

گجرات کے مسلمانوں آ ؤ تحریک قصاص کے نوجوانوں کے کندھوں سے کندھا ملا کر قدم سے قدم ملا کر اپنی مسجدوں کی دوبارہ تعمیر کریں مسلمانوں کی شہادتوں کا بدلہ لیں۔ مریں تو عزت کی موت، جئیں تو عزت سے جئیں۔ اس میں دنیا اور آخرت کی بہتری ہے۔ اللہ ہمیں مسلمانوں کی صحیح رہبری کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور تحریکِ قصاص کو اس وقت تک زندہ رکھے جب تک ہر شہید کا بدلہ نہ چکا لیا جائے (آمین)

عنقریب ہم ایسی ہی کارروائیاں کر کے ثابت کریں گے کہ گجرات کے شہیدوں کے ہم

ہی وارث ہیں یہ اڈوانی اور مودی کو پہلا تحفہ ہے۔

آئندہ جلد انتظار کرنا (انشاء اللہ)۔

منجانب: گجرات کے مسلمانوں کی صحیح ترجمان جماعت

تحریکِ قصاص گجرات

(خطوط کے پیچھے یہ عجیب وغریب شعر لکھا ہوا تھا):

ہم اہلِ جکی اور جھکیں موت کے آگے

ہم جب بھی مریں موت پر احسان کریں گے

☆ "اہلِ جکی" کا مطلب کرائم والے ہی بتا سکتے ہیں۔

یہ وہ اردو خطوط ہیں جنکے لکھنے کا مجھ پر الزام تھا اور جے۔ جے۔ پٹیل نے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی۔

☆ یہ اردو خطوط بقول کرائم برانچ فدائین کی پینٹوں کی جیبوں سے برآمد ہوئے تھے۔ ان خطوط کے متعلق P.W.91 میجر جے دیپ لامبا کا کہنا یہ ہے کہ "خطوط کے مضمون سے پتہ چلا تھا کہ فدائین پاکستان کے "اٹوک" علاقہ کے باشندے تھے۔"

آپ دیکھ سکتے ہیں کرائم برانچ کے پیش کردہ خطوط میں کہیں بھی صراحۃً یا اشارۃً پاکستان یا اٹوک کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوا کرائم برانچ نے خطوط تبدیل کر دیئے تھے۔

☆ موقعہ واردات پر گاندھی نگر سیکٹر 18 کی جامع مسجد کے امام مولانا داؤد کوثر اشرفی سے ان خطوط کا ترجمہ کروایا گیا تھا۔ (اکشر دھام ویب سائٹ) لیکن بنجارا اینڈ کمپنی کے جھوٹ اور دھوکہ دہی کی انتہا دیکھئے انہوں نے گواہ ہی بدل دیا اور عدالت میں ملک باپو نامی اپنے ایک آدمی کو بطور گواہ پیش کیا۔

☆ P.W.121 ملک باپو کے مطابق دونوں خطوط دو الگ الگ افراد نے لکھے تھے۔

☆ بقول P.W.121 ملک باپو خطوط عربی زبان میں تھے۔ میں نے عربی سے اردو اور اردو سے گجراتی میں ترجمہ کیا تھا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے سپریم کورٹ ججمینٹ صفحہ 198،

اردو ترجمہ صفحہ 112)

☆ P.W.89 جے۔جے۔پٹیل (ماہرِ تحریرات) جس نے ان خطوط پر میری تحریر ہونے کی رائے دی تھی۔ انکی قابلیت کا یہ حال تھا کہ جب اُن سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اردو زبان جانتے ہیں؟ تو جواب دیا: میں اردو زبان لکھ، پڑھ نہیں سکتا۔ ہاں کتاب کا سہارا لے کر پڑھ سکتا ہوں!!! (کون سی کتاب اور کیسا سہارا لے کر پڑھ سکتے ہیں؟ جب دونوں ہی ہاتھ کٹے ہوئے ہیں (نہ لکھ سکتے ہیں نہ پڑھ سکتے ہیں) تو لاٹھی کیسے پکڑیں گے؟ یہ تو خود جے۔جے۔پٹیل ہی بتا سکتے ہیں۔)

مزید اپنی قابلیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: میں اردو، فارسی، عربی اور سندھی زبان کی تحریر میں فرق نہیں کر سکتا۔

☆ علاوہ ازیں کرائم برانچ کا کہنا یہ ہے کہ یہ اردو خطوط ہندو قوم بالخصوص گجراتیوں کے خلاف انتقامی کاروائی کا پیغام تھا۔ کیا انکو پتہ نہیں تھا کہ ہندو اور خاص کر ہمارے گجراتی بھائی اردو کہاں سمجھتے ہیں کہ انہیں اردو میں پیغام دیا جائے؟ تاہم اگر کرائم برانچ کو انہیں اردو ہی میں پیغام دینا تھا تو ایک قول کے مطابق فدائین پاکستانی تھے اور وہ مجھ سے بہتر اردو جانتے ہونگے، وہ خود تحریر کر لیتے۔ حکمت و کامل سازش کا تقاضیٰ بھی یہی تھا کہ وہ خود تحریر کرتے اور سارے ثبوت اپنے ساتھ لے کر مرتے۔ ہاں اگر گجراتی بھائیوں کی رعایت کرتے ہوئے گجراتی زبان میں خطوط لکھوائے گئے ہوتے اور ان خطوط کے لکھنے کا مجھ پر الزام ہوتا تو کچھ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ کیونکہ گجراتی زبان میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ (یہ کتاب پڑھ کر شاید وہ افسوس کریں گے کہ کاش ہم نے گجراتی میں خطوط لکھوائے ہوتے!)

☆ دوسری اہم بات کرائم برانچ کی قابلِ رحم کہانی میں یہ تھی کہ میں نے جیل قلم ان فدائین کو دے دی تا کہ پکڑے جانے کی صورت میں یہ معلوم ہو کہ انہوں نے خطوط لکھے تھے، یہاں کرائم برانچ کی تحقیق یہ ہے کہ ان خطوط میں تین قلمیں استعمال کی گئی تھیں۔ سارے خط کا مضمون سیاہ قلم سے لکھا ہوا تھا، کچھ باتیں اور آیتیں نیلی قلم سے لکھی ہوئی تھیں اور ان پر

لال قلم سے نشانات کیے ہوئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب تین تین قلمیں استعمال ہوئی تھیں۔ پھر صرف ایک ہی قلم میں نے انہیں کیوں سپرد کی؟ کیا صرف اس ایک قلم ہی میں میرے لئے خطرہ تھا اور باقی قلموں میں نہیں تھا؟ مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ کرائم برانچ کا کہنا یہ ہے کہ یہ جیل قلم اکثر دھام مندر میں دروازہ نمبر 3 اور 4 کے درمیان سے برآمد ہوئی۔ دیکھئے فدائین وہ خطوط تو اپنے ساتھ جیبوں میں لے گئے اور مرنے کے بعد وہ کرامتی خطوط انکی جیبوں سے بالکل صحیح سالم برآمد بھی ہوئے۔ لیکن قلم راستے میں دروازہ نمبر 3 اور 4 کے درمیان پھینک دی تا کہ انکے پاس سے پکڑی نہ جائے۔ پتہ نہیں قلم کے معاملہ میں کرائم برانچ نے ان سے یہ احتیاط اور کلابی تقویٰ (کتے کے تقویٰ) پر کیوں عمل کروایا؟ کہ خود مارے جائیں، خطوط پکڑے جائیں کوئی غم نہیں، لیکن قلم ان کے پاس سے نہیں پکڑی جانی چاہئے!!!

میں نے اپنے اضافی بیان (Further Statement) میں عدالت کو فدائین کی جیب سے برآمد ہونے والے دونوں خطوط میں ۱۷ سے زائد فرقوں کی نشاندہی کی تھی۔ حتیٰ کہ قرآن پاک کی آیت کتب علیکم القصاص بھی غلط لکھی ہوئی تھی۔ قصاص اور انتقام کے لفظی معنیٰ اور اطلاق کا فرق بھی بتلایا تھا۔ لیکن پوٹا کورٹ نے ان ساری باتوں کی جانب توجہ نہیں دی۔

☆ دونوں فدائین کو 48 اور 60 گولیاں لگی تھیں، انکے جسم چھلنی ہو گئے تھے۔ کپڑوں کی دھجیاں اڑ گئی تھیں، پانی کی وجہ سے انکے جسم اور کپڑے کیچڑ سے دتر بتر تھے، پینٹ کی داہنی جیب جہاں سے یہ خطوط برآمد ہوئے تھے وہاں اطراف میں بھی گولیوں کے سوراخ تھے۔ اس کے باوجود یہ دونوں اردو خطوط بالکل صحیح سالم برآمد ہوئے، خون اور کیچڑ کے داغ نہیں تھے، پانی سے بھیگی ہوئی نہیں تھی۔ گولیوں کے سوراخ نہیں تھے، گن پاؤڈر نہیں تھا، جلی ہوئی نہیں تھی، انگلیوں کے نشانات نہیں تھے۔ حتیٰ کہ موڑی ہوئی بھی نہیں تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے کے معاملے میں بھیڑیئے نے جو احتیاط کیا تھا، ان خطوط کے معاملے میں کرائم برانچ کی جانب سے وہی کمال احتیاط نظر آتا ہے۔

سپریم کورٹ نے اس پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے :

" تیسری بات یہ کہ دو اردو خطوط جن کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ وہ فدائین کی پینٹوں سے برآمد کی گئی تھیں۔(Ex.658) جن پر خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے، مٹی کے داغ یا گولیوں کے سوراخ بھی نہیں ہے۔ ہماری جانب سے جب اُن پینٹوں کا جائزہ لیا گیا۔ یہ پینٹیں ضبط شدہ اشیاء میں شامل کی گئی ہے، ہم نے دیکھا کہ فدائین کے جیبوں کے اوپر کپڑے پر گولیوں کے سوراخ تھے اور حادثے کے ۱۲ رسال بعد بھی خون کے خشک ہو چکے نشانات موجود تھے۔ "

خصوصی پوٹا کورٹ نے اس بات کی جانچ کرنے کی اہمیت ہی نہیں سمجھی کہ فدائین کی پینٹوں کی جیب سے برآمد ہوئے خطوط کیونکر بغیر داغ دھبے کے رہ گئے؟ (سپریم کورٹ ججمینٹ، صفحہ 269) (اردو ترجمہ، صفحہ 156)

☆ ایک پنچ شنکر بھائی اشور بھائی کہار نے تو جھوٹ کی انتہاء کر دی اور کہا کہ "میں نے ملزم (عبدالقیوم) کو دیکھا وہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھ رہا تھا" اس کو معلوم نہیں تھا کہ میں داہنے ہاتھ سے لکھ ہی نہیں سکتا، میں بائیں ہاتھ سے لکھتا ہوں۔(میں Lefty ہوں)

لیکن ان سب باتوں کے باوجود خصوصی پوٹا عدالت نے محض اقبالیہ بیان کی بنیاد پر ان خطوط کو مان لیا، اور ہائی کورٹ نے مشہور انگریزی جملہ "Truth Stranger Than Fiction" (سچائی کبھی کبھی فرضی باتوں سے بھی زیادہ عجیب اور ناقابلِ یقین ہوتی ہے) کا حوالہ دے کر ان خطوط کو تسلیم کر لیا۔

حالانکہ عدالتی حراست کے کچھ ہی دنوں کے بعد جب مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ میں کرائم برانچ کے خونی پنجے سے آزاد ہوں تو میں نے تاریخ 28/9/2003 ہی کو اپنی کارگزاری پوٹا کورٹ کو لکھ بھیجی تھی۔ ہمارے ملک میں کوئی کام وقت پر نہیں ہوتا۔ پھر میرا انحرافی بیان و کارگذاری جو

بذریعہ ڈاک بھیجی گئی تھی کیسے وقت پر مل جاتی؟ جبکہ ڈاک خانہ کی سست رفتاری کے واقعات مشہور ہیں۔ یہاں تک سنا ہے کہ ایک خط اپنے پتہ پر 16 سال کے بعد پہونچا تھا۔ حالانکہ میرا انحرافی بیان پہونچنے میں اتنی دیر نہیں ہوئی۔ تاریخ 30/10/2003 کو میرا انحرافی بیان پوٹا کورٹ کو موصول ہو گیا تھا۔ جسمیں میں نے کرائم برانچ کے سارے ظلم و ستم، مکر و فریب اور دھوکہ دہی سے مجھے اس مقدمہ میں پھنسا دیئے جانے کے متعلق عدالت کو اپنی کارگزاری لکھی تھی۔ اور پوٹا عدالت کے علاوہ دیگر حسب ذیل 11 جگہوں پر اسکی کاپی روانہ کی تھی :

(۱) چیف جسٹس سپریم عدالت آف انڈیا
(۲) چیف جسٹس گجرات ہائی عدالت
(۳) نیشنل لیگل سرویس اتھارٹی
(۴) چیرمین N.H.R.C.
(۵) نیشنل مائنورٹیز کمیشن
(۶) M.N.S.T. انٹرنیشنل
(۷) صدر جمہوریہ ہند
(۸) جناب نگرانِ اعلیٰ، سابرمتی سینٹرل جیل
(۹) ایڈوکیٹ جناب مشتاق علی عباس علی سید
(۱۰) امیر جمعیۃ علمائے ہند
(۱۱) صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اسی طرح عدالتی حراست کے بعد جب سب سے پہلی مرتبہ تاریخ 05-11-2003 کو پوٹا عدالت کے سامنے ہماری پیشی ہوئی اس وقت بھی میں نے اپنی مظلومیت اور بے قصوری کی داستان سنائی۔ اور پھر ہمارے دفاع میں بھی کئی گواہ تھے۔ جیل ہسپتال اور سویل ہسپتال کے ڈاکٹروں نے بھی ہمارے حق میں گواہی دی۔ جنکی جانب ذیلی عدالتوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ حتیٰ کہ میری غیر قانونی حراست کے بھی گواہ تھے۔ ذیلی عدالتوں نے اپنے فیصلوں میں اُس گواہ

(رابعہ بہن منصوری) کا ذکر تک نہیں کیا۔ جس پر سپریم کورٹ نے یہ کہا :

"بہرحال 2003 کی ایف آئی آر نمبر 3090 (دستاویز733) موجودہ مقدمہ میں یہ بتاتی ہے کہ DW-3 کو کچھ دیگر عورتوں کے ساتھ مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ 188 کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔ کیوں کہ وہ لوگ اپنے علاقہ کے کچھ لوگوں کی قید کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ اس کو جب G.P.K./V.S./774/2003 کے اس اعلامیہ کے ساتھ ملا کر سمجھا جائے، جو کہ احمد آباد شہر کے پولیس کمشنر نے جاری کیا تھا کہ بتاریخ 16.08.2003 کو 00:00 بجے سے 31.08.2003 کو 24:00 بجے تک چار لوگوں سے زیادہ نہ تو اکٹھا ہو سکتے ہیں نہ ہی میٹنگ کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی احتجاج کر سکتے ہیں۔ تو سچائی کے پیچھے چھپی ہوئی ایک ایسی کہانی سامنے آتی ہے جس کو پولیس نے دبا لیا اور ذیلی عدالتوں نے اس کو نظر انداز کر دیا تھا۔" (سپریم کورٹ ججمینٹ، صفحہ 277) (اردو ترجمہ، صفحہ 160)

دہشت گردی، اسلام اور میڈیا کا رول

سپریم کورٹ کے ججمینٹ کے بعد مجھے اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن موجودہ حالات میں ایک منظم عالمی سازش کے تحت اسلام اور مسلمانوں کو لے کر دہشت گردی کا طعنہ دیا جاتا ہے اور مسلمانوں کو شک کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ عام مسلمان اس سازش کا شکار ہو کر احساس کمتری اور احساس جرم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آیئے ہم دیکھیں کہ کیا واقعۃً اسلام دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے؟

وہ مقدس مذہب کے جس کے نام ہی میں امن (ایمان) اور سلامتی (اسلام) کے معنیٰ موجود ہوں وہ دہشت گردی کا حامی کیسے ہو سکتا ہے؟

اسلام امن و آشتی اور صلح وسلامتی کا مذہب ہے اس نے انسانی زندگی کی حرمت کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ایک بے قصور کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل سے اورر ایک بے قصور کی زندگی بچانے کو انسانیت بچانے سے تعبیر کیا ہے

من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكأنما قتل الناس جميعا و من أحياها فكأنما أحياالناس جميعا

کسی بھی مذہب کے بے قصور لوگوں کو ناحق و ناجائز قتل کرنے کو قرآن پاک نے جہاد نہیں بلکہ فساد کہا ہے۔

اسلام میں دہشت گردی (یعنی لوگوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کرنا) اور ظلم کی سخت وعید ہیں، قرآن پاک میں ایک جگہ فرمایا: ولايجرمنكم شنأن قوم علىٰ ألا تعدلوا، اِعدلوا هو أقرب للتقوىٰ ترجمہ: کسی قوم کی دشمنی تمہیں ناانصافی اور ظلم پر نہ ابھارے، انصاف کرو، یہی تقوی کے قریب کی بات ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ولايجرمنكم شنأن قوم أن صدوكم عن المسجد الحرام أن تعتدوا، وتعاونوا على البروالتقوى ولا تعاونوا على الأثم والعدوان ترجمہ: کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی کہ انھوں نے تمھیں مسجدِ حرام سے روکا تھا، تمھیں یہ دشمنی ظلم کرنے پر آمادہ نہ کرے اور نیکی اور تقوی کے کاموں کے لئے آپس میں تعاون کرو، اور گناہ و ظلم پر آپس میں مددمت کرو۔

دہشت گردی کیا ہے؟

دہشت گردی، آتنکواد یا Terrorism کا معنی خوف و ہراس اور ہیبت و دہشت پھیلانا ہے، اپنے مقصد کے حصول کے لئے معصوم، بے گناہ، بے قصور لوگوں کی جان، مال، عزت، آبرو اور مذہب و مذہبی عبادت گاہوں کو نشانہ بنانا، ڈرانا، دھمکانا، خوف و ہراس کا ماحول پیدا کرنا یہ دہشت گری ہے۔

یاد رکھئے! صرف بم دھماکے ہی دہشت گردی نہیں۔ بلکہ ظلم و ستم اور خوف و ہراس

پھیلانے والی ہر حرکت دہشت گردی ہے، حاکم کا اپنی رعایا پر ظلم کرنا، محکوم و مجبور حق والوں کا حق مارنا اور حق کی آواز دبانے کے لئے کی جانے والی تمام کوشش و حربے دہشت گردی ہے۔ بے قصور و مظلوم لوگوں پر پولیس کا ظلم اور قانون کا غلط استعمال کر کے انھیں جیلوں میں بند کر دینا بھی دہشت گردی ہے۔ نکسلی قتلِ عام کریں وہ بھی دہشت گردی ہے۔ ماؤوادی جو خون کی ہولی کھیلیں وہ بھی دہشت گردی ہے۔ اُلفا کا ظلم بھی دہشت گردی ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات برپا کر کے مسلمانوں اور اقلیتوں کا قتلِ عام کرنا بھی دہشت گردی ہے۔ بھگوا تنظیموں کا گھر واپسی کے نام سے ملک میں بد امنی اور خوف و ہراس پھیلانا اور بے بسوں اور کمزوروں کو تبدیلیٔ مذہب پر مجبور کرنا بھی دہشت گردی ہے۔ توگڑیا اور اس جیسی گندی ذہنیت رکھنے والے تعصب پرست لوگوں کا غریبوں اور مسلمانوں کو اپنے گھر اور بستیاں کھالی کرنے پر مجبور کرنا بھی دہشت گردی ہے۔ عیسائیوں، سکھوں اور دیگر اقلیتوں پر ظلم کرنا، چرچ جلانا، دلیت لڑکیوں کو گاؤں میں برہنہ گھومانا، انہیں آئینی بنیادی حقوق سے محروم کر دینا بھی دہشت گردی ہے۔ اسلام تمام قسم کی دہشت گردی کی مذمت کرتا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج لوگوں نے آتنکواد اور دہشت گردی کو ناپنے اور جانچنے کے دو پیمانے بنا رکھے ہیں۔

اول تو کوئی بھی واردات ہوحتیٰ کہ مسجدوں میں ہونے والے بم دھماکوں کو بھی اسلام ہی کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے، لیکن پھر بھی ایمانداری و دیانتداری سے تحقیق پر کسی ہندو تنظیم یا افراد یا ماؤادی، نکسل وادی، الفاء وغیرہ کا نام سامنے آتا ہے تو کسی نہ کسی طرح ان کی اس حرکت کی تاؤیل کرنے اور اسے جائز ٹھہرانے یا ہلکا و معمولی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حال ہی میں بینگلور دھماکے میں اول تو ایک مسلمان ہی کو مشتبہ بتایا گیا اور طرح طرح کی دہشت گردانہ خبریں اس سے جوڑ دی گئی، لیکن اتفاق سے وہ مشتبہ شخص ہندو نکلا تو کہہ دیا گیا کہ وہ پاگل شخص تھا، اور یہی نہیں ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نام پر دہشت گردی پھیلانے والے، دھمکیاں دینے والے، خوف و ہراس اور افوہیں پھیلانے والے صحیح تحقیق و جانچ پر غیر مسلم ثابت ہوئے ہیں، اور میڈیا نے ان واقعات پر پردہ پوشی یا چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے اپنے منصب سے خیانت کی ہے۔

میڈیا کسی بھی ملک کی تیسری آنکھ ہے۔ ملک کے بنانے یا بگاڑنے میں میڈیا کا بڑا کردار ہوتا ہے، پولیس اور میڈیا ملک سے وفاداری اور سچائی کا عہد کر لیں اور ملک کا نظام چلانے میں اپنا غیر جانبدارانہ کردار ادا کریں، تو انشاءاللہ ہمارے ملک میں کوئی دہشت گردانہ واردات نہیں ہوگی۔ لیکن افسوس! پولیس تو دور کی بات، ہماری میڈیا بھی اس جھوٹ، تعصب اور بے وفائی کا شکار ہے۔

کسی بے قصور مسلمان کی گرفتاری پر پولیس کی جھوٹی کہانی کو لیکر تو الیکٹرونک میڈیا اور پرنٹ میڈیا میں بڑی سرخیاں بنائی جاتی ہیں اور ملک بھر کا میڈیا آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے، لیکن جب عدالت میں پولس کا جھوٹ بے نقاب ہو جاتا ہے اور سچائی سامنے آجاتی ہے، تب میڈیا کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔

چنانچہ یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا ہے، میڈیا پہلے روز سے ساری سچائیاں جانتا تھا، کبھی کبھی ان سچائیوں کی ہلکی جھلک بھی اخبارات میں نظر آجاتی تھی، لیکن عام طور پر کرائم برانچ کی جھوٹی کہانیاں ہی ان کے اخبارات کی زینت بنتی تھی، ابتداء میں روزانہ نئی نئی مصالحہ دار چٹاکے دار کہانیاں شائع کر کے مسلمانوں کو احساسِ جرم اور احساسِ کمتری میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ لیکن افسوس! ۱۱رسال کے اس طویل عرصہ کے بعد سپریم کورٹ کے ذریعہ ساری سچایاں سامنے آ گئی، تب ہماری گرفتاری کی سرخیاں بنانے والے "رہائی کی اس خبر کو" اپنے پہلو میں چھوٹی سی جگہ دینے پر بھی رضامند نہیں تھے۔

بعضے مقدمات میں تو میڈیا کا رول نہایت ہی تعصب بھرا اور شرمناک ہوتا ہے۔ ججوں اور عدالتوں کا ذہن بگاڑنے کے مقصد سے باقاعدہ نفسیاتی حملے کیئے جاتے ہیں۔ اور کورٹ کی سماعت وٹرائل سے پہلے ہی میڈیا اپنی ٹرائل مکمل کر کے ملزمین کو مجرم قرار دے کر سزائیں بھی سنا دیتی ہیں۔ چنانچہ ہمارے منصف ججوں نے اپیل کی سماعت کے دوران "عروسی" (تلوار فیملی) کے قتل کے مقدمہ کو لے کر میڈیا کی اس شرمناک حرکت پر بڑے تأسف کا اظہار کیا تھا۔

حال ہی میں ہمارے وزیرِ داخلہ اور وزیرِ مالیات نے "آسارام" معاملہ میں کچھ اسی طرح کا اظہار خیال کیا ہے۔

بہر حال جہاد بے شک ایک مقدس عمل ہے۔ ہمیں اپنے نبی ﷺ کی بدر واحد اور فتح مکہ کی اداؤں پر بھی فخر ہے۔ اور صرف اسلام ہی نہیں دنیا کے تمام مذاہب اور قوموں نے مذہب کے نام پر جنگیں کی ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے مذہب کے نام پر جو جنگیں لڑی ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ہندو دھرم میں بھی مہابھارت اور رامائن کی جنگوں کو مقدس مذہبی جنگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہاں اس مضمون پر تفصیلی کلام کی گنجائش نہیں۔ مختصراً یہ کہ لفظِ جہاد سن کر عام ذہن جنگ وقتال کی طرف جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تو عین جہاد اور قتال کے موقعے پر بھی بچوں، عورتوں، بوڑھوں، کمزوروں، بیماروں اور مذہبی لوگوں کے قتل سے اور مذہبی عبادت گاہوں کی بے حرمتی سے منع فرمایا ہے۔ جب آمنے سامنے کی جنگ اور جہاد میں ان حضرات کی رعایت کا حکم دیا گیا ہے تو بم دھماکے کر کے یا دہشت گردانہ واردات کے ذریعہ سے انہیں قتل کرنا یا نقصان پہونچانا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ انسانوں کے حقوق کی تو بہت بڑی بات ہے۔ اسلام نے تو جانوروں حتیٰ کہ چیونٹیوں کے بھی حقوق بیان کئے ہیں۔ مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبیؑ کا ایک علاقے سے گذر ہوا۔ آپ نے ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کیا۔ آپؑ کو چیونٹیوں کے جھنڈ میں سے ایک چیونٹی نے کاٹ لیا۔ انہوں نے تمام چیونٹیوں کو جلا دینے کا حکم دیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی "هَلَّا نَمْلَةً وَاحِدَةً" کہ آپ نے صرف اس کاٹنے والی چیونٹی کو کیوں نہیں جلایا؟ (دوسری بے قصور چیونٹیوں کو کیوں جلا دیا؟)

اسلام ہی کتے کو پانی پلانے پر جنت کی بشارت اور بلّی کو مارنے پر جہنم کی وعیدیں سناتا ہے۔

الحمدللہ میں نہ دہشت گرد تھا نہ ہوں۔ ہاں میں نے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی، مظلوموں اور کمزوروں کے حق کی بات کہی ہے۔ آئین و دستور نے ہمیں جو حقوق دیئے ہیں اسکے لئے آواز بلند کی ہے۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی کروں گا۔ لوگ اسے جو چاہے نام دے سکتے ہیں۔

جیل کیا ہے؟

انسانی دنیا میں قدیم زمانے سے جیل اور قید خانہ کا تصور ہے، گنہگاروں کو سزا دینے اور گناہوں پر روک تھام کے لئے دنیا کے تمام ممالک و مذاہب نے قید خانہ کی ضرورت کو محسوس کیا ہے، اسلام میں اگرچہ تعزیرات وحدود ہیں تاہم بعض مقدمات ومعاملات میں قید کی بھی گنجائش وضرورت کو بیان کیا گیا ہے، حضرت نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر میں مشرکین کو قید کیا تھا، سیرتِ طیبہ میں قید کئے جانے کے اور بھی کچھ واقعات ونظیریں ملتی ہیں۔

دنیا کا نظام اور امورِ سلطنت کے لئے جہاں قید خانہ اور جیل کا استعمال ہوتا چلا آیا ہے وہیں مخالفین کو زیر کرنے، سیاسی حریفوں اور تحریکوں کو ختم کرنے، عوام کو مرعوب کرنے اور دہشت پھیلانے اور حق کی آواز کو دبانے کے لئے قدیم زمانے سے اس کا ظالمانہ اور ناجائز استعمال بھی ہوتا چلا آرہا ہے۔

حضرت یوسفؑ جیسے بے داغ، بے قصور اور پاکیزہ نبی کو عزیزِ مصر کی بیوی اسی قید کی دھمکی دیتی ہے اور اپنی سہلیوں کے سامنے بڑے فخر سے کہتی ہے۔

ولقد راودته دعن نفسه فاستعصم ولئن لم يفعل ما آمره ليسجنن وليكونا من الصاغرين

(بے شک میں نے انہیں اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کی مگر یہ بچ گئے، لیکن اگر انہوں نے میری بات نہیں مانی تو انہیں ضرور قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا اور بہت ذلیل وخوار ہوگا)

آگے فرمایا۔۔۔

ثم بدالهم من بعد ما راو الآيات ليسجننه حتى حين

پھران لوگوں کو (حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کی اور زلیخا کی غلطی کی) بہت سی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوا کہ ایک زمانہ تک آپ کو قید میں ڈال دیا جائے

(عزیزِ مصر کی بیوی کو بدنامی سے بچانے اور بات دبانے کی غرض سے آپ کو قید میں ڈال گیا)

ظالم وجابر حکمراں فرعون نے حضرت موسیٰ کو اسی قید و بند کی صعوبتوں اور سختیوں سے ڈرایا اور کہنے لگا

لئن اتخذت الها غیری لاجعلنک من المسجونین

(آپ نے اگر مجھے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا معبود بنالیا تو میں قیدیوں کے ساتھ آپ کو بھی قید خانہ میں ڈال دوں گا)

بنوعباس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی سب سے پہلے بنوامیہ کے اپنے سیاسی حریفوں اور لیڈروں کو قید کرنے کا کام کیا تھا۔ چنانچہ ہر دور میں اس کا جائز ناجائز استعمال ہوتا رہا ہے۔

غلط مقاصد و ناجائز استعمال کی وجہ سے آج کے قید خانے تربیت و اصلاح گاہ کے بجائے جرم کی تعلیم گاہ اور مجرم بنانے کی فیکٹریاں بنتے جا رہے ہیں۔ وہاں گناہ کے مختلف طریقے سکھانے والے ضرور ملتے ہیں۔ لیکن اصلاح ندارد۔

پارگی صاحب جیسے مٹھی بھر افسران قید خانے وقیدیوں کی اصلاح کے حامی وحقوق انسانی کے علم بردار ضرور ہیں۔ لیکن جب تک حکومت وعدالت اور اصلاحی تنظیموں کا پورا تعاون نہ ہوں یہ کوششیں کارگر نہیں ہوسکتیں۔

جیل کی یہ عجیب وغریب دنیا بظاہر باہر کی دنیا جیسی ہی ہوتی ہے۔ باہر کی دنیا جیسے ہی انسان وہی شکلیں، صورتیں، وہی رات۔ دن اور موسموں کی آمدورفت، ساری چیزوں میں یکسانیت کے باوجود درحقیقت ان بلند چاردیواریوں اور قلع نما فصیلوں کے درمیان یہ ایک الگ ہی دنیا ہے۔

چنانچہ خورشید آحمد صاحب نے جیل کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے:

جیل ایک دوسری ہی دنیا کا نام ہے، چندا ایکر زمین کا وہ ٹکڑا جس پر جیل واقع ہے بظاہر اسی خاک وطن کا ایک حصہ ہے۔ یہاں بھی انہیں اینٹوں اور پتھروں سے کوٹھریاں اور کھولیاں تعمیر ہوتی ہیں جن سے باہر کی عمارتیں بنتی ہیں یہاں بھی ویسی ہی شکل وصورت کے انسان پائے جاتے

ہیں جو باہر کی دنیا میں بستے ہیں لیکن ان سب کے باوجود قید خانہ ایک دوسری ہی دنیا کا نام ہے۔ ظاہراً چاہے کتنی ہی مماثلت و یکسانیت ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں کی ہر چیز مختلف، ہر بات نرالی، ہر شئی منفرد ہے۔ یہاں کے پورے ماحول پر ایک مخصوص فضاء طاری ہے۔ گھٹن، پراگندگی، جرم و معصیت کا سایہ ہر چیز سے ظاہر ہوتا ہے۔ بے بسی اور پابندی یہاں کا دستور و قانون ہے خودداری اور عزت نفس کی پر چھائیاں بھی یہاں نظر نہیں آتی۔ ہر چیز پر ایک سوگواری اور ماتم چھایا ہوا ہے۔ یہاں کی ہر چیز زبان حال سے پکار کر کہتی ہے میں قیدی ہوں۔ جیل کی چاردیواری میں قدم رکھتے ہی گھٹن و بے بسی اور مجبوری و بے چارگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ (تذکرۂ زندہ)

اور بقول حضرت مولانا ابوالکلام آزاد (رحمۃ اللہ علیہ) :

قید خانہ میں بھی سورج طلوع و غروب ہوتا ہے یہاں بھی رات میں تارے چمکتے ہے یہاں کی صبح بھی اندھیرے کو چیر کر روشنی لاتی ہے یہاں بھی خزاں کے بعد بہار آتی ہے۔ یہاں بھی صبح میں پرندے چہکتے ہیں مگر انکے معانی باہر کی دنیا سے مختلف ہوتے ہیں۔ بہار کے آنے کی امید لئے کئی بہاریں بیت جاتی تھی مگر پھر بھی بہار کا انتظار باقی رہتا تھا۔ (بھارتی زنداں میں میرے شب و روز)

جیل کی کرنسی، رشوت کا سکہ :

سابرمتی جیل بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ وہی ساری بے بسی و بے کسی، مجبوریاں و لاچاریاں یہاں بھی نظر آتی تھی قدم قدم پر پابندی و غلامی کا احساس ہوتا تھا۔ لیکن یہ ساری پابندیاں اور سختیاں غریب و بے بس قیدیوں ہی کے لئے تھیں، گنہگاروں، مالداروں اور روپے بہانے بنانے والے قیدیوں کے لئے یہاں جنگل میں منگل کا سماں تھا، رشوت کا سکہ رائج تھا۔ رشوت دینے پر ساری ہی ممنوعات بڑی آسانی سے دستیاب ہوجاتی تھیں۔ رشوت دے کر مالدار جہاں ساری غیر قانونی سہولتیں حاصل کر لیتے تھے، وہیں غریب اپنے جائز و قانونی حقوق کے لئے بھی رشوت دینے پر مجبور تھے۔ شیر بازار کی طرح یہاں روزانہ بیڑی سگریٹ تنبا کو و دیگر ممنوعات کے دام طے ہوتے تھے۔ بیڑی، تمباکو کے طلبگار غریب قیدیوں کے حصہ میں لوگوں کے منہ تکنا یا

دور ہی دور سے آنکھیں ٹھنڈی کر لینا ہوتا تھا۔ بعضے لوگ جیل میں گونداور بڑ کے درخت کے پتوں کی بیڑی بنا کر اپنی پیاس بجھا لیتے تھے۔ بہت سے غریب قیدی ایسے بھی تھے جو ایک بیڑی اور تنباکو کی ایک چٹکی کے لئے مالدار قیدیوں کے کپڑے، برتن، جھاڑو کر دیتے تھے اور اپنی نفسانی آگ بجھاتے تھے۔

لیکن یہ جیل اپنی تمام تر سختیوں اور پابندیوں کے باوجود بہت سے غریب و بے بس بے سہارا کے لئے راحت وسہارے کا کام بھی دیتی تھی۔ میں نے کئی قیدی ایسے دیکھے جو بارش کے موسم میں ہر سال باقاعدہ قصداً مقدمہ بنا کر وقت گذاری کے لئے جیل میں چلے آتے تھے۔ بہت سے قیدی ایسے تھے جو روزی روٹی کی جدّ و جہد سے پریشان سال میں کئی بار جیل میں آتے تھے کیوں کہ یہاں دووقت چائے اور دووقت کی روٹی آسانی سے میسر ہو جاتی تھی، سر چھپانے کو چھت مل جاتی تھی۔ بہت سے غریب ودیہاتی قیدی کو جیل وعدالت کی جانب سے سال میں ۱۴روز کی چھٹی (فرلو) ملتی تھی، لیکن گھر پر کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا تھا اور یہ بیچارے ۴/۵ دن پہلے ہی جیل میں واپس چلے آتے تھے، جیل میں اتوار اور بدھ کے روز تھولی کا شیرہ بنتا تھا، کھانے کے شوقین کئی قیدی ایسے تھے جو تھولی کھانے کے لئے اپنی چھٹی ختم ہونے سے دو دو دن قبل ہی جیل میں چلے آتے تھے۔ بعض قیدی ایسے بھی تھے جو اپنی رہائی کی خبر سن کر غمگین ہو جاتے تھے۔ انہیں مستقبل کی فکر سوار ہو جاتی تھی۔ ہمارے یہاں دس کھولی میں راجکوٹ کا ایک غریب قیدی تھا۔ دن بھر قیدیوں کے کپڑے دھو کر اپنا گذر بسر کرتا تھا۔ جب اسے رہائی کی خبر سنائی گئی تو بڑے غمناک لہجے میں کہنے لگا کہ میں گھر جانا نہیں چاہتا، مجھے قیدیوں سے کپڑوں کی دھلائی کے پیسے لینا باقی ہے۔ لیکن اسے جبراً جیل سے باہر نکالا گیا!

مجبوری وبے بسی کی یہ لمبی داستان ہے، جسے بیان کرنے کے لئے کاغذات کا دفتر اور وقت میں گنجائش پیدا کرنے والا منتر چاہئے۔

جیل کی تاریک دنیا میں (سابرمتی سینٹرل جیل)

شہر احمد آباد میں سابرمتی ندی کے سامنے کنارے سابرمتی ریلوے اسٹیشن کے قریب رانپ بستی میں بڑے وسیع و عریض خطہ میں یہ سابرمتی جیل واقع ہے۔ سن 1895ء میں انگریز نے یہ جیل تعمیر کی تھی۔ جیل میں جانے کے غم پر کرائم برانچ کے مظالم سے نجات پانے کی خوشی غالب آگئی، اور جیل کی بلند و مضبوط قلعہ نما دیواروں پر نظر پڑتے ہی کچھ سکون ہو گیا!

جیل احاطہ میں گاڑی رکھ کر جیل کے بڑے دروازہ میں بنی کھڑکی سے ہمیں اندر داخل کیا گیا، جیل میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ پر کاؤنٹر ٹیبل پر ضروری قانونی کاروائی پوری کرنے کے بعد داہنے ہاتھ پر پہلی آفس میں اس وقت کے نائب ناظم جناب مکوانا صاحب کے سامنے پیش کیا گیا، آفس میں .C.C.T.V کی اسکرین پر میں نے دیکھا مولوی عبداللہ صاحب و دیگر کچھ مسلمان ایک چھوٹے سے باغیچہ میں نماز ادا کر رہے تھے، جسے دیکھ کر بہت ہی سکون ہوا۔ مکوانا صاحب میرے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو جان گئے۔ کہنے لگے انکے پاس جانا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! کہنے لگے کوئی شکایت نہیں آنی چاہئے۔ میں نے کہا انشاء اللہ نہیں آئیگی، کہا ٹھیک ہے، انہیں ہائی سکیوریٹی بھیج دو، وہاں سے ہمیں سامنے بائیں ہاتھ پر بنی مختلف آفسوں سے گزار کر آخر میں ایک وسیع کمرے میں لے گئے، جہاں لکھا ہوا تھا" انڈر ٹرائل سیکشن" (زیر سماعت قیدیوں کا دفتر) وہاں کرتہ اتار کر پشت وغیرہ چیک کی گئی، اور چہرے، پشت، بازو جہاں کہیں بھی شناخت کا کوئی امتیازی نشان نظر آیا اسے نوٹ کر لیا گیا، اسے چہرا نشانی کہا جاتا ہے۔

ہائی سکیورٹی

سابرمتی جیل میں واقع یہ ہائی سکیورٹی زون اعراف کی حیثیت رکھتا ہے، کرائم برانچ کے بھیانک مظالم سے گذر کر جیل میں آنے والے کو ہائی سکیورٹی باوجود اپنی تمام سختیوں اور بندشوں کے جنت معلوم ہوتی ہے۔ وہیں جیل ہی میں واقع بڑا چکر، چھوٹا چکر اور دیگر یارڈوں سے اگر کسی قیدی

کو وہاں ڈال دیا جائے تو اسے وہ جگہ جہنم بلکہ جہنم کا درک اسفل معلوم ہوتی ہے۔ وہاں ایک انڈے کی شکل کی عمارت ہے۔ جہاں تقریباً آٹھ کھولیاں ہیں۔ یہ جیل کی سب سے خطرناک جگہ سمجھی جاتی ہے۔ اسے انڈا اسیل کہا جاتا ہے۔ جیل میں رہ کر بھی جرائم کرنے والے خطرناک مجرموں کو، یا جنہیں جان کا خطرا ہوا یسے قیدیوں کو یہاں رکھا جاتا ہے، جیل کے عام حصوں کی بنسبت یہاں حفاظتی اقدامات زیادہ سخت اور جیل مینوئل پر یہاں کچھ زیادہ سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔

ہم وہاں داخل ہوئے۔ گیٹ میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ پر ایک چھوٹا سا کیبن نما حجرہ تھا جسے جیل اصطلاح میں پیٹی کہا جاتا ہے۔ وہاں ہمارا اندراج ہوا اور باہر برآمدے میں بنی ہوئی کھولی نمبر 3 میں ہمیں سامان رکھنے کے لئے کہا گیا۔ وہاں استقبال میں مولانا عبداللہ صاحب ودیگر حضرات موجود تھے۔ یہاں عبدالوہاب بھائی (مرحوم) شاہ پور والے، جاوید خان، سلیم بھائی، مولوی عبدالصمد، عبدالرؤف اور کچھ دیگر مسلم اور غیر مسلم بھائیوں سے ملاقات وتعارف ہوا ان حضرات نے کافی ہمدردی کا اظہار کیا اور حوصلہ افزائی کی۔

ساتھیوں سے تعارف وملاقات، عصر کی نماز اور کھانے سے فراغت کے بعد تھوڑی ہی دیر میں بندی آ گئی۔

جیل کے شب وروز واصطلاحات

اللہ رب العزت نے باہر جو آزادی اور بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا ہمیشہ اس کی ناقدری اور غلط استعمال کرتا رہا کھلی اور آزاد فضاء کی سانسیں جو اللہ تعالی کی ایک عظیم ترین نعمت ہے، اس کا احساس جیل کی پابندیوں بندشوں اور غلامی کا احساس دلانے والے سخت قوانین کو دیکھ کر ہوا۔ گھر میں ماں باپ، بیوی بچے اور رشتہ داروں کے پاس بیٹھنے، ان کی خدمت کرنے، حقوق ادا کرنے اور صلہ رحمی کا وقت نہیں ملتا تھا دن بھر کی مشغولیات کے بعد رات کا اکثر حصہ فضول گوئی اور تفریحات میں گذر جاتا تھا۔ گھر کی حیثیت ایک مسافر خانہ یا گیسٹ ہاؤس کی سی رہ گئی تھی۔ صرف کھانے اور دیر رات سونے جاتا تھا۔ آج جب پہلی ہی رات میں شام تقریباً 5:45 کے قریب کھولی

نمبر تین میں بند کیا گیا تب اللہ تعالی کی ان ساری نعمتوں کی قدر ہو رہی تھی ماں باپ، بیوی بچے، رشتہ داریاں، دوست احباب، آزاد فضائیں، کھلی ہوائیں، رات کی محفلیں سب کچھ یاد آ رہا تھا لیکن اب شرمندگی وندامت اور توبہ استغفار کے سوا کیا کیا جا سکتا تھا؟ ہائی سکیورٹی کی یہ باہر کی کھولیاں بھی دو تالے والی تھی۔ پہلے کھڑکی نماں دروازہ تھا اس میں سے جھک کر اندر داخل ہوئے۔ پھر تقریباً 4/5. فٹ کا برآمدے کی شکل کا چھوٹا کمرہ تھا پھر دوسرا دروازہ تھا، دونوں پر تالے لگائے گئے۔ میرے ساتھ کھولی میں مولانا عبداللہ صاحب، آدم بھائی اور منظور (حیدرآباد) کو بند کیا گیا۔ ہماری گنتی کی گئی اور دونوں دروازوں پر تالے لگا کر سپاہی چلے گئے۔ جیل کی پہلی رات بڑی پرسکون معلوم ہو رہی تھی۔ چالیس دن مسلسل مصائب وتکالیف کے بعد آج پہلی بار ساتھیوں سے پرسکون ماحول میں بات کرنے کا موقع ملا۔ مولانا عبداللہ صاحب سے تو میں متعارف تھا۔ آدم بھائی کا تعارف ہوا اور کرائم برانچ کے ظلم وستم اور مقدمہ کے متعلق باتیں کرتے ہوئے مغرب کے بعد ہی ہم تمام ساتھی سو گئے۔ اور رات دیر سے تقریباً ایک بجے اٹھ کر عشاء کی نماز باجماعت ادا کی۔ کرائم برانچ میں خوف وہراس کی وجہ سے آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی۔ اب یہاں اُسکی تلافی ہو رہی تھی۔ ابتداء میں کئی راتوں تک یہی معمول رہا، باوجود ہزار کوشش کے مغرب بعد ہی نیند آ جاتی اور دیر رات اٹھ کر عشاء کی نماز ادا کرتے تھے۔

قارئین کرام! یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جیل کے کچھ اصطلاحات واحکام عرض کر دوں تا کہ آئندہ ان الفاظ کو سمجھنا آسان ہو۔

I.G.P.: انسپکٹر جنرل آف پریزن (جیل)

D.I.G.: ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پریزن (جیل)

سپرنٹنڈنٹ: نگرانِ اعلیٰ۔

سنیر جیلر: اعلیٰ جیلر (P.I. رینج)

جیلر: (P.S.I. رینج)

صوبہ دار، جنرل صوبہ دار،

حوالدار، سپاہی : جیل عملہ کے مختلف عہدے داران۔

انڈر ٹرائل قیدی: جنکے مقدمات زیر سماعت ہیں۔

پکے قیدی: جنہیں سزا ہو چکی ہے۔

آسان: جنہیں آسان سزا ہو انہیں ذاتی بستر، کپڑے وغیرہ کی اجازت ہوتی ہے، لیکن انہیں ماہانہ سات روز کی معافی نہیں دی جاتی۔

سفید ٹوپی: جنہیں پانچ سال سے کم کی سزا ہو۔

پیلی ٹوپی: جنہیں پانچ سال یا اس سے زیادہ کی سزا ہو۔

لال ٹوپی: جو قیدی سزا کے بعد جیل سے یا چھٹیوں کے دوران گھر سے یا عدالت سے بھاگ چکا ہو تو دوبارہ گرفتاری کے بعد اسے لال ٹوپی پہنائی جاتی ہے، اسے لال ٹوپی کہا جاتا ہے (جیل کی جانب سے ملنے والی معافی اور دیگر بہت سی رعایات سے یہ قیدی محروم ہو جاتا ہے)

وارڈر: قیدیوں ہی میں سے کچھ قیدیوں کو یارڈ اور سیل میں بطورِ نگراں طے کیا جاتا ہے جن میں سے سینئر و قابل کو وارڈر بنایا جاتا ہے۔ انہیں زرد ایزار، پٹہ اور ڈنڈا دیا جاتا ہے۔ جیل کی جانب سے انہیں ماہانہ تنخواہ بھی دی جاتی ہے۔

واچ مین: یارڈ اور سیل کا قیدی نگران (ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے)

سیوک: سزا یافتہ قیدیوں میں سالانہ انتخاب ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کو قیدیوں کی نمائندگی کے لئے چنا جاتا ہے انہیں کافی اختیارات دیئے جاتے ہیں اور تنخواہ بھی دی جاتی ہے۔

میٹن: خواتین قیدیوں کی نگراں۔

نرسنگ اورڈلی: بیمار قیدیوں کا تیمار دار و معالج۔

بندی کرنا اور کھولنا: شام .5:45 کے قریب ہمیں کھولی نمبر تین میں بند کیا گیا اسکا طریقہ یہ تھا کہ شام. 5:45 سے 6:00 بجے کے قریب جیل کے قیدیوں کو اپنے اپنے سیل میں بند کر دیا جاتا تھا۔ سیل میں سپاہی آتے اور قیدیوں کی انکی نوعیت کہ اعتبار سے گنتی کرتے تھے پھر کل گنتی ہوتی تھی۔ مثلاً زیر سماعت، سزا والے، پھر سزا میں آسان، سفید ٹوپی، پیلی ٹوپی، لال ٹوپی، پھانسی وغیرہ گنتی کرنے کے بعد ساری گنتی بڑے دفتر (جسے جیل کی اصطلاح میں بڑی پیٹی کہا جاتا ہے) پر پہونچائی جاتی تھی۔

جب پوری جیل کا مجموعہ مل جائے تب ہی شام والے سپاہی کو چھٹی دی جاتی تھی اسے بندی کہا جاتا ہے۔ رات بھر بند رکھا جاتا تھا اور صبح 6:00 بجے بعد اسی طرح گنتی کے بعد دوپہر 12:00 بجے تک ہمیں کھول دیا جاتا تھا۔ اسے بندی کھولنا کہتے ہیں۔ اور پھر دوپہر میں 12:00 سے 3:00 بجے تک پھر بند کر دیا جاتا تھا۔

قیدی کو نہانے دھونے، یارڈ میں گھومنے، پھرنے، ورزش کرنے، کھیلنے، قرآن پاک، دین، دنیا سیکھنے سیکھانے اور دیگر ضروریات پوری کرنے کے لئے یہ وقت دیا جاتا تھا۔ اسی دوران صبح 9:00 بجے دوپہر کا کھانا دیا جاتا تھا۔ صبح کی گھر کی ملاقات، وکیل ملاقات بھی اسی وقت میں نمٹائی جاتی تھی۔ 12:00 بجے بعد بندی ہی میں ظہر کی نماز ادا کی جاتی تھی۔ دوپہر میں 3:00 بجے بندی کھلنے پر چائے دی جاتی تھی۔ 3:00 بجے سے 6:00 بجے

تک نہانا، دھونا، کھانا، کھیل کود، ورزش، ملاقات وغیرہ ساری ضرورتیں پوری کرنی ہوتی تھیں۔ تقریباً 4:00 شام کا کھانا آجاتا تھا۔ جیل قوانین (Manual) کے اعتبار سے شام 6:00 بجے سے پہلے رات کا کھانا کھا لینا ضروری تھا۔ بصورتِ دیگر 6:00 بجے بعد اگر بندی میں کھانا برآمد ہوا تو قیدی پر مقدمہ چلایا جاتا اور اسے سزا دی جاتی تھی۔ جیل اصطلاح میں اسے کھطلہ کہا جاتا ہے۔ ہائی سکیورٹی میں اس قانون پر بڑی سختی سے عمل ہوتا تھا، دوسری جگہوں پر اس معاملے میں عام طور پر سپاہی چشم پوشی اور رحم نظر رکھتے تھے۔

جھڑتی : جیل میں ممنوع چیزوں کی روک تھام کے لئے باقاعدہ جھڑتی دستہ بھی تھا۔ موبائل فون، بیڑی، تمباکو، نقد رقم وغیرہ کی برآمدگی کے لئے یارڈوں اور بیراکوں کی کبھی کبھی تلاشی لی جاتی تھی۔ قیدیوں کے جسموں اور کپڑوں کی بھی تلاشی لی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ مشکوک افراد کو برہنہ کر کے صرف ٹاول پہنا کر بھی چیک کیا جاتا تھا۔ جیل عملہ اور .I.G کے بعضے افسران جھڑتی کرنے اور ممنوع چیزوں کی برآمدگی میں بڑی ہی مہارت رکھتے تھے۔ اسکے علاوہ کبھی کبھی کرائم برانچ اور دیگر ایجنسیاں بھی تلاشی کے لئے آتی تھیں۔ لیکن ان سب کے باوجود ساری ہی ممنوعات یہاں دستیاب ہو جاتی تھی۔ یہاں کبھی شٹ ڈاؤن (Shut Down) نہیں ہوتا تھا۔ یہ ساری چیزیں کہاں سے آتی تھیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

سیٹی : جیل اصطلاح میں سب سے خطرناک لفظ ہے سیٹی بجنا۔

عام حالات میں جیل کا ماحول سرد مگر پُرسکون ہوتا ہے۔ جیل قوانین کی پابندی پر یہاں ظلم وستم اور مار پیٹ نہیں ہوتی۔ جیل عملہ

اور وارڈر واچمین کے ڈنڈے و پٹے کے استعمال کی بہت ہی کم نوبت آتی ہے۔ بالخصوص سزایافتہ قیدیوں کے ساتھ انکا سلوک بڑا ہمدردانہ اور نرم ہوتا ہے۔لیکن اگر جیل میں اگر کوئی حادثہ پیش آگیا یا کسی قیدی نے جیل عملہ کے ساتھ دست درازی کردی اور جیل پولیس نے سیٹی بجادی تو قیامت برپا ہوجاتی تھی۔اور اس وقت جیل پولیس ظلم اور درندگی کے سارے ریکارڈ توڑ دیتی تھی۔سیٹی کی آواز پر جیل عملہ، وارڈر واچمین اور کارکنان ڈنڈے اور پٹے لیکر باقاعدہ حملہ آور فوج کی طرح یارڈوں اور بیریکوں میں ہلہ بول دیتے تھے۔اور اس وقت گنہگار اور بے گناہ میں کوئی تمیز نہیں کی جاتی تھی۔نہایات ہی بے رحمی اور بے دردی سے قیدیوں کو پیٹا جاتا تھا۔حتیٰ کہ بعضے مرتبہ تو قیدیوں کو اپنی سیلوں میں بند کردینے کے بعد باری باری بیریکیں کھول کر ایک ایک قیدی کو نکال کر نہایت ہی بے رحمی سے پیٹا جاتا تھا۔اس وقت ظلم وتشدد کا جو نظارہ ہوتا تھا اس کے سامنے کرائم برانچ کے مظالم بھی ہیچ معلوم ہوتے تھے۔لیکن ایسا بہت کم ہوتا تھا۔۱۱رسال کے عرصے میں تقریباً ۴/۵ مرتبہ ہی سیٹی بجی تھی۔ چنانچہ اسی طرح کا ایک واقعہ ۲۷رمارچ ۲۰۰۹ بروز جمعہ پیش آیا تھا لیکن اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ہم تمام کی حفاظت فرمائی تھی۔

جیل کے مختلف شعبے و ہنر

سپرنٹنڈنٹ کی آفس:

سنیر جیلر کی آفس:

انڈر ٹرائیل: زیر سماعت مقدمات کی آفس۔

جیوڈی شل: عدالتی تحویل کی آفس۔

محکم : قیدیوں کے منی آرڈر، وجیس، بھتھا (کھانا، چائے وغیرہ) کے حساب کی آفس۔

ملاقات روم : قیدیوں کو اپنے رشتہ داروں سے ہفتہ میں ایک بار یہاں ملاقات دی جاتی تھی۔

وکیل ملاقات روم: جیوڈی شل آفس ہی میں ایک چھوٹا سا روم جہاں قیدیوں کو اپنے وکیل سے ملاقات دی جاتی تھی۔

دواخانہ : یہاں تقریبا ۳/M.B.B.S. ڈاکٹر خدمت انجام دیتے تھے آوٹ ڈور O.P.D. اور معمولی بیماریوں کیلئے انڈور کا بھی انتظام تھا۔ بڑی بیماری اور ایکسرے، سونوگرافی وغیرہ کے لئے سویل ہسپتال بھیجا جاتا تھا۔

ٹیلی میڈیسین: کبھی کبھی بیماری کی تشخیص وعلاج کے لئے جیل کے ڈاکٹر حضرات سویل ہسپتال کے ڈاکٹر سے ویڈیو کانفرنس کے ذریعہ مشورہ بھی کرتے تھے اسے ٹیلی میڈیسین کہا جاتا ہے۔

عدالت روم: جن قیدیوں پر دفعہ 268 لگائی جاتی ہے ان کے مقدمات کی سماعت یہاں ہوتی تھی۔

کینٹین : جیل میں کینٹین کی سہولت بھی مہیہ تھی۔ قیدیوں کے لئے نہانے دھونے کے صابون، شیمپو، ٹوتھ پیسٹ، برش، تیل ودیگر ضروریات کی چیزیں فروخت کی جاتی تھیں۔ اسی طرح یہاں بیکری سے تیار کیا گیا ناشتہ بھی فروخت کیا جاتا تھا۔

اسی طرح روزانہ دوپہر کو پکی ہوئی مختلف سبزیاں بھی مناسب دام سے فروخت کی جاتی تھیں۔

ابتداء میں ماہانہ ایک بار مرغی بھی بنائی جاتی تھی لیکن 2012ء میں سرنگ کے حادثے کے بعد مرغی بند کردی گئی تھی۔

بی۔سی۔: یہ قیدیوں کا لنگر خانہ تھا۔ یہاں روزانہ تقریبا تین ہزار قیدیوں کا کھانا پکتا تھا۔ مستقل باورچی نہیں ہوتے تھے، بلکہ یہاں قیدیوں ہی کو نوکری پر رکھا جاتا تھا، اور قیدیوں ہی کی نگرانی میں یہ لمبا چوڑا انتظام چلتا تھا۔

ایجوکیشن: جیل میں قیدیوں کی دنیوی عصری تعلیم کا بھی نظام تھا۔ اگنو (اندیرا گاندھی آپن یونیورسٹی)، ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر آپن یونیورسٹی، اناملائی یونیورسٹی جیسے تعلیمی اداروں کی جانب سے امتحانات وتقسیمِ اسناد کے باقاعدہ پروگرام بھی ہوتے تھے۔ اسی طرح کمپوٹر کلاس، ہونڈا مرمت گیراج وغیرہ بھی تھی۔

لوہار، بڑھئی : کپڑا ابنائی، چرخہ، دھاگہ سازی، دھوبی، درزی، بیکری، وائرنگ کلاس، لکڑا فعل، حجام فعل، جیل میں کسب وہنر اور ذریعۂ معاش کے مختلف شعبے ہیں، جہاں قیدیوں کو ہنر سیکھنے اور کام کرنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ اور صبح ۸ر بجے سے شام تقریبا 5:00 بجے تک کام لیا جاتا تھا اور تنخواہ بھی دی جاتی تھی۔ تنخواہ کی آدھی رقم انہیں ہر ماہ دے دی جاتی اور آدھی رقم پوسٹل اکاؤنٹ میں جمع کی جاتی تھی۔ اور رہائی کے وقت جمع کی

کوڑا فعل، فیکٹری... ہوئی وہ رقم اسے اداء کردی جاتی تھی۔

آڈیٹریم: یہ ایک ہال نما کھلی عمارت تھی اور سامنے بڑا باغیچہ تھا۔ یہیں عید کی نماز ہوتی تھی۔ اسی طرح اصلاحی وتفریحی پروگرام بھی یہیں ہوتے تھے۔

چھوٹا چکر، بڑا چکر، نئی بیراک، ہائی سکیورٹی، آؤٹ سیکشن، بھگت سینگھ یارڈ، 10 کھولی، 5 کھولی۔ : یہ قیدیوں کی قیام گاہ کے نام ہیں۔ مختلف قیدیوں کو انکی نوعیت کے اعتبار سے مختلف سیلوں اور یارڑوں میں بند کیا جاتا تھا۔

بوڑھا بیراک : یہاں بوڑھے قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔

4 آفٹر : یہاں پاگل قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔

بائی وارڈ : یہاں خواتین قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔

تلک یارڈ : یہاں انگریزی دور میں لوک مانیہ تلک کو رکھا گیا تھا۔

سردار یارڈ : یہاں انگریزی دور میں ولبھ بھائی پٹیل کو رکھا گیا تھا۔

گاندھی کھولی : سن 1922 میں یہاں مہاتمہ گاندھی جی کو رکھا گیا تھا۔

کورٹی : سزایافتہ قیدی کے ذاتی کپڑے، بستر وغیرہ یہاں جمع کئے جاتے تھے، اور یہیں سے قیدی لباس، بستر، برتن وغیرہ تقسیم کئے جاتے تھے۔

ویلفیر کھولی : مالدار اور سیاسی قیدیوں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔

پنجہ بیراک : یہ نہایت ہی وسیع وعریض بیریک تھی۔ پہلے یہاں کارکن قیدیوں کو رکھا جاتا تھا اب یہاں چھوٹے موٹے اصلاحی پروگرام ہوتے ہیں۔

T.B. کھولی : T.B. کے مریضوں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔

پھانسی کھولی	: جس کی پھانسی طے شدہ ہوا سے یہاں رکھا جاتا تھا۔
مُردہ کھولی	: جیل میں مرنے والے لاوارث قیدی کی آخری رسومات یہاں ادا کی جاتی تھی۔
آپن جیل	: جیل کی کھیتی باڑی اور مویشی سنبھالنے والے اور بھجیا ہاؤس میں نوکری کرنے والے قیدیوں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔
نئی جیل	: سابرمتی جیل سے قریب ہی رانپ بستی میں ایک نئی جیل بنائی گئی ہے، 2009ء میں اس کا افتتاح ہوا، یہاں زیرِ سماعت قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔

جیل کا کھانا

صبح بندی کھلنے کے بعد تقریباً 7:00 بجے جیل کی جانب سے ۱۰۰ ملی گرام چائے دی جاتی تھی اور ہفتے میں تین روز دس گرام سینگ، دس گرام چنے، ایک ٹکڑا گڑ دیا جاتا۔

صبح کھانے میں پیر، بدھ اور جمعہ کو تو ویر کی دال ہوتی منگل، جمعرات اور سنیچر کو چنے کی دال ۲۰۰ ملی گرام دال کے ساتھ کوبیج، کریلے، بیگن یا کوئی اور سبزی کا ایک چمچ دیا جاتا، ساتھ میں پیاز کا ایک ٹکڑا دیا جاتا تھا۔ شام کو بیگن، آلو، آلو پیاز، کوبیج وغیرہ کوئی بھی سبزی ہوتی تھی، عام قیدیوں کو ایک ڈیڑھ چمچ سبزی اور دو یا پانچ روٹی دی جاتی تھی۔ اتوار کے روز صبح کڑی ہوتی اور ساتھ میں تھولی یا شیرہ ہوتا تھا۔ اسی طرح بدھ کے روز بھی تھولی یا سیرہ ہوتا تھا، جس کی وجہ سے روٹی میں کمی کر دی جاتی اور اتوار اور بدھ کو چھوٹی روٹی ۳ اور بڑی روٹی ہو تو صرف ایک ایک روٹی دی جاتی تھی۔

صبح کے دال چاول روٹی تو کسی طرح کھانے کے قابل ہوتے تھے لیکن شام کی سبزی خاص کر کوبیج اور بیگن تو اللہ کی پناہ! تیل اور مرچ مصالحہ کی تو توقع رکھنا ہی بے کار تھا، کم از کم روٹی پر

شوربے کا اثر دکھائی دے تب بھی غنیمت تھا، لیکن جیل عملہ کو ہماری صحت وہاضمے کا زیادہ خیال رہتا تھا، اس لئے اتنا لمبا پانی ہوتا تھا کہ روٹی ڈبانے کے بعد جب باہر نکالی جاتی تو اس پر شوربے کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے، بس اس وقت مدرسے کے لذیذ اور انوارات و برکات سے بھرپور کھانے کی قدر ہوتی تھی۔

یہ کھانا اگرچہ عام قیدیوں کا تھا، پھانسی والے قیدیوں کو کھانا کھلا کر تیار کرنا ہوتا ہے اور پھندے کے قابل بنانا ہوتا ہے، اس لئے کھانے کے معاملے میں ان کے ساتھ رعایت ہوتی تھی، تیل بھی ہوتا اور وافر مقدار میں کھانا دیا جاتا تھا۔ ہم بقدرِ ضرورت لے کر باقی ضرورت مند قیدیوں کو تقسیم کر دیتے تھے۔ ہم عام طور پر اس کھانے کی اصلاح و ترمیم کر کے کھانے کے قابل بنا لیتے تھے۔ اسکے علاوہ شام کے وقت جیل کی کینٹین سے مختلف (پکی ہوئی) سبزیاں فروخت ہونے کے لئے آتی تو اس سے بھی کام چل جاتا تھا۔ دودھ کی مختلف اشیاء مثلاً کھیر، پنیر اور شریکھنڈ وغیرہ بنا کر آپس میں دعوتیں بھی کی جاتی تھیں جس کا مقصد وقت گذاری اور غموں کو ہلکا کرنا ہوتا تھا۔

وکیل ملاقات

تاریخ 26/9/2003 جمعہ کو مجھے جیل کسٹڈی ہوئی اور دوسرے ہی دن 27/9/2003 سنیچر کو صبح 11:00 بجے ہمارے وکیل جناب شوکت بھائی شیخ ملاقات کیلئے آئے اسے جیل اصطلاح میں وکیل ملاقات کہا جاتا ہے۔ جسمیں ملزم کو اپنے وکیل سے ملنے اور مقدمہ کے متعلق قانونی صلاح مشورہ کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ فارم بھرنے کے بعد جیل عملہ کی نگرانی میں ایک کمرے میں وکیل ملاقات دی جاتی تھی۔ ہمیں ہفتہ میں صرف ایک دن سنیچر کے روز وکیل ملاقات دی جاتی تھی اور بعد میں 27 مارچ 2009 کے بعد سے اس میں بھی کمی کر دی گئی اور ماہانہ صرف دو ملاقات پہلے اور تیسرے سنیچر کو دی جاتی تھی۔ اس پہلی ملاقات میں وکیل صاحب نے بتلایا کہ آپنے اقبالِ جرم کیا ہے۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ اقبالِ جرم کیا بلا ہے؟

انہوں نے تسلی دی اور چلے گئے۔ دوسرے روز اتوار تھا۔ اتوار کے روز صبح 6:30 کے قریب بندی کھولی جاتی تھی اور 12:00 بجے بندی نہیں کی جاتی تھی بلکہ 3:00 بجے ہمیں بند کر دیا جاتا اور دوسرے روز صبح 6:30 تک تقریباً ساڑے پندرہ گھنٹے تک ہمیں مسلسل بند رکھا جاتا تھا۔ اتوار کے روز ظہر کے علاوہ ساری نمازیں بندی ہی میں ادا کی جاتی تھی۔ شام کا کھانا بھی بندی میں ہوتا تھا۔

اتوار کا یہ روز لوگوں کے لئے سیر و تفریح، ہوٹلوں اور پکنک گاہوں میں جانے کا ہوتا ہے۔ لوگ شدت سے ہفتے کے اس آخری دن کا انتظار کرتے ہیں۔ وہیں ہم قیدیوں کے لئے یہ دن بڑا ہی سخت اور بور کر دینے والا ہوتا تھا اور سنیچر ہی سے ہمیں اتوار کی آمد کا ٹینشن رہتا تھا۔ دوپہر میں 3:00 بجے ہمیں سیلوں میں بند کر دیئے جانے کے بعد بندر، بلی، مور وغیرہ اپنی ذریت کے ساتھ ہمارا دیدار کرنے آتے تھے۔ ہمیں پنجرے میں بند دیکھ کر ان مخلوقات کو بڑی حیرت و استعجاب ہوتا تھا۔ شاید انہیں بھی ہماری بے بسی پر ترس آجاتا تھا اور بندروں کے بچے اپنی دل فریب شرارتوں سے ہماری دلجوئی کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بلیاں بڑی مسکنت سے ہمارا منہ تکتے رہتی اور بڑے نرم لب و لہجے میں ہماری غربت و بے بسی کی رعایت کرتے ہوئے ماحضر کا مطالبہ کرتی تھیں۔ جیل کی اس محدود دنیا میں جہاں ہمیں ہی بڑی دشواری سے گوشت میسر ہوتا تھا یہ بیچاری کہاں توقع کر سکتی تھیں؟ چنانچہ انہوں نے بھی حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا اور پوری، شکر پارے اور گانٹھیے پر گذران کرتی تھیں۔ یہی نہیں ہمارے محدود وسائل کا اس بے زبان مخلوق کو اس شدت سے احساس تھا کہ وہ بجائے دودھ کے پانی کے "رسنہ" شربت سے ہی کام چلا لیتی تھیں۔

ملاقات اور خط و کتابت (آب حیات)

جیل میں دو چیزیں آب حیات کا کام کرتی تھیں ایک ملاقات اور دوسری خط و کتابت، انہیں دو چیزوں کے سہارے قیدی زنداں کے شب و روز گذارتا ہے اور یہی وہ دو چیزیں ہیں جو قیدی کو کچھ دیر کے لئے اپنے مقربین اور باہر کی دنیا سے جوڑ دیتی ہے۔

ملاقات کے دن کا بڑی شدت سے انتظار رہتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو جو اس دارِ وحشت کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ لکھتے ہیں: "ملاقات کا دن قیدیوں کے لئے عید کا دن ہوتا ہے۔" ملاقات کے روز ہم علی الصبح غسل کر کے اپنے پاس جیل کے جو عمدہ سے عمدہ (؟) کپڑے ہو پہن کر عید کی طرح بن سج کر تیار ملاقات فارم کا انتظار کرتے تھے۔ ملاقات کی اہمیت اور خوشیوں کا آپ اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب صبح ملاقات روم کا قیدی کارکن ملاقات کے نام سنانے کے لئے آتا ہم لوگ اسکے ارد گرد جمع ہو جاتے اور ملاقات آنے پر آپس میں مبارک باد دیتے تھے۔ جس قیدی کو ملاقات کی توقع ہو اور اس روز ملاقات نہ آئے تو اسکا رنج و غم اور احساس محرومی سے بھرا چہرہ ہمارے دلوں کو بھی رولا دیتا تھا۔ قیدی کے گھر والے سہولت کی غرض سے ملاقات کا دن طے کر لیتے تھے۔ چنانچہ میری ملاقات عام طور پر منگل کے روز آتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ رشتہ دار کسی عذر کی وجہ سے منگل کو نہیں آسکے اور وسائل کی کمی وجہ سے پیشگی اطلاع بھی نہیں بھیج سکے۔ میں منگل کو صبح سے تیار ہو کر ملاقات کا انتظار کرتا اور ملاقات کے نام پکارنے والے کے پاس بھاگ کر جاتا اور میرا نام نہ سن کر ساری بشاشتیں اور مستعدی غائب ہو جاتی، .پیروں سے جان نکل جاتی اور بے بس و مجبور غمگین چہرا لیکر بڑی مشکل سے بیریک میں واپس جاتا تھا۔ دو روز پہلے سے ملاقات کا انتظار رہتا تھا۔ منصوبے بناتا تھا، ملاقات میں یہ کہوں گا وہ کہوں گا۔ ملاقات میں جاتے وقت راستے میں بھی کام کی بات دہراتا رہتا، لیکن جیسے ہی ملاقات روم میں داخل ہوتا، رشتہ داروں، اقرباء اور دوستوں اور محبوبوں کے چہرے دیکھتا تو سب بھول جاتا تھا۔ بس آپس میں خیر خبر اور ایک دوسرے کے چہرے تکتے رہنے میں ہی ملاقات کا یہ وقت ختم ہو جاتا تھا۔

بچوں کا مڑ مڑ کر دیکھنا اور تا حدِّ نگاہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے الوداعی اشارے کرنا اور گھر والوں کی ٹھنڈی آہوں اور بوجھل قدموں سے واپسی کا منظر ہمارے دلوں کو چھلنی کر دیتا تھا۔ اور یہی ملاقات جس کا بے صبری سے انتظار ہوتا تھا۔ ملاقات ختم ہو جانے پر ہمیں غمگین کر کے چلی جاتی تھی۔

جب تک ملے نہ تھے تو جدائی کا تھا ملال
اب یہ ملال ہے کہ تمنا نکل گئی

اور جہاں تک خط وکتابت کی بات ہے تو میں بلا مبالغہ یہ بات لکھوں گا کہ یہ وہ ٹانک اور دوا تھی جس کے ذریعہ اللہ رب العزت نے میرے دل ودماغ کو ثابت وسالم رکھا۔ اور الحمدللہ جیل کی تنہائیوں میں اسی کی برکت سے علم دین سے بھی کچھ مناسبت باقی رہی۔ لمبے چوڑے خطوط لکھتا تھا اور باصرار باہر سے جواب بھی طلب کرتا تھا جو نہ صرف میرے لئے سکون وتسلی کا ذریعہ بنتے تھے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ باہر میرے گھر والوں اور میرے ہمدردوں کے لئے بھی ہمت افزائی، حوصلہ افزائی اور مقدمہ سمجھنے میں مددگار ہوتے تھے۔ خوشی اور غموں کے موقع پر یہ خطوط تسلی کا سامان ہوتے تھے۔ میں یہاں ایک صاحب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہمارے محلے کے ایک صاحب رشید بھائی چھاوا کا یہ معمول تھا کہ ہر سال عیدین پر ہم مسلمان قیدیوں کو بڑی پابندی سے عید کارڈ بھیجتے تھے۔ یقیناً یہ بھی بڑی عزت افزائی کی بات تھی کہ کوئی تو ہمیں عید مبارک کہنے والا تھا، اللہ تعالی انہیں خوب جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ (آمین)

ملاقات کا طریقہ :

چنانچہ تاریخ 30/9/2003 منگل کے روز میرے گھر والے پہلی بار میری ملاقات کے لئے آئے۔ اسے فیملی ملاقات کہا جاتا ہے جسکی ترتیب یہ تھی کہ صبح 9:00 بجے جیل پر آکر ملاقات روم سے باہر ملاقات کا فارم بھرنا ہوتا تھا۔ ایک سے پانچ افراد تک کے نام لکھے جاتے تھے۔ انکی عمر، ملزم سے رشتہ، کاروبار، پتہ اور ملاقات کی غرض فارم میں لکھی جاتی تھی۔ اسکے بعد ہمارے گھر والوں کو 11:00 بجے دوبارہ بلایا جاتا اور عام قیدیوں کے بعد آخر میں ہمیں ملاقات دی جاتی تھی۔ تقریباً چار فٹ کی دیوار کے بعد وسط میں ایک فٹ کے فاصلہ پر دوطرفہ باریک جالی تھی، جالی کے اندر روم میں ہمیں کھڑا کیا جاتا اور باہر کی جانب ہمارے گھر والوں کو کھڑا کیا جاتا اور 20/25 منٹ ملاقات دی جاتی تھی۔ ہماری ملاقات سے پہلے .A.T.S.,I.B اور کرائم برانچ کو ہماری ملاقات کے فارم کی فوٹو کاپی (Xerox) روانہ کر کے انہیں اطلاع دی جاتی تھی اور ان ایجنسیوں کی زیر نگرانی ہمیں ملاقات دی جاتی تھی۔

پہلی ملاقات اور بیٹے کی فرمائش :

یہ پہلی ملاقات جسکا شدت سے انتظار تھا بڑی جذباتی رہی۔ میرے والد، میرے بچے، سلمان و دیگر لوگ تھے وہ میری قید دیکھ کر اور میں انکا غم دیکھ کر رو رہا تھا۔ بچوں سے میری گرفتاری چھپائی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ میں دوبارہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے گیا ہوں۔ میرا معصوم بیٹا معاویہ یہ پوچھ رہا تھا "ابو تم اس مدرسے میں کب تک رہوگے؟ گھر کب آؤگے؟ گھر آؤ تو میرے لئے کرکٹ کھیلنے کے لئے بیٹ لے کر آنا" وغیرہ فرمائشیں کر رہا تھا۔

میرے والد و سلمان وغیرہ اپنے غم و جذبات کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے مجھے تسلی دے رہے تھے۔ میں سمجھتا تھا کہ مجھ سے زیادہ تسلی کی ضرورت میرے والد، سلمان اور میرے گھر والوں کو تھی کیونکہ عدالتی حراست سے کم از کم مجھے وقتی طور پر اتنا سکون تو ضرور ہو گیا تھا کہ کرائم برانچ کے ناقابلِ بیان ظلم و تشدد اور ذہنی و جسمانی اذیتوں سے نجات مل گئی تھی جبکہ میرے گھر والوں کے لئے تو کرائم برانچ، عدالت اور جیل سب کچھ ہی مصیبت تھا۔ میں اپنے گیارہ سال تو کسی طرح ضرور بیان کرسکتا ہوں لیکن اپنے گھر والوں، دوستوں اور متعلقوں کی ایک گھڑی بھی بیان نہیں کرسکتا۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ میرے گیارہ سال کے مصائب انکی ذہنی اذیتوں اور جسمانی تھکاوٹوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

خیر جانبین سے روتے دھوتے حوصلہ اور تسلی کی باتیں ہوئیں اور میری یہ پہلی ملاقات ختم ہوگئی۔ اس کے بعد ابتداء کی کئی ملاقاتیں رونے دھونے اور جذبات کی نذر ہوگئی، آہستہ آہستہ حالات سے سمجھوتہ کرکے ملاقاتوں میں مقدمہ کی سنگینی پر سنجیدگی سے غور و فکر شروع کیا۔ ابتداء میں جو خوف و ہراس کا ماحول تھا اسکی وجہ سے لوگ ملاقاتوں میں آنے سے بھی ڈرتے تھے آہستہ آہستہ اسمیں بھی تھوڑی کمی آئی اور کچھ ہمدردوں، محسنوں نے بھی آنا شروع کیا۔ میرے اساتذہ و بزرگوں کی جانب سے بھی حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔

میرے گھر والوں اور دوستوں کو اب وکیل نامزد کرنے کی فکر سوار ہوئی اور جناب نور بیگ صاحب اور حسینی صاحب نے آر۔ کے۔ شاہ کو نامزد کیا۔ لیکن اس وقت پیسوں کا انتظام

نہیں تھا۔ اس عرصہ میں میں نے فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو ایک خط لکھا تھا۔ حضرت خط پڑھ کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا "ان مظلوموں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے" اور پھر جمعیۃ نے ہمارے مقدمے کی پیروی پر آمدگی ظاہر کی۔ کچھ عرصہ بعد ملاقات میں بھائی سلمان وغیرہ نے بتایا کہ جمعیۃ علماء ہند ہمارا مقدمہ لڑنے کے لئے تیار ہے۔ جمعیۃ نے میرے اور آدم بھائی کے لئے مسٹر آر۔ کے۔ شاہ (سنیر ایڈوکیٹ، سیشن کورٹ وہائی کورٹ گجرات)

مولانا عبداللہ، سلیم حنیف شیخ اور الطاف حسین کے لئے ایچ۔ این۔ جھالہ (سنیر ایڈوکیٹ سیشن کورٹ وہائی کورٹ گجرات) کو نامزد کیا۔ چاند خان کی جانب سے ہاشم قریشی، جاوید خان اور خالد بھائی پیروی کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ جناب منور حسین لالی والا، درشن شاہ، مشتاق سید، محمد علی سید، اعجاز قریشی وغیرہ حضرات بھی ہمارے دفاع کے لئے طے کئے گئے۔

دوہری مصیبتیں :

جیل میں ملاقات اور خط و کتابت جہاں آبِ حیات کا کام کرتی ہے۔ وہیں دو چیزیں بہت بڑی مصیبت سمجھی جاتی ہیں۔ (۱) بیماری اور (۲) اپنے اقرباء میں سے کسی کی موت کی خبر۔ بیماری کے علاج کے لئے اگرچہ ہسپتال کا نظام تھا مگر عیادت، تیمارداری، رشتہ داروں اور متعلقین کی جانب سے حوصلہ افزائی اور پرہیز کا کھانا وغیرہ چیزیں جو شفاء کے لئے دوا جتنی ہی اہم وضروری سمجھی جاتی ہیں ہم ان سے ہم محروم تھے۔ دوا تو میسر ہو جاتی تھی لیکن کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا تھا۔ عام قیدیوں کو تو کبھی کبھی سویل ہسپتال بھی بھیج دیا جاتا تھا۔ لیکن دفعہ 268 کی وجہ سے ہمیں حتی الامکان سویل نہیں بھیجا جاتا تھا۔ سخت بیماری کی صورت میں جیل عملہ اور ہائی کورٹ میں بار بار عرض کرنے پر ہمیں حفاظتی دستے کے ساتھ شاید ہی سویل ہسپتال جانا نصیب ہوتا تھا۔

۱۱رسال کے عرصے میں مجھے صرف تین مرتبہ سویل بھیجا گیا تھا۔

اپنے اقرباء میں سے کسی کی موت کی خبر سننے پر بھی ہماری حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی تھی۔ اسباب ووسائل کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوتی تھی اور اس وقت ہم مرنے والے کی بجائے اپنی بیچارگی پر زیادہ آنسو بہاتے تھے۔

انسپیکشن راؤنڈ

جیل کے نگرانِ اعلیٰ (Superintendent) یااس کے ماتحت اعلیٰ افسران انتظامی امور کی نگرانی اور قیدیوں کی عرض ومعروض سننے کی غرض سے روزانہ جیل کے مختلف شعبوں اور بارڈوں کا چکّر لگاتے تھے۔ قیدیوں کو اپنے شناختی کارڈ کے ساتھ صف بستہ کھڑا کیا جاتا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ ان کے احوال پوچھتے اور جیل قوانین کے تحت قیدیوں کے جائز مطالبات وعرضیں سن کر ضروری اقدام واحکامات جاری فرماتے تھے۔ اسے انسپیکشن راؤنڈ کہا جاتا ہے۔ ہائی سکیورٹی میں یہ راؤنڈ جمعرات کو آتا تھا. چنانچہ تاریخ 2-10-2003 جمعرات کو صبح ۱۰ بجے سارے قیدی اور اسٹاف مستعد و تیار ہو گئے۔ اس وقت کے سپرنٹنڈنٹ سنجیو بھٹ صاحب (I.P.S) تشریف لائے، قیدیوں کی عرضیں سنتے ہوئے میرے قریب آ کر رک گئے۔ کہنے لگے اکشر دھام مقدمہ میں ہو؟ میں نے کہا جی ہاں سر، لیکن میں بے قصور ہوں۔ کہنے لگے: میں سب کچھ جانتا ہوں لیکن میں مجبور ہوں۔ میرے اختیار میں آپ کی رہائی نہیں لیکن میں یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دونگا۔ یہاں کسی چیز کی ضرورت ہو، کوئی تکلیف ہوتو بتاؤ۔ میں نے اور اس مقدمہ کے دوسرے ساتھیوں نے کہا کہ صاحب ظلم وتشدد اور مار پیٹ کر کے ہم سے جبراً جرم قبول کروایا گیا ہے۔ ہم نے مار کے درد کی بھی شکایت کی اور عدالت میں اپنی کارگزاری لکھنے کے لئے کاغذات طلب کئے۔ بھٹ صاحب نے فوراً ہمیں بقدرِ ضرورت کاغذات دئے، اور ہم تمام کو جیل کی ہسپتال بھیج دیا۔ اور ڈاکٹر زویری صاحب سے ہماری میڈیکل جانچ کرنے اور پوری کارگزاری لکھنے اور ضرورت پڑنے پر سِوِیل ہسپتال بھیجنے کی تاکید کی۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے برہنہ کر کے سب کچھ چیک کیا اور مار کے نشانات اور حقیقت (History) لکھی اور ہمیں سِویل ہسپتال بھیجا گیا۔ چونکہ کرائم برانچ میں اطلاع دی جا چکی تھی اسلئے سِنگھل صاحب اپنے پورے قافلہ کے ساتھ وہاں استقبال کے لئے موجود تھے۔ پولیس ہیڈکواٹر سے ہمارے ساتھ بھیجے گئے حفاظتی دستہ کے کمانڈو کے ہاتھ سے گن لیکر ایم۔ڈی۔ چودھری نے ہماری پشت سے لگادی اور بڑی ہی بیہودہ

زبان میں کہا کہ بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ چھلنی کر دوں گا۔ اور گن کے سائے میں ہمیں ڈاکٹر کے پاس لیکر گئے۔

ونار اور آر۔ آئی۔ پٹیل نے وہاں بھی ہمیں دھمکیاں دینا شروع کی اور کہا کہ اگر ڈاکٹر کو کچھ بھی کہا تو تمہاری خیر نہیں۔ سنگھل صاحب نے کہا: اِنہیں جو کہنا ہے کہنے دو، ہم نے اپنا کام پورا کر دیا ہے، اب کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خیر یہاں بھی کرائم برانچ کا منحوس سایہ ہم پر مسلط رہا۔ ہمیں باری باری ڈاکٹر کے پاس پیش کیا گیا، جب مجھے پیش کیا گیا تو ایم۔ ڈی۔ چودھری اور دیگر کچھ حضرات ساتھ تھے، اُنہوں نے ڈاکٹر سے ہمارا تعارف کروایا کہ "یہ اکشر دھام مندر پر حملہ کرنے والے دہشت گرد ہیں"، یہ سنتے ہی ڈاکٹر صاحب بڑی بے رُخی سے پیش آنے لگے۔

الحمدللہ اب چونکہ واپس کرائم برانچ میں واپس نہیں جانا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے تھوڑی سی ہمت بھی دیدی تھی، میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ ڈاکٹر ہیں مجھے چیک کرنا، میری تکلیفیں سننا اور کیس پیپر میں لکھنا آپکا فرض ہے۔ اور میں دہشت گرد ہوں یا نہیں؟ اور اکشر دھام مندر پر حملے کی سازش میں ملوث ہوں یا نہیں؟ اِس کا فیصلہ مالک (اللہ تعالیٰ) ہی کرینگے، میں اپنے مالک سے سچائی بے نقاب کرنے کی دعاء کرتا ہوں۔ بادلِ ناخواستہ ڈاکٹر صاحب نے چیک کیا اور کیس ہسٹری میں لکھا۔ اِسی طرح کا معاملہ سلیم بھائی کے ساتھ بھی پیش آیا، اُن کے پیر میں فیکچر پایا گیا لیکن بعد میں کرائم برانچ اور جیل اتھارِٹی کے ماتحتی افسران نے سازش کر کے اِن کاغذات اور ایکس رے پلیٹ کو بھی غائب کر دیا۔

پرمکھ سوامی سے ملاقات :

بھٹ صاحب کے تعاون سے میں نے اپنا انحرافی بیان خصوصی پوٹا عدالت و دیگر انسانی ادارں میں بھیج دیا۔ جس کا ذکر میں آگے کر چکا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ بھٹ صاحب ایک روز انسپیکشن راؤنڈ میں اکشر دھام مندر کے "پرمکھ سوامی" اور دیگر سنتوں مہنتوں کو بھی لیکر آئے، اور ان کے سامنے ہمیں پیش کیا اور کہا کہ انہیں اپنی روداد سناؤ، میں نے مختصراً اپنی روداد سنائی جس سے پرمکھ سوامی کافی متاثر ہوئے اور کہا :

ہم سے کیا امید رکھتے ہو؟ میں نے کہا صاحب! میرے مقدمہ کی .C.B.I جانچ کا مطالبہ کر کے آپ ہمارا تعاون کیجئے۔ اگر .C.B.I جانچ میں ہم قصوروار ثابت ہوں تو ہمیں پھانسی لگا دینا، بس یہ سنکر وہ چلے گئے۔

رمضان المبارک کی آمد کی تیاری تھی، رمضان المبارک سے قبل راؤنڈ میں جناب بھٹ صاحب نے کہا کہ رمضان المبارک میں جو لوگ چھوٹا چکر جانا چاہتے ہیں اپنا نام، نمبر چٹی پر لکھوا کر اپنا بستر و سامان لے لو۔ میں، مولوی عبداللہ صاحب، آدم بھائی، سلیم بھائی، الطاف بھائی و دیگر کچھ حضرات تیار ہو گئے اور الحمدللہ اس روز سے رہائی تک اللہ تعالی نے ہائی سکیورٹی کی سختیوں اور تنگیوں سے نجات عطاء فرمادی۔ (جیسا کہ میں نے پہلے ہی لکھا ہے کہ کرائم برانچ سے آنے والے کے لئے یہ یقیناً سکون کی جگہ ہے، لیکن جیل میں رہنے والے عام قیدیوں کے لئے یہ جہنم ہے۔)

میرے قیدی ساتھی

ہائی سکیورٹی سے نکال کر ہمیں چھوٹا چکر ۴ آفز میں منتقل کر دیا گیا، یہ پالٹی فارم کی شکل کی ایک بڑی بیریک تھی، تقریباً تین فٹ کی دیوار کے بعد اوپر تک لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ بجز انما اس عمارت میں اندر ہی استنجاء کے لئے ۳ بیت الخلاء تھے اور نہانے دھونے کا انتظام تھا۔ یارڈ بھی بڑی کشادہ تھی جس میں کھلی بندی کے دوران والی بال، کرکٹ وغیرہ کھیلنے کی بھی گنجائش تھی، یہاں ہم سے قبل ہی ۵۰/۴۰ دوسرے قیدی تھے، جن میں بہت سے متعارف چہرے بھی نظر آئے، کچھ لوگوں کا بعد میں تعارف ہوا۔

جن میں چند قابل ذکر حضرات یہ ہیں: (۱) عزیزم استاذی حضرت مفتی طاہر سورتی صاحب (۲) رفیق بھائی .R.D (۳) گلال بھائی (۴) مفتی سعید اکبر حیدر آبادی (۵) مولانا احمد حسین منصوری (۶) منور بیگ (کپتان) (۷) افضل خان (بابو) (۸) اطہر پرویز بھائی (۹) ریحان پوٹھا والا (۱۰) پرویز شیخ (۱۱) ریاض عرف گورو (۱۲) حافظ یوسف صاحب منیار (۱۳) ادریس خان (۱۴) ظہیر (۱۵) محمود رضا شاہ وغیرہ (۱۶) حاجی فاروق (۱۷) طارق وغیرہ۔

ان حضرات کے علاوہ دیگر بہت سے بھائیوں کے ساتھ عید کے بعد مختلف موقعوں پر ملاقات ہوئی، جن میں محمد خان، فیروز for U، حمید خان، یونس خان، حارث، جنید، رفیق وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات نے بڑی ہمدردی اور محبت کا اظہار کیا اور اپنی رہائی تک برابر میری ہمت وحوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ ان حضرات کے ساتھ ملاقات کے بعد جیل اور آسان محسوس ہونے لگی اور تعارف وکارگزاری، مسائل، کھیل کود اور ہنسی مذاق میں وقت آسانی سے گذرتا رہا۔

الحمد للہ یہ سارے ہی حضرات میری رہائی سے بہت قبل رہا ہو چکے تھے، اب صرف میرے چار ساتھی (۱) جناب حنیف بھائی پاکٹ والا (۲) انس ماچس والا (۳) کلیم کریمی اور (۴) حبیب ہَوا باقی رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالی جلد از جلد ان کے لئے بھی عافیت اور باعزت رہائی کے فیصلے فرمائیں، (آمین)

جیل میں رمضان المبارک کی آمدِ برکت

4 آفٹر میں منتقل کئے جانے کے دو، تین روز بعد ہی اپنے بے شمار انوارات وبرکات اور اَن گنت فضائل کے ساتھ رمضان المبارک کی آمدِ باسعادت ہوئی، میں سمجھتا ہوں کہ عام مسلمانوں کے لئے ماہِ مبارک باعثِ خیر وبرکت ہے ہی لیکن قیدیوں کے حق میں یہ مبارک مہینہ کچھ زیادہ ہی خیر کا باعث ہوتا تھا۔ یہاں کی درودیوار، یہاں کے ماحول حتیٰ کہ افسران کے قلوب پر بھی اس کا اثر صاف محسوس ہوتا تھا۔ جیل قوانین اور جھڑتی کے معاملے میں بھی بڑی نرمی اور چشم پوشی سے کام لیا جاتا تھا۔ واللہ میں نے اِس مبارک مہینہ میں قید خانہ میں دسترخوان پر وہ نعمتیں دیکھی اور کھائی ہیں جو میں نے باہر نہیں کھائی تھی اور بیشمار غریب مسلمان باہر آزاد ہوتے ہوئے اُن نعمتوں سے محروم ہیں۔

قیدیوں کو کھانا کھلانا

رمضان المبارک کی یہ بیشمار نعمتیں کہاں سے آتی تھی؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں دعا فرمائی تھی: یااللہ ! میرے اِن قیدی بھائیوں کو باہر کی لذیذ نعمتوں سے آشنا اور باہر کی خبروں سے واقف رکھنا۔

بس یہ یوسف علیہ السلام کی دعاء کی برکت سمجھئے کہ اِس چہار دیواری کے بیچ بھی اللہ تعالیٰ اپنی بہترین ولذیذ ترین نعمتوں سے نوازتے رہے۔

شہر احمد آباد کے مشہور تاجر و خدمت گزار مرحوم موسیٰ بھائی پٹیل برسہا برس رمضان المبارک میں قیدیوں کے لئے پھل ودیگر ضروریات مہیہ کرنے کی خدمت انجام دیتے رہے۔ پورا مہینہ دوڑ بھاگ کر کے اہلِ خیر حضرات کے تعاون سے اِتنی زیادہ مقدار میں پھل بھیجتے کہ ہماری ہی نہیں بلکہ بہت سے غیر مسلم قیدی بھائیوں کی بھی ضرورت پوری ہوجاتی تھی ،تاریخ 11-12-2005 کو ہمارے جناب موسیٰ بھائی اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور خوب جزائے خیر عطاء فرمائے۔ (آمین)

مرحوم موسیٰ بھائی پٹیل کے بعد اب اُن کے بیٹے جناب داوٗد بھائی اور بھتیجے جناب الیاس بھائی یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اِن حضرات کی یہ بے لوث خدمات کو قبول فرما کر بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ (آمین)

حصول جنت کا آسان عمل :

قیدی کو کھانا کھِلانا، اُس کی ضرورت پوری کرنا یہ معمولی نیکی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ابرار (جنتی لوگوں) کے اوصاف بیان کیے

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوراً(5) عَيْناً يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيراً (6) يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْماً كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيراً (7) وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً (8)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنت میں لے جانے والے اعمال اور جنت کی نعمتوں کا

بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے منجملہ اعمال واوصاف کے یہ بھی بیان فرمایا کہ (یہ نیک لوگ) اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ قیدی کو کھانا کِھلانا بھی حصولِ جنت کا باعث ہے، اور یہ عام ہے مسلم، غیر مسلم تمام قیدیوں کو شامل ہے، بلکہ مفسرین نے تو یہ لکھا ہے کہ آیات کے نزول کے وقت مسلم قیدی تھے ہی نہیں، غیر مسلم قیدی کے ساتھ یہ سلوک کرنے پر اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت سنائی ہیں، اور اسیران بدر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا مشفقانہ سلوک اِس امر کی تائید کرتا ہے۔

سوچئے غیر مسلم قیدی کے ساتھ احسان کرنے پر اللہ تعالیٰ اِتنا نواز رہے ہیں تو مسلمان قیدی پر احسان کرنے، کھانا کھلانے، اُس کی ضروریات پوری کرنے اور اُس کی رِہائی کی کوشش کرنے پر کیا اجر وثواب عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

علاوہ ازیں ابتداء میں ہمارے گھروں سے ٹیفن بھی آجاتے تھے۔ اور کبھی کبھی بعض نعمتیں وہم وگمان کے خلاف بھی میسر ہو جاتی تھی۔

حضرت خبیب بن عدیؓ اور حضرت زید بن دثِنہؓ کے واقعہ میں لکھا ہے کہ مطعم بن عدی کے رشتہ داروں کے یہاں قید کے زمانے میں اللہ تعالیٰ انہیں انگور کِھلاتے تھے۔ جبکہ اُس دور میں مکہ میں انگور کا نام ونشان نہیں تھا۔

من حیث لا یحتسب :

میں نے قید خانہ میں پالنپور کے ایک غریب مسلمان کو دیکھا ہے، جیل میں چھتوں کے نلیے درست کرنے کی مزدوری کرتے تھے، ایک روز چھت پر نلیے درست کرتے ہوئے ساتھی سے کہنے لگے بڑا عرصہ ہوا مچھلی نہیں کھائی ہے، پھر دعاء کی: یا اللہ مچھلی کِھلا دے۔ واللہ ابھی چند سیکنڈ بھی نہیں گذرے تھے کہ ایک چیل اُڑتے ہوئے اُن کے سر سے گذری اور اپنی چونچ میں پکڑی تقریباً ایک فِٹ لمبی مچھلی اُن کے قریب گرا کر چلی گئی۔ اِس طرح کے اور بھی مُشاہدات ہیں۔ بہر حال قید خانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے گھر کے کھانے اور اپنی نعمتوں سے محروم نہیں رکھا۔ 26-3-2009 تک برابر گھر کا کھانا نصیب ہوتا رہا۔ اس کے بعد بھی میری رہائی تک اللہ تعالیٰ اپنی لذیذ ترین نعمتوں سے مالا مال فرماتے رہے۔

فکوا العانی

(قیدیوں کو چھڑاؤ)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرتاً آزاد پیدا فرمایا ہے۔ایک آدمی اپنی مرضی سے ایک چھوٹے سے کمرے میں برسہا برس تنہائی کی زندگی ضرور بسر سکتا ہے، لیکن یہی شخص کسی کے حکم پر ایک لمحہ کی بندش برداشت نہیں کرسکتا، اسی لئے اسلام نے بہت ہی شاذ و نادر معاملات میں (قیدی کی بھرپور رعایت وحقوق کی پاسداری کے ساتھ) اگر چہ قید کی اجازت ضرور دی ہے، لیکن قید و بند اور غلامی کی تائید کبھی نہیں کی۔قرآن پاک میں کفارہ کے بیان میں اسی طرح متعدد احادیث میں غلاموں کے آزاد کرنے کی تاکید وفضیلت نظر آتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ نے اپنی حیاتی میں 29237 غلام آزاد کیے۔

قید و بند کی مصیبت غلامی سے زیادہ سخت ہے۔غلام تو کسی طرح آزاد فضا کی سانسیں لے سکتا ہے۔ قیدی کو تو آزاد سانسیں بھی میسر نہیں۔یہی وجہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ بڑا مشفقانہ معاملہ فرمایا اور معمولی فدیہ لے کر رہا کر دیا۔

حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے 80 کافر جو آپ پر اور آپ کے صحابہ پر شب خون کے ارادہ سے آئے تھے، گرفتار ہو گئے، آپ نے تمام کو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا۔ بنو المصطلق کے 100 خاندان کو امّ المومنین حضرت جویریہؓ سے شادی کی برکت سے معمولی فدیہ پر آزاد کر دیا۔

حنین کے موقع پر مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچانے والے قبیلۂ ہوازن اور ثقیف کے 6000 خونخوار قیدیوں کو بلا شرط و فدیہ کے رہا کر دیا، بنو قریظہ کے 1000 یہودیوں کو حضرت ثابت ابن قیسؓ اور امّ منذرؓ کی سفارش پر بلا شرط آزاد کر دیا۔بنو تمیم 11 مرد، 11 عورتیں اور تین بچوں کو حضرت عیینہ ابن حصن فزاریؓ نے قید کیا تھا ان کے قبیلے کے لوگوں کی درخواست پر آپ ﷺ نے تمام کو بلا فدیہ کے فوری طور پر رہا فرما دیا۔قیدیوں کو رہا کر دینا نہ صرف آپ ﷺ کا عمل تھا بلکہ آپ نے امت کو بھی اس کی خوب تاکید و تعلیم فرمائی چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے :

عن ابی موسیٰ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فکوا العانی یعنی الا سیر واطعموا الجائع و عودوا المریض

حضرت ابوموسی اشعریؓ بیان کرتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا قیدیوں کو رہائی دلاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو (بخاری شریف۔جلد2،صفحہ 292) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو رہائی دلاؤ۔ (بخاری شریف جلد 3، صفحہ 377) حضرت جابرؓ کی روایت میں ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تین کام ایسے ہیں کہ ایمان ویقین اور حسنِ نیت سے کیئے جائیں تو اللہ کے ذمہ یہ حق ہو جاتا ہے کہ اسکی مدد فرمائیں اور اس کام میں برکت عطا فرمائیں۔

(۱) جو شخص اللہ کی ذات پر یقین اور حسنِ نیت کے ساتھ کسی قیدی کو آزاد کرنے کی کوشش کریں (2) مردہ زمین کو زندہ کرے (3) شادی کریں (المعجم الوسیط)

قیدیوں کے تعاون کی صورتیں :

آج دہشت گردی کے جھوٹے الزامات میں بیشمار بے قصور مسلمان قیدوبند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں۔ ہر آدمی عدالتوں کے مصارف برداشت نہیں کرسکتا اور حصول انصاف کے لئے ہر کوئی سپریم کورٹ تک نہیں پہونچ پاتا۔

☆ **پہلی صورت:** ان مظلوم قیدیوں کی رہائی کے لئے کوشش کرنا اور قانوناً جائز اسباب میں تعاون کرنا امت کا فریضہ ہے۔کاش امت اسے بھی دین سمجھیں۔

☆ **دوسری صورت:** ہم قیدیوں کی رہائی کی کوشش نہیں کرسکتے۔وکیل اور قانونی اخرجات میں تعاون نہیں کر سکتے تو دوسرا درجہ اس کی اور اس کے گھر والوں کی ضروریات کا خیال کرنا اور کفالت کرنا ہے۔ چونکہ قیدخانہ صرف قیدی کے لئے نہیں بلکہ اس کے گھر والوں کے لئے بھی سزا ہے۔ بلکہ قیدی کے مقابلے میں گھر والوں کی ابتلا وآزمائش زیادہ سخت ہوتی ہے۔ مارے مارے پھرنا اور در۔در کی ٹھوکریں کھانا، معاشرہ کی لعن ،طعن اور شکوک وشبہات سے بھری نگاہوں کا برداشت کرنا، قیدی اور اسکے گھر والوں کے حوصلے اور ہمت پست کر دیتا ہے اور احساس کمتری میں

مبتلا کردیتا ہے۔ہاں کچھ مقدمات میں جمعیۃ علماء جیسی تنظیمیں وکیل کے اخراجات وفیس ضرور دیتی ہیں، لیکن گھریلو مصارف وضروریات تمام کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔قیدی کے ماں باپ بیوی بچوں کے اخراجات وضروریات کیسے پوری ہو؟ میں نے کئی ایسے غریب قیدی دیکھے جواپنے گھر کا واحد سہارا تھے ایک ہی آدمی کمانے والا تھا، بوڑھی ماں ہے باپ نہیں ہے، بچے چھوٹے ہیں، ماں اور بیوی بیمار ہیں، قیدی اپنے پیچھے کوئی خزانہ چھوڑ کر نہیں گیا اب اس کے گھر والوں کی کفالت کون کریگا؟ گودھرا والے کئی ملزمین ایسے دیکھے کہ ایک ہی گھر کے تینوں بھائیوں کو قید میں ڈال دیا، باپ اور دو بیٹوں کو قید میں ڈال دیا گیا۔ حتی کہ دفعہ 498 جہیز اور بیوی جلانے کے مقدمہ میں تو پورے پورے خاندان کو غلط طریقہ سے مقدمہ میں پھنسا دیا جاتا ہے۔پورا خاندان تتر بتر ہو جاتا ہے۔بچے مارے مارے پھرتے ہیں۔عدالت کے مصارف وگھریلو اخراجات مالدار وسرمایہ دار لوگوں کو بھی توڑ دیتے ہیں۔وہ بیچارے دنیا کے سامنے اپنی عزت ومقام کو برقرار رکھنے کی جدو جہد کرتے ہیں لیکن زبانِ حال سے آپ حقیقتِ حال معلوم کرسکتے ہیں۔ یہ حضرات آپ کے صدقات وخیرات اور آپ کی کفالت و ہمدردی کے زیادہ مستحق ہیں چنانچہ قرآنِ پاک میں ہیں:

للفقراء الذين أحصرو في سبيل الله لا يستطيعون ضربا في الأرض يحسبهم الجاهل أغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لا يسئلون الناس إلحافا. (صدقات خصوصیت کے ساتھ) ان حاجت مندوں کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں گھر کر رہ گئے ہیں زمین میں (کمانے کے لئے) کوئی کوشش نہیں کرسکتے انکی خودداری کی وجہ سے ناواقف شخص انہیں مالدار سمجھتا ہے آپ انکی پیشانیوں سے انہیں پہچان سکتے ہیں وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔

☆ **تیسری صورت:** آخری درجہ میں ہم امت کے ان مظلومین کے لئے دعاء تو کرسکتے ہیں۔ یاد رکھئے! دنیا کے کسی قانون میں دعاء کرنا گناہ نہیں ہے! ہم انکے لئے انفرادی، اجتماعی، تہجد کے وقت، جمعہ کے خطبہ کے وقت، حج، عمرہ میں، مقامات مقدسہ میں، رمضان میں افطار کے وقت، شب قدر کی تلاش میں، راتوں کی عبادتوں میں دعاء کریں۔اللہ کے رسول ﷺ قیدیوں کے نام لیکر دعاء فرماتے تھے۔

كان النبي ﷺ يدعو في القنوت اللّٰهم انج سلمة بن الهشام اللّٰهم انج الوليد بن وليد اللّٰهم انج عياش بن ابی ربيعه اللّٰهم انج المستضعفين من المؤمنين ۔

رسول اللہ ﷺ قنوت میں یہ دعاء فرمایا کرتے تھے: یا اللہ! سلمہ بن ھشامؓ کو قید سے نجات عطاء فرما۔ یا اللہ! ولید بن ولیدؓ کو رہائی عطاء فرما۔ یا اللہ! عیاش بن ربیعہؓ کو رہائی عطاء فرما۔ یا اللہ! تمام کمزور و مظلوم مسلمان قیدیوں کو رہائی عطاء فرما۔ (البخاری)

ہمارے آقا ﷺ جب ایک ایک قیدی کا نام لیکر دعاء کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں؟ ہم بھی دنیا بھر کے قید خانوں میں پھنسے ہوئے ہمارے بے قصور مظلوم بھائیوں کے لئے دعاء فرمائیں، اللہ تعالیٰ ان تمام کو جلد از جلد باعزت رہائی عطاء فرمائے۔ (آمین)

قید خانہ میں یہ میرا پہلا رمضان المبارک تھا، وہاں بھی الحمد للہ تراویح میں مکمل قرآن پاک سننے کی سعادت نصیب ہوئی استاذ محترم حضرت مفتی طاہر صاحب اور حافظ یوسف صاحب نے تراویح پڑھائی۔ حضرت مفتی طاہر صاحب جب تک جیل میں رہے رات میں نفل نماز میں روزانہ آٹھ، دس پارے پڑھنے کا معمول رہا، باہمت لوگ بشاشت کے ساتھ اسمیں بھی شرکت فرماتے تھے۔ بہر حال کمزور عبادتوں اور عمدہ کھانوں کے ساتھ رمضان مبارک گذر گیا۔ اور عید باسعید کا چاند نظر آ گیا۔

جیل میں عیدین

رمضان المبارک کے روزے اور مسلسل مجاہدوں کے بعد عید کی آمد جہاں سارے مسلمانوں کے لئے خوشیوں کا پیغام لیکر آتی ہے، ہر جگہ، ہر چہرہ پر خوشی ہی خوشی نظر آتی ہے، ہفتوں پہلے سے ہی عید کا انتظار اور اہتمام کیا جاتا ہے، بہترین لباس، عمدہ کھانے، بہترین چپل، اور دیگر لوازمات۔ اور پھر ان سب کے ساتھ ماں باپ، بیوی، بچے، بھائی، بہن، دوست، احباب اور عام مسلمانوں کے ساتھ عید کی مبارک بادیوں کا تبادلہ اور خوشیوں کا بانٹنا عید کی فرحت وشادمانی کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

وہیں قید خانے میں عید کی آمد ہمارے دل کے بوجھ کو بڑھا دیتی تھی۔ دل کے زخم تازہ ہوجاتے تھے ماں باپ بیوی بچے، رشتہ داروں اور دوست واحباب سے جدائی اور فراق کا بڑی شدت سے احساس ہوتا تھا۔ احساسِ غلامی دل کو غمگین اور آنکھوں کو اُبلتا ہوا چشمہ بنا دیتی تھی۔ عید کی نماز تو کسی طرح ادا کر لیتے، قیدی بھائیوں سے مصافحہ، معانقہ اور مبارکبادیاں بھی ہوجاتیں لیکن اس وقت اپنے ٹوٹے دل اور مجروح جذبات پر کنٹرول کرنا بڑا مشکل ہوتا تھا۔ ہماری آہ و زاری اور ہچکیاں وسسکیاں آسمان کو رُلا دیتی تھی۔ کھلی بندی کا وقت تو ملاقاتوں میں، کھانے، پینے اور ایام خالیہ کی نعمتوں اور آزاد فضاء کی راحتوں کی یاد اور جگالی کرنے میں گذر جاتا تھا۔ لیکن دوپہر میں ۳ ربجے بعد جب عید اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ تفریح گاہیں خوش وخرم چہروں اور بچوں کی معصوم کلبلاہٹوں سے جگمگاتی ہیں۔ آزادی وخوشی کا بھرپور لطف اٹھایا جاتا ہے۔ عین اس وقت ہمیں بیریکوں میں بند کر دیا جاتا تھا۔

ہائے! میں اس وقت کی دلی کیفیت اور اپنی محرومی کو کیسے بیان کروں؟ میں نے اکثر قیدیوں کو دیکھا بندی میں سر سے پیر تک کفن نما سفید چادر اوڑھ لیتے اور اپنے گرم آنسوؤں سے بستر تر کرتے رہتے تھے۔ انکی سرد آہیں اور کھولتی ہانڈی کی طرح کی آواز ان کے چھپے ماتم کی چغلی کردیتی تھی۔ حالانکہ ہمارے بھائی سلمان، نور بیگ، عظیم بھائی، غیاث الدین بھائی اور دیگر اہلِ خیر حضرات عید کی اس خوشی میں ہمیں شامل کرنے اور ہماری دلجوئی میں کوئی کمی نہیں رکھتے تھے۔ بڑے بڑے ٹفنوں میں شیر خرمہ، سموسے، کباب، اور قسم قسم کے لذیذ کھانے، عمدہ لباس اور قیمتی عطر بھیجتے تھے اور جیل کی جانب سے بھی شیر خورمہ دیا جاتا تھا۔ لیکن ان نعمتوں پر احساسِ غلامی غالب آجاتا تھا۔ ابتداء میں پہلی ہی عید کو جیل عملہ نے عمومی ملاقات دی تھی۔ جس کے نتیجہ میں بے شمار ہمدرد ملاقات میں چلے آئے تھے۔ عرصہ بعد ان چہروں کو دیکھ کر دل کے زخم اور گہرے ہوگئے۔ ۲۰۰۹ء تک عید کے روز ذاتی کپڑے پہننے کی اجازت تھی، لیکن ۲۰۰۹ء کے بعد ہمیں ذاتی کپڑوں سے بھی محروم کر دیا گیا اور عید کے روز بھی قیدی کپڑے پہننے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

خیر عید بھی گذر گئی اور عید کے تیسرے روز ہمیں چھوٹا چکر یارڈ نمبر ۵ میں بھیج دیا گیا، وہاں 5/1,5/2 دو یارڈ تھیں جس میں قطار بند چھوٹی چھوٹی ۸/۸ کھولیاں تھی، اور ٹہلنے اور کھیلنے کے لئے چھوٹا سا میدان تھا ابتداء میں مجھے 5/1 کھولی نمبر ۳ میں رکھا گیا۔ وہاں میرے ساتھ مولوی احمد حسین منصوری اور سکندر خان تھے۔ تقریباً ایک ہفتہ ان کے ساتھ رہنے کے بعد میں سامنے 5/2 کھولی نمبر ۲ میں منتقل ہو گیا۔ اس کھولی میں میرے ساتھ ریحان پوٹھا والا، ریاض عرفِ گورو، شاہنواز گاندھی اور پرویز شیخ تھے ان ساتھیوں کے ساتھ تقریباً ایک سال رہا۔

حفظ قرآن پاک کی دولت

الحمد للہ ۱۹۹۷ء میں افتاء کی تکمیل کے بعد شہر احمد آباد ہی میں مختلف اداروں اور مسجدوں میں امامت اور تدریس وافتاء کی خدمت کی۔ جمعہ میں حاجی بخی کی مسجد میں بیان بھی کرتا تھا لیکن حافظ نہ ہونے کا شدت سے احساس تھا، بارہا کوشش کے باوجود مشغولیت وسستی کی وجہ سے ارادہ کی تکمیل نہ ہو پائی۔ لیکن اب جیل میں فرصت ہی فرصت تھی، رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک سننے کے بعد حفظ قرآن کا شوق وجذبہ اور بڑھ گیا اور اللہ رب العزت کے فضل سے مکمل و پختہ ارادے کے ساتھ تقریباً ۱۲ ر شوال کے بعد حفظ قرآن کی ابتداء کی اور حضرت استاذی مفتی طاہر صاحب کو سنانا شروع کیا۔ مفتی طاہر صاحب نے یہ ترتیب بنائی کہ صبح بندی کھلتے ہی سبق سناتا پھر کچھ دیر کے بعد سبق پارہ سناتا اور دوپہر بندی کھولنے کے بعد دور سناتا تھا۔ سورۂ حجرات سے ابتداء کی۔ مغرب بعد، تہجد میں اور صبح نماز بعد سے بندی کھلنے تک میں سبق یاد کرتا تھا۔ صبح کو سبق سنانے کے بعد کچھ دیر سبق پارہ یاد کرتا تھا اور پھر دوپہر میں کھانے کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ قیلولہ کرنے کے بعد ایک بجے اٹھ جاتا اور ظہر کی نماز کے بعد بندی کھلنے تک دور یاد کرتا تھا۔ و لقد یسرنا القرآن للذکر... کی برکات اپنی آنکھوں سے دیکھی اور الحمد للہ چھ مہینہ کے عرصہ میں (ملاقات، عدالت میں ساعت، ٹینشن اور جمعہ کے دن کی چھٹیوں کے ساتھ) تاریخ

۱۱ ربیع الاول سے قبل اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حفظ مکمل ہو گیا۔ ختم قرآن کی تقریب پر حضرت مولانا حسین احمد عمر جیؒ گودھرا والے کی صدارت میں ہماری یارڈ ہی میں ایک چھوٹا سا اجلاس منعقد کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا نے دعاء فرمائی اور ایک چھوٹی سی دعوت بھی کی گئی تھی۔ باہر بھی میرے گھر پر حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ، عزیزم مفتی امتیاز صاحب، مفتی یحیٰ صاحب، مفتی رضوان صاحب، جناب سلمان بھائی، نور بیگ بھائی اور میرے چچا وغیرہ نے بھی دعاء اور دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ فجزاهم الله احسن الجزاء.

اسکے بعد 5/2 کی کھولی نمبر ے رمیں منتقل ہوا، وہاں میرے ساتھ حضرت مفتی طاہر صاحب، ایوب خان وغیرہ تھے۔ حضرت مفتی طاہر کے ساتھ بہت ہی آسانی سے وقت کٹتا رہا۔ قرآن پاک سنانے اور علمی استفادہ میں بہت سہولت ہوگئی میں انکے علم سے مستفید ہوتا اور وہ میری نادان شرارتوں سے محظوظ ہوتے تھے۔ آپ کو جتنا ہی ٹینشن کیوں نہ ہوتا میں اپنی جہالت وشرارت کے دو چار نمونے پیش کر کے انہیں خوش کر دیتا تھا۔ میں ان سے عرض کرتا حضرت بآوازِ بلند مسکرا دیجئے۔ کبھی کہتا جہراً تبسم فرما دیجئے۔ بس سارا غم وغصہ دور ہو جاتا اور اس وقت آپ کی "جہراً مسکراہٹ" دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔

دوسرے سال انکے ساتھ تراویح میں قرآن پاک بھی سنایا۔ لال والا مقدمہ میں سزا کے بعد تیسرے سال حضرت حافظ یوسف صاحب کے ساتھ تراویح پڑھائی اور سزا ہونے تک اسی کھولی میں رہا۔ ہاں کبھی کبھی اکتاہٹ ہو جاتی تو حارث، افضل خان عرفِ بابو وغیرہ کی کھولی میں بھی بند ہو جاتا تھا۔ ابتدا میں جب سہولت تھی تو کبھی کبھی گودھرا بیرک میں اسی طرح حاجی مشتاق کی بیرک میں بھی بند ہو جاتا تھا۔

انفرادی واجتماعی اعمال اور دعائیں

ابتداء میں اجتماعی اعمال بھی خوب ہوئے۔ اجتماعی اعمال کے بعد ساتھیوں کو دعا، کرانے کا موقع دیا جاتا تھا۔ دعاء میں لوگوں کے مختلف مزاج اور نرالے انداز تھے۔ ہمارے یہاں " کڈی" کے ایک صاحب جعلی نوٹوں کے مقدمے میں تھے۔ وہ اپنی دعاء میں اللہ تعالیٰ کو جیل کے سات دروازے گناتے اور کہتے یا اللہ! ہماری بیریک کا دروازہ، یارڈ کا دروازہ، سرکل کا دروازہ، چکر کا دروازہ، بڑا چکر کا صدر دروازہ، جھڑتی روم کا دروازہ، اسکے بعد صدر دروازہ کا داخلی دروازہ اور آخر میں صدر دروازہ اور کھڑکی۔ یا اللہ یہ ساتوں دروازے کھول دے اور مجھے ابھی، اسی وقت، فوراً، تاتکالک، ارجنٹ، امیجیٹلی رہائی عطاء فرما دے۔ فوری رہائی کے لئے بھی سات الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اور واقعۃً وہ بہت جلد رہا بھی ہو گئے! کاٹھیاواڑ کے ایک صاحب ان الفاظ میں دعاء کرتے "یا اللہ میرے رات کے گناہوں کو معاف فرمادے"۔ ایک مرتبہ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ صرف رات کے گناہوں کی بخشش کیوں چاہتے ہو؟ دن کے گناہوں کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتے؟ کہنے لگے: بھائی! میں باہر چور تھا، رات میں چوری کرتا تھا اور دن میں سو رہتا تھا۔ اسلئے دن میں تو گناہوں کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

حضرت مفتی طاہر صاحب کی نگرانی میں ختمِ خواجگاں، آیتِ کریمہ، یا حلیم یا علیم یا علی یا عظیم کا ورد (۱۱ لاکھ ۱۵ ہزار مرتبہ)، درودِ ناریہ...

اللّٰھم صل صلوۃ کاملۃ وسلم سلاما تا ما علیٰ سیدنا محمد صلوۃ تنحل بہ العقد و تنفرج بہ الکرب و تقضیٰ بہ الحوائج و تنال بہ الرغائب و حسن الخواتم و یستسقیٰ الغمام بوجھہ الکریم وعلیٰ الہ وصحبہ فی کل لمحۃ و نفس بعدد کل معلوم لک (۴۴۴۴ مرتبہ) کا ورد ہوتا اور اجتماعی دعاء ہوتی تھی۔

اور درودِ تنجینا......

اللّٰھم صلی علیٰ سیدنا ومولانامحمد وعلیٰ الہ سیدنا و مولانا محمد صلوۃ

تنجینا بها من جمیع الاھوال و الآفات وتقضی لنا بها جمیع الحاجات وتطھرنا بها من جمیع السیأت وترفعنا بها عندک اعلیٰ الدرجات وتبلغنا بها اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیات وبعد الممات اِنک علیٰ کل شئ قدیر. (۷۰؍مرتبہ)

فبراہ اللّٰہ مما قالوا و کان عند اللہ وجیھا (۱۰۰؍مرتبہ) اوردعائے انسؓ(فجراور مغرب کی نماز کے بعد) بسم اللہ لایضر مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم. (فجراور مغرب کی نماز کے بعد۳؍۳؍مرتبہ)

اسی طرح روزانہ ۴۰؍مرتبہ سورۂ یاسین شریف کا ورد کرتے تھے. ان اوراد اور وظائف کے علاوہ حضرت اقدس مولانا افتخار الحسن کاندھلوی دامت برکاتہم نے قرآن پاک کی آیتِ کریمہ إنا کفیناک المستھزئین. روزانہ رات میں ایک ہزار مرتبہ پڑھنے کے لئے کہا تھا،اس پرعمل کرتے تھے۔

عدالت میں ہماری پیشی کے روز بھی بڑے اہتمام سے لوگ اجتماعی اعمال ودعاؤں میں شرکت فرماتے اور ہمارے لئے ،ٹفن بم والوں کے لئے ، گودھرا والے مظلومین کے لئے اور پورے عالم کے مسلمانوں کیلئے دعائیں کی جاتی تھیں۔ ایامِ بیض کی روزوں کی بھی توفیق ہوجاتی تھی۔اسی طرح پیراور جمعرات کے روزے بھی ہوجاتے تھے۔بہرحال گندے دل وبرے اعمال کے باوجودالحمدللہ ٹوٹی پھوٹی نیکیوں کے ذریعہ اللہ تعالی کوراضی کرنے کی کوشش کرتے اوراللہ تعالیٰ کی رحیم وشفیق،حلیم وبردبارذات ہمارے ان مطلبی اوروقتی اعمال کوبھی ضائع نہ فرماتی ان اعمال کی مقبولیت واجروثواب توانشاءاللہ آخرت میں تو ملے گا ہی ہم قیدخانہ میں بھی ان اعمال کے انوارات وبرکات کومحسوس کرتے تھے الحمدللہ لوگ رہا ہوتے گئے اورآخر میں ہم آٹھ ساتھی پوٹا میں رہ گئے تھے۔

خصوصی پوٹا کورٹ کا ججمینٹ

تاریخ 30-6-2006 کو ہمارے ججمینٹ کی تاریخ دی گئی۔ہم لوگ اور ہمارے پوٹا کے تمام ساتھی بہت خوش تھے۔اول تو جھوٹا مقدمہ تھا اور پھر الحمدللہ اسباباً ہمارے وکیلوں نے دفاع بھی اچھا کیا تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا مقدمہ ہمارے حق میں چلا ہے۔اسلئے رہائی یقینی نظر آرہی تھی۔

اسلام نے سزاؤں اور حدود میں جو پیارا اصول بنایا ہے کہ الحدود تندرء بالشبہات (یعنی) شک وشبہات کی وجہ سے سزائیں معاف ہوجایا کرتی ہے۔ یہی نظریہ ہمارے ملک کے قوانین میں بھی ہے کہ ملزم کو شک کا فائدہ دیا جائے اور اس سلسلے میں ہمارے ملک کے انصاف پسند ججوں نے یہاں تک کہا ہے کہ سو مجرم بچ جائے اسکا کوئی غم نہیں لیکن ایک بے قصور کو سزا نہیں دی جاسکتی۔

یہاں تو ایک شبہ نہیں بلکہ شک وشبہات کی بھرمار تھی۔ان افسران نے طاقت کے نشے میں ارادۃً وخیانتا اور ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی میں بے شمار غلطیاں کی تھیں جو آگے مختلف مرحلوں پر بیان کی گئیں۔

اسلئے ہم لوگ بہت خوش تھے کہ انشاءاللہ آج رہائی ہوجائے گی، کچھ ساتھی تو عدالت میں جانے سے پہلے ہی" آپ تو آج رہا ہونے والے ہو اب آپ کو ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے؟" کہتے ہوئے میری بہت سی چیزیں اور سامان بھی لیکر چلے گئے تھے۔

تاریخ 30-6-2006 کی صبح ہمارے تمام ساتھیوں نے اجتماعی اعمال اور دعاء کی، اگلے روز شام میں اور آج صبح سویرے حفاظتی عملہ کے ڈوگ اسکوڈ وغیرہ نے آکر ہماری یارڈ کی چیکنگ کی اور پھر صبح تقریباً 10:30 بجے ہمیں جیل عملہ کے حفاظتی دستے کی نگرانی میں جیل سیٹنگ کورٹ میں پیش کیا گیا۔ وکیلوں سے ملاقات کے بعد ہمیں عدالت میں لے جاکر بٹھادیا گیا۔ کچھ رسمی کاروائی کے بعد عدالت نے ٹائپ مشین کی خرابی کی وجہ بتا کر اگلے روز یعنی 1-7-2006

کو ججمینٹ کا اعلان کیا۔ پھر دوسرے روز ہم اسی طرح عدالت پہونچے۔ حفاظتی عملہ کے علاوہ میڈیا وغیرہ کے بھی بہت سے افراد تھے۔ عدالت نے اپنی کاروائی شروع کی۔ ہم تمام چھ افراد کو اس جرم کا مرتکب قرار دے کر مجھے، آدم بھائی اور چاند خان کو پھانسی کی سزا سنائی، سلیم حنیف شیخ کو عمر قید (تا موت)، مولوی عبد اللہ صاحب کو ۱۰ر سال قید با مشقت، اور الطاف ملک کو ۵ر سال قید بامشقت کی سزائیں سنائی۔ اور ہم تمام پر جرمانہ بھی عائد کیا۔

سزا سن کر عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ میرے کچھ ساتھی مارے غم کے رونے لگے۔ انکی حالت دیکھ کر میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ ہم نے باہم تسلی دی۔ اور الحمد للہ اذان پڑھ کر ظہر کی نماز بھی بڑے اطمینان سے اداء کی۔ لمبی چوڑی کاروائی اور خانہ پوری ہونی تھی اسلئے عصر و مغرب بھی وہیں اداء کی۔ سزا سن کر میں نے جذبات میں آ کر کہا کہ: "انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ تمام ظالموں کی پکڑ فرمائیں گے۔" میری بات سن کر وہاں موجود کرائم برانچ کے آفسر P.I. اگروات صاحب دم بخود رہ گئے اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کچھ دیر تک وہ بات نہ کر سکے۔ افاقہ کے بعد انہوں نے کہا مفتی صاحب کیا میں نے آپ کے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی؟ میں نے کہا نہیں۔ تو کہا پھر مجھے بد دعاء کیوں دی؟ میں نے کہا: معاف کرنا، میں جذبات میں بہہ گیا تھا۔ میرا مقصد آپکو بد دعا دینا نہیں ہے۔ یہ سن کر انہیں سکون ہو گیا اور انہوں نے یہ کہا کہ آپ صبر کرنا، آپ پر جنہوں نے ظلم کیا ہے مالک کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا۔ اسکے بعد انہوں نے P.I. اے۔ اے۔ چوہان کی عبرت ناک موت کے حالات سنائے۔ میں نے کچھ لوگوں سے سنا تھا کہ مجھ سے گناہ قبول کروانے کے لئے انکاؤنٹر کا ڈرامہ کرنے والے یہ صاحب بستر مرگ پر خود اپنے گناہوں کا اقرار فرما رہے تھے۔ (واللہ اعلم)

اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائیں۔ (آمین)

جب ہمیں پھانسی کی سزا سنائی گئی تو سنگھل صاحب نے فاتحانہ انداز میں ہاتھ بلند کر کے اپنی اس عظیم کامیابی کا جشن منایا۔ انہیں کہاں معلوم تھا کہ موت و حیات کے فیصلے اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔ ۸ر سال تک پھانسی کی سزا کے تحت موت کے سائے میں رہنے والے باعزت بری

ہو گئے اور سنگھل صاحب کا بیٹا جو موت کے سائے سے بھی بظاہر کوسوں دور تھا خودکشی کرلی! جیل میں ایک مرتبہ ان سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ سنگھل صاحب نے اگر چہ ہماری پھانسی پر جشن منایا تھا۔ میں نے ان سے کہا دیکھئے آپ نے مجھ پر ظلم کیا۔ یہ میرا اور آپ کا معاملہ ہے لیکن مجھے آپ کے بیٹے کی خودکشی کا رنج ہے۔ وہ شرمندہ ہو گئے۔ میں نے انہیں تسلی دی اور کہا فکر مت کرنا اللہ تعالیٰ سب اچھا کر دینگے۔ اور میرے لائق کوئی کام ہو تو ضرور کہنا۔ انہوں نے بھی کہا کوئی کام ہو تو مجھے کہنا۔ اس وقت سپریم کورٹ میں ہمارا مقدمہ زیر سماعت تھا۔ چنانچہ میں نے کہا صاحب اگر آپ میرے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو ایک کام کر دیجئے۔ میرا مقدمہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ یہ آخری مرحلہ ہے، اگر آپ کو مالک (اللہ) کا خوف ہے اور ضمیر کی آواز ہے تو آپ سپریم کورٹ میں حلفیہ بیان (Affidavit) لکھ کر دے دیجئے کہ میں نے غلط مقدمہ بنایا ہے اور یہ حضرات بے قصور ہیں۔ تو کہنے لگے یہ تو نہیں ہوسکتا۔ پھر کہا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ بے قصور ہیں۔ اور پھر سارا الزام بنجارا کے سر تھوپ دیا۔ البتہ انہوں نے ایک بات بالکل صحیح کہی کہ بنجارا تو اس مقدمہ میں تمہارے دوستوں اور بہت سے بے قصور مسلمانوں کو بھی پھنسانا چاہتا تھا لیکن میں نے بڑی مشکل سے اسے اس ارادے سے باز رکھا تھا۔ پھر کہنے لگے کہ آپ یہیں سے رہا ہو جاتے لیکن ذیلی عدالتوں پر "اوپر" سے دباؤ تھا۔ اسی لئے ہائی کورٹ نے آپ کا ججمینٹ ۲ سال سے زیادہ عرصے تک روکے رکھا تھا۔ لیکن آپ بے فکر رہو، سپریم کورٹ سے آپ (انشاء اللہ) رہا ہو جاؤ گے۔

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے میری رہائی سے قبل ہی کچھ لوگوں سے تو انتقام لے لیا، بعضوں کو ڈھیل دی ہے اور ڈھیل دینے کے بعد کا انتقام انشاء اللہ زیادہ سخت ہوگا۔ اِن بطش ربک لشدید. میں نے اپنے والد محترم کی ایک پیشین گوئی اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے دیکھی۔ میرے والد اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے کہ جن لوگوں نے میرے بیٹے کو قید میں ڈالا ہے وہ خود مقدمات میں قیدی بن کر اندر جائیں گے، اسکے بعد میرا بیٹا رہا ہو جائیگا۔ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے انکی بات رکھ لی۔ لیکن افسوس! میری رہائی دیکھنے کے لئے آج وہ حیات نہیں ہے۔

پھانسی کی سزا سنائے جانے کے بعد میں نے اپنے وکیل سے کاغذات لیکر اپنے گھر والوں اور دوستوں کے نام صبر، تسلی اور ہمت افزائی کا خط لکھا اور چونکہ سنیچر کے روز سزا سنائی گئی تھی پیر کے روز ملاقات میں آنے کے لئے لکھا۔

پیر کے روز کی اس ملاقات میں تھوڑا رونا دھونا بھی ہوا اور اسکے بعد ہائی کورٹ میں اپیل اور وکیل کے تعلق سے بات چیت ہوئی، پوٹا کورٹ سے پھانسی کی سزا سنائے جانے کے بعد دوستی و ہمدردی کا دم بھرنے والے بہت سے اپنے بھی بیگانے ہو گئے۔ بہت سے مسائل، پریشانیاں اور تقاضے از سر نو کھڑے ہو گئے۔ میرے دوستوں کو ہائی کورٹ کی فکر سوار ہوئی۔ یہ حضرات ہائی کورٹ میں وکلاء کی نامزدگی اور فیس کے لئے تعاون کی درخواست لے کر ایک صاحب کے پاس گئے۔ انہوں نے یہ کہتے ہوئے کسی بھی طرح کی امداد کرنے سے صاف انکار فرما دیا کہ "اب تو آپ مجرم ثابت ہو چکے ہیں۔ اور ہم مجرموں کی پیروی نہیں کرتے۔" لیکن الحمدللہ! اللہ رب العزت نے یہاں بھی ہمارے ہمدرد و محسن کھڑے کر دئے اور جناب اویس بھائی سریش والا، مختار بھائی پوٹھا والا وغیرہ نے ہائی کورٹ میں ہمارے دفاع کے لئے بمبئی کے مشہور وکیل جناب عبدالمجید میمن صاحب کو نامزد کیا۔ اور انکے ساتھ تعاون کے لئے جناب پرویز میمن صاحب اور جناب اعجاز قریشی کو طے کیا گیا اور الطاف بھائی نے ایچ۔ این۔ جھالہ کو نامزد کیا۔ چاند خان کی جانب سے جاوید خان پٹھان، خالد بھائی اور ایل۔آر۔ پٹھان صاحب نے دفاع کیا۔ اور تاریخ 31-07-2006 کو ہماری جانب سے اپیل داخل کی گئی۔ سامنے گجرات سرکار نے بھی ان سزاؤں کی تائید و توثیق کے لئے کنفرمیشن اپیل داخل کی اور مختلف تاریخوں پر مختلف بینچوں کی جانب سے NOT BEFORE ME (ہم نہیں چلائینگے) کئے جانے کے بعد آخرکار جسٹس ریکھا دوشت اور جسٹس کے۔ ایم۔ ٹھاکر کی بینچ میں سماعت ہوئی۔

دس کھولی

پوٹا کورٹ کی جانب سے سزا سنائے جانے کے ایک روز بعد دوبارہ ہماری انگلیوں کے نشانات لئے گئے اور دیگر قانونی کاروائی کے بعد ہمارے ذاتی کپڑے، بستر وغیرہ جمع کر لئے گئے اور ہمیں دس کھولی منتقل کر دیا گیا۔ دس کھولی یارڈ جیل کی بلند فصیل سے بالکل قریب تھی۔ فصیل سے متصل ہی باہر کی جانب اسٹاف کواٹرس تھا۔ یہاں باہر کی دنیا کی آوازیں بھی آتی تھی۔ پہلی مرتبہ جب یہاں ہم نے کتے کی آواز سنی تھی ہم اس پر بھی خوش ہوئے تھے اور میں نے اور انس ماچس والا نے مارے خوشی کے معانقہ کیا تھا! دس کھولی کو بھی جیل کے عام یارڈ وطبقات کی بہ نسبت زیادہ سخت سمجھا جاتا تھا۔ ہم سے پہلے جو لوگ یہاں مقید تھے ان کے متعلق سنا تھا کہ وہ جیل عملہ اور نگران کو دوران بندی بات چیت کے لئے بھی پیسے دیتے تھے۔ اور وہاں سے نکلنے کے لئے بھی بہت زیادہ رشوت دینی پڑتی تھی۔ لیکن اللہ رب العزت کا یہ فضل تھا کہ اس نے یہاں کی ساری سختیاں ختم فرمادی اور یہاں بھی بے شمار نعمتیں عطاء فرمائی۔ دس کھولی میں اول بڑی بیریک میں ہم پانچ اور دو نگران (واچمین) سمیت کل سات لوگوں کو رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ہمیں کھولیوں میں منتقل کر دیا گیا۔ ایک چھوٹی سی کھولی میں مجھے، آدم بھائی اور اقبال بھائی پٹیل کو رکھا گیا۔ یہاں ہمارے علاوہ حیدر آباد کے پوٹا کے ساتھی تھے۔ بعد میں ہرین پنڈیا والے ساتھیوں کو بھی سزا کے بعد یہیں منتقل کر دیا گیا۔ حضرت مفتی طاہر صاحب بھی بڑے چکر سے یہیں تشریف لے آئے تھے۔ تعلیم و تعلم، کھیل کود، ورزش اور ہنسی مذاق میں ساتھیوں کا وقت گذرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ہمیں دنیا بھر کی نعمتیں اور سہولتیں عطاء فرمائی تھیں۔ لیکن اسکی ناقدری ہوئی جسکے نتیجہ میں یہ ساری سہولتیں چھین لی گئیں اور جیل میں قتل اور سیٹی کا ایک سنگین حادثہ پیش آیا۔

بڑا چکر منتقلی

۲۷/مارچ ۲۰۰۹ کو سیٹی بجنے کے بعد جسکا میں نے آگے ذکر کیا ہے ہمیں دس کھولی سے بڑی ذلت ورسوائی کے ساتھ نہایت ہی بے سروسامانی کے عالم میں نکالا گیا اور دو تین ساتھیوں کو

ہائی سکیورٹی میں اور باقی ہم تمام کو بڑے چکر کی مختلف بیریکوں میں ڈال دیا گیا۔ مجھے بیریک نمبر 3/3 میں ڈال دیا گیا۔ یہاں میرے ساتھ مولانا احمد منصوری، اطہر پرویز بھائی اور اقبال بھائی پٹیل کے علاوہ اور بھی پندرہ بیس مسلمان تھے۔ الحمدللہ یہاں بھی نماز باجماعت ہوتی تھی سیکھنا سکھانا بھی ہوتا تھا قرآن پاک کے حفظ کے بعد یہیں پر میں نے فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت استاذی مفتی طاہر صاحب سے انگریزی سیکھنا بھی شروع کیا۔

یہاں کچھ مہینے گذرے تھے کہ ایک نہایت ہی متعصب افسر ویاس صاحب کو ہمارا باجماعت نماز پڑھنا اور اجتماعی اعمال و دعائیں کرنا اچھا نہیں لگا اور انہوں نے ہم تمام کو مختلف بیریکوں میں منتقل کر دیا اور ہندو اور مسلمان قیدیوں کو اس طرح خلط ملط کر دیا کہ دونوں کو اپنی اپنی عبادت و مذہبی رسومات میں خلل ہوتی تھی۔ اسی آفسر نے مجھے ہائی کورٹ کے ججمینٹ سے کچھ روز پہلے پوچھا تھا کہ تو کس مقدمہ میں ہے؟ میں نے کہا اکشر دھام مقدمہ میں ہوں۔ اس پر اس نے اچانک اپنے تیور بدل دئے اور دھمکی بھرے انداز میں کہا کہ "یاد رکھنا عدالت چاہے تجھے رہا کر دے لیکن تو ہماری تحویل سے زندہ نہیں جا سکے گا۔"

ہندو قیدیوں کا سلوک

قید خانہ کی سلاخوں کے پیچھے گیارہ سال میں میرے خلاف کوئی بھی شکایت نہیں تھی۔ جیل قوانین کی حتی الامکان پاسداری کی تھی۔ یہاں تک کہ جب جیل میں نرمی ہوتی تھی۔ لوگ ادھر ادھر ٹہل سکتے تھے۔ اس وقت بھی میں گھر ملاقات اور وکیل ملاقات کے علاوہ بہت کم یارڈ سے باہر نکلتا تھا۔ حتی کہ بغیر شدید ضرورت کے میں ہسپتال بھی نہیں جاتا تھا۔ آپ کو شاید تعجب ہوگا کہ گیارہ سال رہنے کے بعد مجھکو مشکل سے چند گنتی کے افسران و قیدیوں کے نام معلوم تھے۔

میں ہر قیدی سے گھل مل کر رہتا تھا، شاید آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ ان گیارہ سالوں میں کبھی بھی کسی ہندو قیدی کے ساتھ میری کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ کبھی کسی ہندو قیدی نے میرے ساتھ غلط سلوک یا بدتمیزی نہیں کی تھی۔ چونکہ سارے ہی لوگ جانتے تھے کہ یہ بلکل غلط مقدمہ

ہے۔اور مجھے جھوٹا پھنسایا گیا ہے۔ وہ لوگ بھی عزت و احترام اور بڑی ہمدردی سے پیش آتے تھے۔ وہ لوگ بھی کہتے تھے کہ انشاء اللہ چھوٹ جاؤ گے۔ بہت سے ہندو میرے پاس تعویذ اور پانی پڑھانے کے لئے آتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اپنے ذاتی اور گھریلو مسائل میرے سامنے پیش کرتے اور الحمدللہ میں حسب استطاعت انکے مسائل حل کرنے میں مدد کرتا تھا۔ بہت سے پاگل قیدی بھی تھے وہ بھی چائے پانی و دیگر چھوٹی چھوٹی ضروریات لیکر آتے اور الحمدللہ انکی ضرورت پوری ہونے پر وہ پاگل بھی مجھے باعزت رہائی کی بشارت دیتے رہتے تھے۔ ایک واقعہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

بڑا چکر بیریک چار آفٹر میں عام طور پر پاگل قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔ جن میں بچپن بھائی نامی ایک پاگل قیدی تھا۔ بہت ہی زیادہ پڑھا لکھا تھا۔ میں نے اسکو دیکھا وہ یارڈ میں گھومتا پھرتا گجراتی اخبار تلاش کرتا، گجراتی پڑھتا اور اسکا انگریزی زبان میں بالکل صحیح صحیح ترجمہ کرتا تھا۔ اس نے میری رہائی سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے مجھے صبح ٹہلتے ہوئے بلایا اور کہا مسٹر کون سے مقدمہ میں ہو؟ میں نے کہا اکشر دھام مقدمہ میں ہوں۔ یہ سن کر مسکرایا اور کہنے لگا: فکر مت کرو باعزت بری ہو جاؤ گے۔ اور پھر میں اسکے منہ سے ایک بالکل صحیح بات سن کر حیران رہ گیا، کہنے لگا اکشر دھام حملہ باہر سے آئے ہوئے دو فدائین نے کیا تھا اور اس پورے مقدمہ اور سازش میں احمد آباد کے مسلمانوں کی کوئی شرکت نہیں تھی۔

عام ہندو تو درکنار، قومی فسادات کے مقدمات میں قید ہونے والے بھی مجھ سے بڑے احترام سے پیش آتے۔ بہت سے لوگ مقدمہ اور وکیل کے متعلق مشورہ کے لئے بھی آتے تھے۔

سپرنٹنڈنٹ و جیل عملہ

ان ۱۱ر سالوں میں جیل میں کئی سپرنٹنڈنٹ تبدیل ہوئے جنکا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

(۱) جناب سنجیو بھٹ صاحب (I.P.S.) :

نہایت ہی رحم دل و انصاف پسند آفسر تھے۔ ہماری جیل کسٹڈی کے وقت یہی سپرنٹنڈنٹ تھے۔ انہوں نے قانونی طور پر ہماری بہت مدد فرمائی تھی جن کی تفصیلات

آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ گودھرا حادثہ کے وقت I.B میں تھے۔ گجرات فسادات کولیکران کا حکومت سے اختلاف بھی ہوا۔ لیکن افسوس کسی نے اس مردِ حق کا ساتھ نہیں دیا۔ جیل میں قیدیوں کے ساتھ بہت رعایت ورحم نظر سے پیش آتے۔ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے قیدیوں کو بہت سی سہولیات فراہم کی جس پر انکا تبادلہ کردیا گیا تھا۔

(۲) انکے بعد کچھ دنوں کے لئے جناب بھابھور صاحب جو سینیر جیلر تھے انہیں یہ چارج دیا گیا انکے بعد جناب ایل۔ وی۔ کھراڈی کو سپرنٹنڈنٹ بنایا گیا۔ چونکہ جیل پولیس ہی سے تھے اسلئے جیل چلانے کی بڑی مہارت رکھتے تھے۔

(۳) ایس۔ پی۔ جاڈیجا صاحب (I.P.S.) :

کئی خوبیوں اور اوصاف کے مالک تھے۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی طرح رات کے اندھیرے میں قیدیوں کے حالات وضروریات معلوم کرنے کے لئے تنِ تنہا نکل پڑتے تھے۔ یہ صاحب گھریلو اعتبار سے بہت پریشان اور ٹینشن میں رہتے تھے۔ انکے دور میں جیل میں ایک بہت ہی مشہور چیتن بیٹری قتل کا حادثہ ہونے کے بعد ان کا تبادلہ کردیا گیا تھا اور اسکے کچھ عرصہ بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

(۴) جناب بنیٹ صاحب (I.P.S.) :

لمبے اونچے نہایت ہی خوبصورت اور بارعب شخص تھے۔ اردو زبان کے بڑے دلدادہ تھے۔ جب بھی راؤنڈ میں آتے حضرت استاذی مفتی طاہر صاحب سے کہتے کہ اردو بڑی پیاری زبان ہے۔ میں آپ سے اردو سیکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن مشغولی کی وجہ سے وقت نہیں نکال پاتے تھے۔ تقریباً چھ ماہ بعد رٹایر ہوگئے تھے۔

(۵) جناب چندر شیکھر راؤ صاحب (I.P.S.) :

مارچ ۲۰۰۹ میں جیل میں ایک قتل کا حادثہ ہونے کے وقت یہ نئے نئے سپرنٹنڈنٹ

تھے۔ اسلئے انہوں نے ساری سہولیات ختم کردی اور بڑی سخت پابندیاں عائد کردی تھی۔ اسلئے عام قیدیوں کی نگاہ میں یہ بڑے سخت افسر تھے لیکن میرے ساتھ ان کا رویہ بڑا ہمدردانہ رہا۔ ایک مرتبہ راؤنڈ میں انہوں نے میرا تعارفی کارڈ دیکھا۔ میرا نام اور پھانسی کی سزا پڑھ کر پوچھا کس مقدمہ میں ہو؟ میں نے کہا اکشر دھام مقدمہ میں ہوں۔ تو بغور میرا چہرہ دیکھ کر پوچھا اپیل کی ہے؟ میں نے کہاں جی ہاں۔ پوچھنے لگے فی الحال مقدمہ کس مرحلے پر ہے؟ میں نے کہا ہائی کورٹ میں ججمنٹ باقی ہے۔ کہنے لگے باہر کیا کرتے تھے؟ میں نے کہا سر میں بالکل بے قصور ہوں۔ میں مدرسہ پڑھاتا تھا۔ اور مسجد میں امامت کرتا تھا۔ بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے ٹھیک ہے، اگر کوئی تکلیف ہو تو کہنا۔ ہائی کورٹ سے سزا برقرار رہنے پر ایک بار پھر میں انکے سامنے پیش ہوا تھا۔ اس وقت بھی بڑی ہمدردری کا اظہار کیا تھا۔ تقریباً ایک سال رہنے کے بعد ۲۰۱۱ء میں انکا تبادلہ ہوگیا۔

(۶) جناب پارگی صاحب (I.P.S.) :

بہت ہی نرم طبیعت اور بااخلاق آدمی تھے۔ قیدیوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ زیر ساعت قیدیوں کو "چھوٹے بھائی" اور سزایافتہ قیدیوں کو "بڑے بھائی" کے نام سے پکارتے تھے۔ قیدیوں کی ضروریات وتکلیفوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ راؤنڈ میں تمام کی عرضیں بہ غور سن کر ضروریات پوری فرماتے تھے۔ قیدیوں کے تعلق سے بڑے ہمدردانہ ومثبت خیال رکھتے تھے۔ ایک بار ہمیں بتایا کہ لوگ جیل کو منحوس جگہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے .I.P.S حضرات میں اگر کسی کا تقرر جیل میں ہو جائے تو اسے بہت برا سمجھا جاتا ہے اور جیل پر تبادلہ کی خبر سن کر انکے گھروں میں ماتم چھا جاتا ہے۔ لیکن میرا جیل پر تبادلہ ہوا تو میں بہت خوش ہوا تھا کہ "ان مصیبت زدہ لوگوں کے بیچ رہ کر انکی مصیبتیں، حالات ومجبوریاں جاننے اور انہیں مدنظر رکھ کر اپنی اصلاح کرنے کا موقع ملا ہے۔"

وہ کہتے تھے کہ باہر کے آزاد لوگوں کی بنسبت میں قیدیوں کو کم گنہگار سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہاں کی چار دیواری میں بہت سے ایسے گناہ ہیں جنہیں قیدی چاہتے ہوئے بھی نہیں کر سکتا۔ قیدیوں کی خیر خواہی کرنا، انکی ضروریات پوری کرنا نیکی سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حتی الامکان کھانا درست کرنے کی بھی بہت کوشش کی۔ تزکیۂ باطن اور اصلاح معاشرہ کے بڑے حامی تھے۔ مختلف موقعوں پر مختلف مذاہب کے رہنماؤں کے بیانات و اصلاحی پروگرام رکھتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کی جانب سے حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب دامت برکاتہم و دیگر علماء و دانشوروں کے بھی پروگرام رکھے گئے تھے۔ قیدیوں کی صحت اور انہیں فکروں سے آزاد رکھنے کے لئے یوگا، ورزش، لافنگ کلب (Laughing Club) اور دیگر بہت سے تفریحی پروگرام بھی رکھتے تھے۔ ہندو مسلم تہواروں پر قیدیوں کی خوشی میں شرکت کرتے تھے اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کھانے کی دعوت و دیگر تقریبات کی بھی اجازت دیتے تھے۔ چنانچہ انکے زمانے میں عیدین کے موقع پر الحمدللہ بہترین دعوتیں بھی ہوئیں۔ ۲۰۱۲ء میں جیل میں مبینہ سرنگ حادثہ کے بعد ان کا تبادلہ کر دیا گیا۔

(۷) جناب بھگورا صاحب (I.P.S.) :

گودھرا سانحہ کے بعد فسادات میں "بلقیس بانو" مقدمہ میں یہ صاحب خود بھی بہ حیثیت ملزم جیل میں رہ چکے تھے، اسی سے انکی شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ الحمدللہ میرا ان سے زیادہ سابقہ نہیں ہوا۔ صرف میری رہائی کے روز ہی ان سے بات ہوئی تھی جسے میری رہائی کے عنوان میں ذکر کرونگا۔

پولیس اسٹیشن اور ہماری پولیس

انگریزوں نے ہمارے ملک میں پولیس ایکٹ بنایا تھا۔ جسکا واحد مقصد ظلم واستبداد کے ذریعہ ہندوستانیوں کے دل ودماغ سے وطن کی آزادی کا جذبہ اور تصور مٹا دینا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے پولیس کو انویسٹگیشن، انٹروگیشن اور ریمانڈ جیسے الفاظ کے تحت ظلم وتشدد کی کھلی آزادی دے رکھی تھی۔ یہاں اس دور کے انگریزی مظالم کو ذکر کرنے کا موقعہ نہیں۔ مختصراً آزادئ وطن کا جذبہ کچلنے لئے یہ پولیس فورس تیار کی گئی تھی۔ لیکن افسوس! انگریزوں کے جانے کے بعد اور ہمارا ملک آزاد ہونے کے بعد آج بھی عام ذہنوں اور خاص کر شریف لوگوں میں پولیس نے اپنی وہی انگریزی دور کی پہچان برقرار رکھی ہے کہ پولیس اسٹیشن وہ ہے جہاں سے گالی گلوچ کی آوازیں آتی ہو، جہاں کسی کو نہایت ہی بے رحمی سے مارا اپیٹا جارہا ہو، اسکی رحم کی بھیک پر گالی، اور اسکی آہوں اور سسکیوں کا جواب قہقہہ ہو۔ جہاں نہ صرف مدعیٰ علیہ ہی کی مار پیٹ کی جاتی ہے، بلکہ فریاد کرنے والا بھی وہاں کی نوازشات سے محروم نہیں رہتا۔ بلکہ یہ سنا ہے کہ عام طور پر فریاد کرنے والا ہی پہلے پولیس کی سختیوں کا شکار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ حتیٰ الامکان پولیس اسٹیشن جانے سے کتراتے ہیں۔ غنڈوں کی شرارت، دھاک دھمکی، فروتی، ہفتہ وصولی، بیٹیوں کی آبروریزی سب کچھ صرف اسلئے برداشت کر لیتے ہیں کہ انہیں پولیس اسٹیشن میں اس سے زیادہ کڑوا تجربہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ گھر میں عورت جل رہی ہے لیکن اس کے رشتہ دار اور پڑوسی اسے بچانے کی کوشش محض اس ڈر سے نہیں کرتے کہ پولیس انہیں بھی اس مقدمہ میں پھنسا دیگی۔ ایکسیڈنٹ اور حادثوں کے وقت لوگ مصیبت زدہ اور مجروحین کی صرف اسلئے مدد نہیں کرتے کہ پولیس جواب طلبی اور رپورٹ کے نام سے انہیں بھی پریشان کرے گی۔ اسکے علاوہ بھی آپ اپنے اطراف میں معاشرہ کے خلاف بے شمار حرکتیں دیکھیں گے جن کے خلاف لوگ صرف اسلئے آواز اٹھانا پسند نہیں کرتے کہ وہ لوگ پولیس کے چنگل میں پھنسنا نہیں چاہتے۔ جبکہ یہی انگریز جنہوں نے ہمیں پولیس اور پولیس اسٹیشن کا یہ بھیانک تصور دیا آج انکے ملکوں میں پولیس فورس نہیں بلکہ پولیس سروس ہے اور سنا گیا ہے وہ واقعۃً ایک خادم ہی کی طرح عوام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اندھوں،

بوڑھوں، بچوں، کو راستہ پار کروانا، کمزوروں کو سہارا دینا، گاڑی میں پیٹرول، ایندھن ختم ہو گیا اور قریب میں کہیں پیٹرول پمپ نہیں تو آپ کے لئے ایندھن کا انتظام کرنا اور دیگر بے شمار خدماتی کام کرنا ان کی پہچان ہے۔ اور ان سب کے باوجود گناہ حل کرنے اور گنہگاروں کو پکڑنے میں بھی کافی مہارت رکھتے ہیں۔ چونکہ انکے پاس اپنی صلاحیت، جدید تکنیکی آلات اور بے پناہ محنت ہے اور ساتھ ہی پولیس کے اچھے اخلاق و خدمات سے متاثر عوام کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔

جبکہ ہماری پولیس کے اخلاق تو آپ جانتے ہی ہیں۔ اسلئے شریف لوگ اور عوام الناس سے تو تعاون کی امید ہی بیکار ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ پولیس بذاتِ خود محنت اور اپنے دماغ کی صلاحیت اور نئی ایجادات کو سمجھنے اور استعمال کرنے کی بجائے اپنے مخبر حضرات ہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور یہ مخبر حضرات عام طور پر جھوٹی اطلاع دیتے ہیں، بے گناہ لوگوں کو پھنسا دیتے ہیں، ذاتی دشمنیاں بھی پوری کرتے ہیں، اپنی عزت بنانے کی راہ میں جو حائل ہو انہیں بھی ٹھکانے لگاتے ہیں۔ اور پھر یہ حضرات خود بھی کوئی دودھ سے دھوئے نہیں ہوتے بلکہ پولیس سے تعلقات کے نشہ میں جوا، شراب، غنڈہ گیری، فروتی، ہفتہ وصولی اور جبراً لوگوں کی املاک پر قبضہ کر کے یا سستے داموں سے املاک خرید کر بڑے بلڈر بن جانا۔ اور یہ سارے ناجائز کام ہوتے رہتے ہیں اور پولیس نہ صرف خاموش تماشائی بنی رہتی ہے بلکہ ان مخبرین کو باقاعدہ اس کی اجازت ہوتی ہے اور بسا اوقات ان ناجائز کاروباروں میں بعضے پولیس کی شرکت اور حصہ داری بھی ہوتی ہے۔

ان حضرات کی ایک غلیظ ترین اور شرمناک حرکت لکھتے ہوئے قلم لرز جاتی ہے۔ لکھنے کو دل نہیں چاہتا لیکن " نقل کفر کفر نہ باشد " کا اصول سامنے رکھتے ہوئے صرف اسلئے لکھ رہا ہوں کہ شاید توبہ کی توفیق ہو جائے۔ کچھ عرصہ جیل میں رہنے والے ایک مخبر صاحب نے اپنی ان گھنونی حرکتوں کا اس طرح اعتراف کیا، میں نے ان سے پوچھا فلاں صاحب کیسے آدمی ہے؟ کہنے لگے ہمارے ہی پیشے کے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا مطلب؟ تو کہنے لگے مخبری بھی کرتے ہیں اور چمڑے کا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا مطلب؟ تو کہنے لگے ہماری بہن، بیٹیوں کو خود بھی استعمال کرتے ہیں اور افسروں کی خوشنودی اور تقرب حاصل کرنے کے لئے انہیں بھی پیش کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

ہمارے ملک کی سپریم کورٹ نے بار ہا پولیس کی اس پورانی تصویر کو سدھارنے اور پولیس ایکٹ میں اصلاح کی بات کہی ہے۔

ہمارے ملک کے موجودہ P.M نے بھی ایک پولیس سیمینار میں اس درد کو محسوس کیا تھا۔حالانکہ ایسا نہیں ہے کہ سارا ہی پولیس عملہ خراب ہے۔اچھے اور ایماندار لوگ بھی ہیں جو اس سسٹم کی اصلاح چاہتے ہیں۔لیکن انکی آواز دب کر رہ جاتی ہے۔مجھے اچھی طرح یاد ہے A.T.S کے مسٹر و پول و جوئے اور مسٹر کے۔کے۔پٹیل اور دیگر کچھ افسران نے ہمارے خلاف اکثر دھام کا غلط مقدمہ بنانے سے انکار کر دیا تھا۔انکی ایمانداری پر یہ مقدمہ بنجارا صاحب کو دیا گیا جسے انہوں نے خوشی خوشی قبول کر لیا۔میں نے کرائم برانچ میں بھی کچھ ایماندار اور شریف ماتحت افسروں کو دیکھا تھا۔کشمیر کے سفر میں جب ان سے قریب ہونے کا موقع ملا تو انکی شرافت کو محسوس کیا۔ہمارے ساتھ تین P.S.I تھے تینوں بڑی ہمدردی سے پیش آتے تھے۔خاص کر ایک P.S.I صاحب جو ہندو تھے نہایت ہی نرم دل تھے، میری بہت حوصلہ افزائی فرماتے اور کہتے کہ سورۂ یاسین شریف قرآن پاک کا دل ہے اسکی تلاوت کرتے رہنا اور اللہ سے مدد مانگنا۔انشاء اللہ رہا ہو جاؤ گے۔ کشمیر کے سفر میں کشمیر پولیس، انڈین آرمی اور دیگر ایجنسیوں کے ایماندار افسروں کا ذکر آگے گذر چکا ہے۔ جیل سپرنٹنڈنٹ و عملہ جو اکثر با اخلاق اور رحم دل تھے۔ بلکہ ایک جیلر جناب شریمالی صاحب اور ہنومان دادا جیسے کچھ لوگ اتنے بھلے تھے کہ ہم لوگ آپس میں کہتے کہ یہ حضرات اگر مسلمان ہوتے تو یقیناً بڑے ولی ہوتے۔ شاید آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ گیارہ سال کے عرصہ میں مجھے سوائے ایک افسر (ویاس) کے کبھی کسی بھی ہندو آفسر نے تکلیف نہیں دی، سب نے ہمیشہ عزت و احترام سے دیکھا۔ہاں ایک مسلمان افسر نے ضرور تکلیف دی اور شرارت کا کوئی موقع نہیں چھوڑا۔کرائم برانچ میں بھی یہی ہوتا تھا۔عام طور پر ایک مسلمان افسر ضرورت سے زیادہ وفاداری کے اظہار کے لئے ظلم میں پیش پیش رہتا تھا۔

یاد رکھئے! وطن سے محبت، وفاداری، بے شک برحق و ضروری ہے لیکن بے قصوروں، بے بسوں اور کمزوروں پر ظلم کرنا، ظلم میں ساتھ دینا، جھوٹے اور غلط مقدمات بنانا ملک سے وفاداری نہیں بلکہ غداری ہے۔اور جن لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے

حضرات ایسی گھنونی حرکتیں کرتے ہیں انکے یہاں بھی انکا شمار وفاداروں میں ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بھی انہیں خوشامد خور اور چاپلوس کی حیثیت سے ہی دیکھتے ہیں۔ خسر الدنیا والآخرۃ۔

ان میر صادقوں کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیئے۔

پولیس اسٹیشن اور میرا تجربہ

رہائی کے بعد میرے موبائیل چوری کی شکایت کے سلسلہ میں کارنج پولیس اسٹیشن جانا ہوا۔ وہاں نہایت اکرام واحترام سے مجھے بیٹھنے کے لئے کرسی دی گئی اور بڑے مہذب انداز میں بات کی گئی۔ .P.I صاحب اور منشی صاحب کے اخلاق دیکھ کر اول تو مجھے غلط فہمی ہوئی کہ میں غلطی سے کسی ہوٹل یا دوکان (شورُوم) میں تو نہیں پہونچ گیا؟ لیکن نہیں، وہ پولیس اسٹیشن ہی تھا جس نے مجھے پولیس اسٹیشن کے متعلق اپنے نظریے پر نظر ثانی کے لئے مجبور کردیا۔ لیکن افسوس دریاپور پولیس اسٹیشن کے عملہ نے میری خوش فہمی دور کردی۔ الحمدللہ میری رہائی کے بعد میرا پاسپورٹ مجھے لوٹا دیا گیا۔ لیکن اس کی میعاد ختم ہو چکی تھی۔ میں نے تجدید کی درخواست کی۔ جس پر دریاپور پولیس اسٹیشن کو جانچ سپرد کی گئی۔ میں نے انہیں ججمینٹ کا پی اور صوبہ گجرات اور کرائم برانچ کی نظر ثانی کی اپیل (رویو پٹیشن) کے ججمینٹ کی کاپی بھی دی۔ ان حضرات کی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ مجھے کہنے لگے یہ تو انگریزی زبان میں ہے۔ میں نے کہا : یہ سپریم کورٹ کا ججمینٹ ہے جو انگریزی ہی میں ہوتا ہے۔ کہنے لگے: ہمیں تو انگریزی نہیں آتی۔ آپ ہی پڑھکر سنا دیجئے اس میں کیا لکھا ہے؟ میں نے انہیں ججمینٹ کے کچھ اقتباسات پڑھکر سنائے۔ کہنے لگے اسکا گجراتی نہیں ہوسکتا؟ میں نے کہا میں اسکا گجراتی ترجمہ کر رہا ہوں۔ تو کہنے لگے اسکی ایک کاپی ہمیں ضرور دینا۔ خیر مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کی اور ہفتہ بھر مجھے کھیل لگاتے رہے۔ اور آخر کار یہ رپورٹ لکھ بھیجا کہ **"مذکورہ شخص اکشر دھام مقدمہ کا ملزم ہے، ۱۱ رسال سابرمتی جیل میں رہ چکا ہے اور سپریم کورٹ نے اس کو باعزت رہا کر دیا ہے۔ اسکے باوجود ہم اسے پاسپورٹ دیئے جانے کے حق میں نہیں ہے۔"**

سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد بھی ان حضرات کی ذہنیت اور سوچ کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟؟؟

میرے والد و دیگر متعلقین کی غم ناک وفات

گیارہ سالہ اس لمبے عرصہ میں اگر چہ میری دنیا منجمد تھی لیکن باہر کی دنیا اپنی سرعت ورفتار سے چلتی رہی۔ شب و روز کا تغیر اپنے ساتھ بے شمار تبدیلیاں لاتا رہا۔ بچے جوان ہو گئے۔ جوان ادھیڑ اور ادھیڑ بوڑھے ہو گئے۔ اور بوڑھے اپنی آخری منزل کو کوچ کر گئے۔ بہت سے قریبی و متعلقین دنیا سے رحلت فرما گئے جو اپنے پیچھے اپنی یادیں اور میرے دل پر غم کا ایک اثر چھوڑ گئے اور میں انکی نماز جنازہ میں بھی شرکت سے محروم رہا۔

چنانچہ تاریخ 30-5-2007 کو حضرت مفتی طاہر صاحب، حمید خان، ادریس خان، گلال بھائی وغیرہ نے میرے والد کے انتقال پُر ملال کی خبر سنائی۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

اِس المناک حادثہ کا میرے دل پر کیا اثر ہوا ہوگا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں، زندگی کا اکثر حصہ میں اپنے والدین کی صحبت سے دور رہا، اول ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۷ء تک 14 سال مدرسہ میں رہا، ۱۹۹۷ء میں فراغت کے بعد چار مہینہ جماعت میں گیا اور پھر 2000 میں کنڈلہ، نوکھی وغیرہ میں سیلاب آیا 2001، میں بھوج اور دیگر مقامات پر زلزلہ، 2002 میں گودھرا حادثہ اور اُس کے بعد کے فرقہ وارانہ فسادات میں خدماتی کاموں میں دوڑ بھاگ کی وجہ سے کبھی اطمنان سے اپنے والدین کے پاس بیٹھنے کا موقع نہیں ملا۔ ہاں کبھی کبھی ملاقات میں آتے، مجھے دیکھتے، مقدمے کے حالات سُنتے اور کبھی میرا ٹینشن دیکھ کر خاموش کھڑے رہتے، اور غمناک چہرہ لے کر واپس چلے جاتے تھے، کم از کم آج اُن کے انتقال پر میں آخری بار اُن کا چہرہ دیکھ لیتا، اُنہیں کاندھا دیتا، اُن کی جنازے کی نماز پڑھتا، اور اُنہیں قبر میں اتار کر اپنے آپ کو کچھ تسلی دے دیتا، لیکن افسوس!!! میں تجہیز و تدفین میں شرکت سے بھی محروم رہا۔

میرے ہمدردوں، میرے محسنوں سلمان بھائی، نور بیگ بھائی، غیاث الدین بھائی شیخ، محمد حسین بھائی ممّی، اختر بھائی (شِتل پمپ)، مختار بھائی وغیرہ نے بہت کوشش کی، .I.G میں گئے ہائی کورٹ گئے لیکن افسوس ہائی کورٹ نے کچھ بھی نہیں سنا اور یہ کہہ کر کہ ''سخت مقدمہ'' ہے مجھے ایک گھنٹہ کی پیرول دینے سے بھی انکار کر دیا۔

پھانسی کے قیدی کو پھانسی لگانے سے پہلے آخری خواہش پوچھی جاتی ہے اور حتی الامکان اُس کی خواہش پوری کی جاتی ہے۔ جبکہ ابھی تو میری سزا یقینی نہیں تھی، ابھی ہائی کورٹ، سپریم کورٹ میں اپیل باقی تھی۔ میں اِس اعتبار سے ابھی صرف ملزم اور زیرِ سماعت قیدی تھا۔ کاش میری خواہش پوری کر دی جاتی!

معاف کرنا میں کسی بھی عدالت کی توہین کرنا نہیں چاہتا، مجھے سزا دینے والی پوٹا کورٹ کے جج جب سزا سنا کر جانے لگے اُس وقت بھی میں اُن کے احترام میں کھڑا ہوا تھا، لیکن سسٹم میں کہیں نہ کہیں خامی ضرور ہے، اس سسٹم کے شکار صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ بہت سے بیچارے غریب ہندو بھی ہیں۔ چنانچہ ہمارے .I.G.P جناب پی۔سی۔ ٹھاکور صاحب نے خود اِس بات کا اعتراف کرتے ہوئے ایک تقریب میں کہا کہ ایک آدمی واسی کو صرف -/50 روپیہ کی چوری میں 38 سال جیل میں گزارنے پڑے تھے۔ (گجرات ٹوڈے 2014-12-20 اتوار)

میں نے خود یہاں سابرمتی جیل میں ایک قیدی کو دیکھا 650 گرام ڈانگر کی لوٹ کے مقدمے میں اس کو 10 ؍سال جیل میں گذارنے پڑے تھے، اور ایسے تو کئی مقدمے دیکھے، بیوی نے خودکشی کی یا واقعتاً شوہر نے اُسے جلایا، لیکن اِس جرم میں ماں، بیٹی، بہن، دیورانی، جیٹھانی، پڑوسی اور پورے خاندان کو دفعہ 498 کے تحت سزا دے دی جاتی ہے، ایک صاحب اپنی بیوی کے ساتھ الگ رہتے تھے اور اُن کا بچہ عام طور پر اپنے دادا، دادی کے پاس رہتا تھا، میاں بیوی میں جھگڑا ہوا، بیوی نے خودکشی کر لی یا شوہر نے جلا دیا، اللہ بہتر جانے۔ لیکن ظلم کی انتہاء تو اس وقت ہوئی جب بیوی نے مرنے سے پہلے اپنے رشتہ داروں کے بہکاوے میں آکر اپنے آخری بیان (ڈائنگ ڈکلیریشن) میں اپنے خسر، ساس کا نام ڈال دیا، اور وہ دادا، دادی جو اپنے پوتے کو سنبھالتے، بچہ کو پیار کر کے اپنا جی بہلاتے تھے، اسکی تربیت کرتے تھے، انکی خدمت کا یہ صلہ ملا کہ آج وہ تقریباً ۱۳ ؍سال سے جیل میں ہیں، کمال یہ ہے کہ حادثہ کے وقت بھی پوتا اپنے دادا کے گھر تھا۔

ایسے کئی مقدمات ہیں جنہیں بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔

اسکے بالمقابل بہت سے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جو ۱۵/۲۰ مقدمات لیکر آتے، ان پر لوٹ کے، 307,302 اور اس قسم کے کئی سنگین مقدمہ ہوتے، لیکن یہ لوگ بڑے اعتماد کے ساتھ

کہتے "لوٹ والے مقدمہ میں ضمانت ہوگئی ہے۔آئندہ ہفتہ میں ۳۰۷ میں ضمانت ہو جائے گی، دوسرے ۴ مقدمہ میں آج ضمانت ہو جائیگی، ۲/مہینہ میں قتل والا مقدمہ پورا ہو جائیگا، تب تک دوسرے تمام مقدمہ بھی پورے کروالوں گا، اور فلاں تاریخ تک رہا ہو جاؤں گا" اور پھر انکی بتائی ہوئی ترتیب کے اعتبار سے ہی ضمانتیں ہوتی چلی جاتیں، مقدمات کی سماعت بھی ہو جاتی اور انکی بتائی ہوئی تاریخ تک وہ رہا بھی ہو جاتے تھے۔ ہم لوگ انہیں مذاق میں پوچھتے تھے کیا آپ براہ راست اللہ تعالی سے بات کرتے ہیں؟ ابتداء میں ایک صاحب کو میں نے دیکھا تھا، وہ عدالت میں جج صاحب کے سامنے کہتے کہ جج صاحب، اگر آپ مجھے رِہا کردوگے تو میں فلاں صاحب کا قتل کردوں گا۔ اسکے باوجود وہ مقدمہ چلنے پر رہا ہو گئے، حالانکہ بعد میں انہیں کا قتل ہو گیا تھا۔

ایک صاحب میرے ساتھ کھولی میں رہتے تھے، جب ان کو پہلی تاریخ پر جج کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا مجھے یقین نہیں ہوتا کہ آپ جج ہے، اور یہ عدالت ہے۔ جج صاحب نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگے یہاں "ستیا میو جیتے" لکھا ہوا نہیں ہے، اور انصاف کی دیوی نہیں، جج صاحب نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی اور کہنے لگے ہاں یار! تیری بات تو صحیح ہے، فوراً اسٹاف کو حکم دیا کہ یہاں "ستیا میو جیتے" لکھو اور انصاف کی دیوی لگاؤ، پھر دوسری تاریخ کی پیشی پر پھر اس نے کہا کہ ابھی بھی مجھے آپ پر اعتماد نہیں ہے، پوچھنے لگے اب کیا بات ہے؟ اس نے کہا گاندھی باپو کی تصویر نہیں ہے۔ پھر جج صاحب نے دیواروں پر نظر ڈالی اور اسٹاف کو گاندھی باپو کی تصویر لگانے کا حکم دیا۔

بالآخر مقدمہ چلنے پر جج صاحب نے اسے باعزت رہا بھی کر دیا۔ ہمارے یہاں ایک باپ اور اسکا ایک جوان بیٹا دونوں ایک ہی مقدمہ میں عمر قید کی سزا میں تھے، اسی بیٹے کی شادی کے عنوان پر باپ بیٹے نے پیرول (چھٹی) کی عرض کی، عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی مقدمہ کے دو یا زیادہ ملزمین کو بیک وقت پیرول نہیں دی جاتی، چنانچہ عدالت نے باپ کو تو شادی میں شرکت کے لئے پیرول دے دی، لیکن اس کے بیٹے کو پیرول نہیں دی جسکی شادی ہونی تھی!!! اور بھی بے شمار واقعات آئے دن ہوتے ہی رہتے ہیں۔ میں اس موضوع پر زیادہ تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔

بہرحال میں اپنے والد کے جنازہ میں شرکت نہیں کر سکا، میں نے جیل سے میرے چچا

محمد حسین یا سلمان کو جنازے کی نماز پڑھانے کی اجازت دے دی۔ ہم نے حضرت امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور میرے والد اور امت کے مرحومین کی حق میں دعائے مغفرت کی، میرے پوٹا کے ساتھی، گودھرا والے ساتھی، گینگ والے اور بہت سے میرے متعلق ہندو مسلم قیدی تعزیت کے لئے آئے، اپنی غم خواری، ہمدردی اور غم میں شرکت کا اظہار کیا اور میرا غم ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

تاریخ 2-4-2009 کو میرے محسن و ہمدرد دوست عزیزم حضرت مفتی امتیاز صاحبؒ کی وفات کی غم ناک خبر ملی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون موصوف کے مجھ پر بہت احسانات تھے، جن میں سے صرف ایک عظیم نیکی کا ذکر یہاں مناسب سمجھتا ہوں، میری ملاقات میں بھائی سلمان اور نور بیگ صاحب آتے، مقدمہ کے تعلق سے کبھی ان کے ساتھ سخت کلامی بھی ہوتی، انہیں ڈانٹنا، دھمکاتا، یہ لوگ ٹوٹے دل کے ساتھ مایوس وغمزدہ حضرت مفتی امتیاز صاحبؒ کے پاس پہونچتے تھے، حضرت مفتی صاحب انکی باتیں سن کر انکی ہمت افزائی وحوصلہ افزائی فرماتے، قیدی پر خرچ کرنے اور اسے آزاد کرنے کے فضائل سناتے، مفید مشورے دیتے اور ان کی بیٹری چارج فرمادیتے تھے۔ یہ ایک ایسی نیکی ہے جسکا کوئی ثانی نہیں ہوسکتا۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہم دونوں میں پہلے نمبر کے لئے بڑا تقابل رہتا، لیکن اللہ تعالی نے انہیں قبول فرما کر پہلا نمبر عطاء کر دیا۔ میری انکے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی۔

اسی اثناء میں امیر دعوت وتبلیغ حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ، امیر دعوت وتبلیغ حضرت اقدس مولانا زبیر صاحبؒ، میرے بڑے چچا جناب غلام نبی بھائی منصوری، میرے نانی محترمہ، میری ایک نہایت ہی ہمدرد، رشتہ دار خاتون خیرو ماں، حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اکرام صاحبؒ، حضرت مولانا واجد حسین صاحب دیوبندی (استاذ حدیث جامعہ ڈابھیل)، حضرت مولانا حسین احمد عمر جی (جو گودھرا مقدمہ سے رہا ہوئے تھے اور کچھ عرصہ بعد انتقال ہوگیا) اسی طرح قید خانہ کے ساتھی حضرت مفتی طاہر صاحب کی والدہ محترمہ، مولانا عبداللہ صاحب کی والدہ محترمہ، مولوی احمد حسین صاحب کے بھائی اور انکے علاوہ قید خانے میں اور باہر کی دنیا کے بہت سے متعلقین بھی رحلت فرما گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

قید کے آخری ایام میں میرے خالہ زاد بھائی محمد شیث کا آفریقہ میں اللہ کے راستہ میں انتقال ہوگیا، جو میرے لئے ایک مستقل آزمائش تھی، کیونکہ ان کے بھائی ادریس بھائی جو میرے بہت سے کام کاج سنبھالتے تھے، میرے گھر، میری والدہ کے لئے بہت بڑا سہارا تھے، اب وہ خود تنہا ہو گئے تھے اور انہیں سہارے کی ضرورت تھی۔

اللہ تعالی ان تمام کی بے انتہاء مغفرت فرمائیں، انکی قبر پر اپنی رحمت وانوارات نازل فرمائیں، قبر، حشر اور آخرت کی تمام منزلیں آسان فرمائیں، انکے پسماندگان کو صبر جمیل، اجر جزیل عطاء فرمائیں۔ (آمین)

گجرات ہائی کورٹ کا فیصلہ

"Truth Strenger Than Fiction"

گجرات ہائی کورٹ میں تاریخ 25-3-2008 سے مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی، ہماری جانب سے مجید میمن صاحب نے تین روز تک بہترین دلائل کئے، سامنے کرائم برانچ و حکومت کی جانب سے جناب جے۔ ایم۔ پنچال، کمل پنچال، اُمیش تریویدی وغیرہ پیش ہوئے، پنچال صاحب نے تقریباً ۲۰ / روز تک دلائل کئے۔ اور تاریخ 25-4-2008 کو دلائل پورے ہو گئے۔

ہائی کورٹ سے بھی ہمیں رہائی کی بہت امید تھی، اسلئے شدت سے ججمینٹ کا انتظار تھا لیکن افسوس ہائی کورٹ نے تقریباً ۲۶ / مہینے تک پتہ نہیں کس مصلحت کے تحت ہمارا ججمینٹ روکے رکھا اور بار بار ہماری جانب سے مینشن (یاد دہانی) کئے جانے پر آخرکار تاریخ 01-06-2010 کو اپنا ججمینٹ سنایا اور ہم تمام کی سزاؤں کو برقرار رکھا۔ پوٹا کورٹ، ہائی کورٹ کے ججمینٹ پر میں کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔ ان عدالتوں کے ججمینٹ کے نقائص وغلطیوں کو میرے قابل وکیلوں نے قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے بہترین طریقہ سے بیان کیا ہے، اور معزز سپریم کورٹ نے باریک بینی سے انہیں جانچ کر بڑی وضاحت سے تبصرہ کیا ہے۔

سپریم کورٹ آف انڈیا

جمعیۃ علمائے ہند (مولانا ارشد مدنی)

اور جمعیۃ علماء مہاراشٹر کا کردار

ہائی کورٹ نے تاریخ 1-6-2010 کو ججمینٹ دیا اور اسکے ایک ہفتے بعد سرٹیفائڈ کاپی ہمیں دی گئی۔ جس میں ہمیں اپیل کے لئے 60 روز کا وقت دیا گیا تھا۔ جس میں تعطیلات بھی شامل تھیں۔ اگر ساٹھ روز میں آپ پھانسی پر روک نہیں لا سکتے تو آپکی اُلٹی گنتی شروع ہو جائے گی۔ اول تو پھانسی کا خوف اور پھر مدافعت کی تدبیر کے لئے محدود وقت، یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو ویسے ہی آدمی کی عقل مفلوج ہو جائے کہ اب کیا ہوگا؟ لیکن اللہ رب العزت کا کروڑوں احسان ہے کہ اس عظیم ذات نے میرے دوستوں اور محنت کرنے والوں کو بڑا حوصلہ عطا فرمایا حضرت مفتی امتیاز صاحب کی وفات کے بعد عزیزم مفتی یحیٰ صاحب اور مفتی رضوان صاحب مقدمہ پر نگرانی رکھے ہوئے تھے۔ اور ان پر واجب الاحترام حضرت اقدس استاذ محترم مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم اور حضرت کے صاحب زادے عزیزم مفتی اسعد صاحب (مدظلہ العالی) کی پوری نگاہ و توجہات رہتی تھی۔

چنانچہ مفتی رضوان صاحب نے حضرت مولانا مفتی یوسف صاحب (امام وخطیب جامع مسجد، کھار، بمبئی۔ خلیفہ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم) سے رابطہ کیا۔ اس سے قبل سن 2008-2009 میں عزیزم حضرت مفتی رضوان صاحب سفرِ حج میں تھے۔ وہیں پر حرم شریف میں حضرت مفتی یوسف صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت ہمارے مقدمہ کا ذکر ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے استفسار پر مفتی رضوان صاحب نے بتایا تھا کہ فی الحال ہائی کورٹ میں ججمینٹ موقوف ہے۔ اس وقت حضرت مفتی یوسف صاحب نے بوقت ضرورت تعاون کی پیش کش کی تھی۔ اسکے بعد ۲۰۱۰ء میں حضرت مفتی یوسف صاحب کا راجستھان سفر تھا۔ راستے میں احمد آباد

قیام کے دوران حضرت مفتی رضوان صاحب سے پھر ملاقات ہوئی۔ اس وقت ہائی کورٹ سے ہمارا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اور میرے ساتھی سپریم کورٹ کی تیاری کو لے کر بڑے پریشان تھے۔ مفتی رضوان صاحب نے انہیں حالات سے آگاہ کیا۔ مفتی یوسف صاحب نے فرمایا کہ فلاں تاریخ کو آپ بمبئی آ جاؤ۔ چنانچہ عزیزم مفتی رضوان صاحب، نور بیگ اور بھائی سلمان بمبئی پہونچے۔ وہاں حضرت مفتی صاحب نے جناب گلزار اعظمی صاحب، مولانا مستقیم صاحب و دیگر اراکین سے ملاقات کرائی۔ ان حضرات نے بڑی بشاشت سے اس مقدمہ کی پیروی پر آمادگی ظاہر کی۔ اسی اثناء میں جامعہ ڈابھیل کے سالانہ اجلاس میں نمونۂ شیخ الاسلام، محسنِ ملت حضرت اقدس مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی تشریف آوری ہوئی۔ اس امر میں مزید تائید وتعاون کی غرض سے حضرت مفتی یوسف صاحب نے مفتی رضوان صاحب کو ڈابھیل جا کر حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب سے ملاقات و درخواست کرنے کے لئے کہا۔ چنانچہ یہ حضرات ڈابھیل پہونچے۔ وہاں حضرت کے سامنے یہ درخواست رکھی گئی۔ حضرت مفتی احمد صاحب کی سفارشات بھی شامل تھی۔ حضرت مولانا ارشد صاحب نے اسی وقت فرمایا: ٹھیک ہے۔ ہم اس مقدمہ کی پیروی اور اخراجات برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔ اب یہ بتلائیے وکلاء آپ طے کرینگے یا ہم اپنے طور پر طے کر لیں۔ مفتی رضوان صاحب نے کہا حضرت ہم سوچ کر جواب دیتے ہیں۔ فرمایا ٹھیک ہے۔ یہ حضرات مسجد میں آئے، دو رکعت نماز پڑھکر اللہ رب العزت سے خوب آہ وزاری کی۔ مسجد سے نکل رہے تھے کہ حضرت قاری احمد اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حضرت قاری صاحب نے پوچھا کیا ہوا؟ مفتی رضوان صاحب نے ماجرا بتایا۔ حضرت قاری صاحب نے فرمایا اللہ رب العزت کی ذات پر توکل کرتے ہوئے آپ حضرت کے تابع ہو جائیں۔ انشاء اللہ اسمیں خیر ہے۔ چنانچہ یہ حضرات حضرت مولانا سید ارشد صاحب کی خدمت میں پہونچے اور حضرت سے عرض کیا کہ حضرت آپ اپنے طور پر جو مناسب سمجھیں کریں۔ حضرت نے وہیں سے سپریم کورٹ کے وکیل جناب انیس سہروردی صاحب کو فون کیا۔ اور اس مقدمہ کی تیاری کرنے کے لئے کہا۔

اس وقت حضرت نے فرمایا تھا کہ ان حضرات کا مقدمہ لڑنا ہماری مغفرت کا ذریعہ بنے گا۔ انشاء اللہ۔ اس مقدمہ پر اگر ایک کروڑ روپئے بھی خرچ ہوں تو ہم دیں گے، اور پھر حضرت

نے بھی جمعیۃ علماء مہاراشٹر ہی سے ہمارے مقدمے کی پیروی کرنے کے لئے کہا۔ وہاں حضرت مولانا حلیم اللہ صاحب قاسمی (جنرل سیکریٹری جمعیۃ علماء مہاراشٹر) اور حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب کھار (خازن جمعیۃ علماء مہاراشٹر، خلیفہ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم) اور مرد مجاہد جناب گلزار اعظمی صاحب (سیکریٹری لیگل سیل، جمعیۃ علماء مہاراشٹر) وغیرہ حضرات جو پہلے ہی آمادگی ظاہر کر چکے تھے اب حضرت کے حکم پر بڑی بشاشت کے ساتھ اس مقدمہ کی پیروی و اسباب میں مشغول ہو گئے اور میرے ساتھیوں کو وکیلوں کے انتخاب و نامزدگی کے لئے دہلی روانہ کیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ اکثر بڑے وکلاء تعطیلات کی وجہ سے دہلی میں موجود نہیں تھے۔ تاہم میرے ان قابل فخر دوستوں نے بڑی جد و جہد اور دہلی و اطراف کی خاک چھاننے کے بعد کئی وکیلوں سے ملاقات کی اور ان کی فیس و طریقہ کار معلوم کر کے آئے اور پھر بعد از مشورہ A.O.R (ایڈوکیٹ آن ریکارڈ) کے طور پر بڑے ہی قابل و ماہر وکیل محترم جناب محمد انیس صاحب سہروردی کو نامزد کیا۔ اب سنیر وکیلوں کی تلاش تھی۔ ڈیڑھ مہینہ سے زائد عرصہ گذر چکا تھا۔ ان حضرات نے سپریم کورٹ کے ایک مشہور وکیل جناب سوشیل کمار جین سے ملاقات کی۔ انہوں نے ہائی کورٹ کا ججمینٹ اور دیگر کاغذات دیکھ کر کہا: ملاجی آپ کے پاس صرف پانچ چھ روز ہے۔ آپ جلدی ایس۔ ایل۔ پی۔ فائل کر دو۔ ورنہ پانچ چھ روز بعد آپ کے ساتھیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ میرے دوستوں نے اس وقت حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب سے ربط کیا۔ حضرت نے صورت حال پر غور کرنے کے بعد مولانا سراج صاحب کو ان حضرات کے ساتھ انیس سہروردی صاحب کے پاس بھیجا اور فوراً ایس۔ ایل۔ پی۔ داخل کرنے کی تاکید کی۔ اور سنیر وکیلوں کی حیثیت سے ہندوستان کی مایۂ ناز شخصیت جناب K.T.S تلسی، جناب امریندر سرن اور محترمہ کامینی جے سوال کو نامزد کیا۔ جناب انیس سہروردی صاحب نے بڑی محنت کے بعد S.L.P. تیار کی اور ۵۴ ویں روز ہماری S.L.P. داخل ہوئی۔ اور ۵۹ ویں روز اس پر سماعت ہوئی۔ اس موقع پر ہماری جانب سے ان قابل وکیلوں کے علاوہ ہندوستان کے مشہور وکیل جناب ہریش سالوے کو بھی حاضر رکھا گیا تھا۔ ہماری جانب سے اس روز جناب K.T.S. تلسی نے تقریباً 12 منٹ کی اپنی بحث میں کورٹ سے کہا کہ بنجارا، سنگھل اینڈ کمپنی جو کہ فرضی انکاؤنٹر کے ملزمین ہیں ان کی من گھڑت اور

جھوٹی کہانیوں پر تین تین لوگوں کی موت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ نہایت ہی مؤثر قانونی دلائل کر کے عدالت کو قائل کر لیا اور جسٹس سدرشن ریڈی اور جسٹس .S.S نجر کی بینچ نے 59 رویں روز (صرف ایک ہی روز پہلے تاریخ 6-8-2010 کو) ہماری پھانسی کی سزا پر اروک لگا دی اور صوبائی حکومت، مرکزی حکومت، کرائم برانچ، اور .C.B.I وغیرہ کو نوٹیس جاری کئے۔ الحمدللہ یہ ہماری پہلی کامیابی تھی۔ اس پہلی ہی تاریخ پر تقریباً 32 ر لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے جو جمعیۃ علماء مہاراشٹر نے ادا کئے۔ اور پورے مقدمے کی مجموعی فیس تقریباً 53 ر لاکھ روپے جمعیۃ علماء مہاراشٹر نے اداء کیئے۔ (فجز اہم اللہ احسن الجزاء)۔

اور صرف اکشر دھام ہی نہیں جمعیۃ علماء مہاراشٹر نے دیگر مقدمات میں بھی ہماری کسی درخواست یا سفارش کو کبھی مسترد نہیں کیا۔ پوٹا کے علاوہ دیگر کئی مقدموں میں بھی ہم پر اعتماد کرتے ہوئے ہماری درخواست اور سفارش پر پیروی کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ اور جس وقت جس وکیل کا ہم نے مطالبہ کیا اپنے خزانے کھول دیئے اور اس معاملے میں کبھی پس وپیش یا بخل سے کام نہیں لیا۔ (فجز اہم اللہ احسن الجزاء)

الحمدللہ .S.L.P کی منظوری کے کچھ ہی عرصہ بعد سپریم کورٹ کی اسی بینچ نے تاریخ 3-12-2010 کو مولانا عبداللہ صاحب کی ضمانت منظور کی جو دوسری عظیم کامیابی تھی۔

میرے قابل وکلاء

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں میرے ان قابل وکلاء کا مختصر تعارف اور احسان شناسی ہو جائے۔

(۱) جناب کے۔ٹی۔ایس۔تلسی :

جناب کے،ٹی،ایس تلسی سکھ ہیں۔ اور راجیہ سبھا سے کانگریس کے ممبر پارلمنٹ ہیں، ہندوستان کے بڑے ہی نامور اور ماہر وکیل ہیں، بڑا اونچا اسٹیٹس ومقام ہیں۔ لیکن اللہ رب العزت نے ہمارے لئے ان کے دل کو نرم کر دیا تھا، ہماری جانب سے تین روز

دلائل کیے، سرکاری وکیل کے آرگیومینٹ میں بھی حاضر رہے۔ اور پھر آخر میں تحریری دلائل (Rejoinder) بھی پیش کئے اور محنت کا حق ادا کر دیا اور ہم سے صرف گیارہ لاکھ روپے فیس لی تھی، عدالت نے ان سے سوال پوچھا تھا کہ مان لیا عبدالقیوم بے قصور ہے مگر پولیس نے اسے ہی کیوں نشان بنایا؟ انہوں نے برجستہ جواب دیا جیسے اندرا گاندھی کے قتل کے بعد آپریشن بلیو اسٹار کے وقت ہم سکھوں کو نشان بنایا گیا تھا، یہاں کسی وجہ کی ضرورت نہیں تھی، بس سکھوں پر ظلم کرنا تھا، اسی طرح 2002 کے بعد مسلمانوں کو مار کر، ڈرا کر، مقدموں میں پھنسا کر ظلم کرنا تھا، اس کے لئے کسی وجہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اردو خطوط پر دھاردار دلائل کر کے عدالت کو خطوط اور فدائین کے کپڑے دیکھنے پر قائل کر لیا تھا، جو ہماری بہت بڑی کامیابی تھی اور شاید اسی سے عدالت کو اس مقدمہ کا جھوٹا اور بکواس ہونا سمجھ میں آگیا تھا۔

(۲) مسٹر امر ندر سَرن :

بہت قابل اور ایمانداری سے محنت کرنے والے وکلاء میں سے ہیں۔
اقبالیہ بیان اور خطوط پر جی توڑ کر محنت کی تھی، رہائی کے بعد میں ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے گیا تھا، میں ان سے پوچھا کہ سَر آپ کو یقین تھا کہ میں بے قصور ہوں؟ فرمایا : بالکل۔ کاغذات دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ جھوٹا مقدمہ ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جس مقدمے میں میں نے اپیل کرنے والوں کو واقعی گنہگار محسوس کیا ان کا مقدمہ کبھی نہیں لڑتا! پھر کہنے گے ملاجی میں نے دنیا میں آپ کی وکالت کر دی آپ اوپر میری وکالت کر دینا !

(۳) محترمہ کامنی جیسوال :

بڑی ہی قابل اور ایماندار وکیل ہیں، سپریم کورٹ میں سینکشن (پوٹا کی دفعہ عائد کرنے کے لئے وزارتِ داخلہ کی منظوری) اور پولیس کے دائرۂ اختیار وغیرہ پر بڑی مدلل بحث کی تھی جسے عدالت نے تسلیم کیا۔

(۴) جناب انیس سہروردی صاحب اور آپ کی اہلیہ محترمہ، بیٹے عاطف صاحب اور جونیئر جناب مہدی امام کی بھی محنت و دلی جذبات اس مقدمے سے جُڑے ہوئے تھے۔لیکن سماعت سے قبل ہی جناب انیس سہروردی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ (اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے)۔ سہروردی صاحب کے بعد ان کے صاحبزادے اور عملہ ہمارے مقدمہ کے ساتھ جڑے رہے اور دل و جان سے محنت کی۔

(۵) جناب ارشاد احمد صاحب (ایڈوکیٹ آن ریکارڈ) :

جناب انیس سہروردی کی وفات کے بعد ہماری جانب سے انہیں (ایڈوکیٹ آن ریکارڈ) نامزد کیا گیا تھا، یہ یو۔پی۔حکومت کی جانب سے سپریم کورٹ میں ایڈوکیٹ جنرل بھی ہیں، وکالت میں مہارت کے ساتھ ساتھ نماز، روزے کے پابند اور بڑے پرہیزگار اور بااخلاق شخص ہیں۔ساتھی بتاتے تھے کہ جب سپریم کورٹ میں انکی چیمبر میں جاتے تو بڑا اکرام فرماتے تھے۔واپسی پر لفٹ تک چھوڑنے آتے اور خود لفٹ کا بٹن دباتے اور دروازے کھولتے اور بند کرتے تھے، کبھی فیس کا تقاضہ نہیں کرتے تھے، ہمارے ساتھیوں اور جمعیۃ کی جانب سے اصرار و پیشکش پر کہتے ٹھیک ہے، انشاء اللہ مقدمہ میں کامیابی کے بعد فیس لونگا۔ بہت ہی اصرار کے بعد نہایت ہی معمولی فیس قبول کی اور اس کے عوض میں اتنے بڑے مقدمہ میں A.O.R رہے، خود بھی محنت کی اور سنیر وکلاء سے بھی خوب کام لیا۔

(۶) ایڈوکیٹ خالد جی۔شیخ : (۷) ایڈوکیٹ اعجاز قریشی:

یہ دونوں پوٹا کورٹ سے سپریم کورٹ تک لگاتار میرے مقدمہ سے جڑے رہے، پوٹا کورٹ، ہائی کورٹ میں اگرچہ خالد بھائی دوسرے ملزم کے وکیل تھے، لیکن پورے مقدمہ پر بہت ہی باریکی سے نظر رکھتے اور بڑی امانت داری سے محنت کرتے تھے، اور ایڈوکیٹ اعجاز قریشی نے تو L.L.B. کی ڈگری ہی ہمارے مقدمہ کی پوٹا کورٹ میں سماعت کے دوران حاصل کی ہے۔ابتداء میں جناب ہاشم قریشی کے ساتھ جونیر کی حیثیت سے تشریف لاتے تھے، اس وقت سے ہمارے مقدمہ سے جڑے ہوئے تھے،

بعد میں L.L.B کی ڈگری حاصل کی۔ ہائی کورٹ میں ہمارے وکیل جناب مجید میمن صاحب کو مقدمہ کی پیروی میں تعاون کیا۔ اور سپریم کورٹ میں خالد بھائی اور اعجاز بھائی نے جو تیاری کی تھی یقیناً قابلِ تعریف ہے۔ وہاں کے وکلاء اس عظیم کامیابی کا سہرا ان دونوں کے سر باندھتے تھے۔ ان دونوں کا ہمارے ساتھ تجارتی نہیں بلکہ بڑا ہی ہمدردانہ و دوستانہ تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی بھی ان حضرات نے اس مقدمہ کو کاروباری اعتبار سے نہیں دیکھا، اور نہ کبھی اسٹیٹس و مقام کو مسئلہ بنایا، کبھی ہوائی جہاز کی ٹکٹ طلب کی نہ کبھی فائیو اسٹار یا اعلیٰ معیار کی ہوٹل میں قیام و طعام کا مطالبہ کیا، بلکہ تمام کے ساتھ وہیں جمعیۃ کے دفتر پر قیام کرتے تھے اور وہاں کا سادگی بھرا برکتی کھانا کھاتے تھے، بلکہ کبھی کبھی تو دن بھر بھاگ دوڑ کے بعد رات دیر سے فارغ ہوتے اس وقت کھانا بھی میسر نہ ہوتا تھا اور صرف ایک سینڈوچ پر گذارا کر کے سو جاتے تھے۔

کئی بار ٹرین میں ٹکٹ کنفارم نہیں ہوتی تو میرے ان دوستوں کے ساتھ وکیل حضرات بھی زمین پر چادر بچھا کر سو جاتے تھے، کوئی گلا شکوہ نہیں کرتے تھے، اللہ رب العزت نے جب اس مقدمہ میں کامیابی عطا فرمائی اور سپریم کورٹ نے اپنا ججمینٹ سنا دیا تو میرے یہ قابل فخر دوست اور وکیل باہر نکل کر آپس میں معانقہ کر کے خوب روئے، لوگ حیرت و تعجب سے دیکھ رہے تھے، کچھ لوگوں نے پوچھا بھی آپ تو مقدمہ جیت گئے پھر کیوں رو رہے ہو؟ میرے دوستوں نے بتایا کہ اللہ نے جو کامیابی دی اسکی خوشی کے یہ آنسوں ہے، تو کہنے لگے وکیل کیوں رو رہے ہیں؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ صرف وکیل نہیں ہمارے دوست ہے۔ محنت کے ساتھ ان کے دلی جذبات و ہمدردیاں بھی اس مقدمہ سے جڑی ہوئی تھی۔

ان کے علاوہ وکیلوں کی ایک لمبی فہرست ہے جنہیں جمعیۃ علماء مہاراشٹر نے میرے اور دیگر ساتھیوں کے دفاع کے لئے میدان میں اتارا تھا۔ جنکے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

میرے ہمدرد و محسنین

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

(جو لوگوں کا شکر ادا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی ناشکرا ہے)

آج میں حیات اور الحمدللہ سارے ہی الزامات سے بری ہوں، اس پر سب سے پہلے تو میں اپنے خالق و مالک اللہ رب العزت ہی کا شکر گزار ہوں کہ میرے رب نے اپنا بھرپور فضل و کرم فرمایا، ہمیں مایوس نہیں کیا، سچ کو غالب کیا اور فتح عطاء فرمائی اور باطل و جھوٹ کو بے نقاب کر کے ذلیل کیا۔

اور پھر میں ہمارے ملک کے آئین، عدالتِ عظمیٰ (سپریم کورٹ) اور خاص کر ہمارے جسٹس مسٹر اے۔ کے۔ پٹنایک اور جسٹس وی۔ گوپالا گوڑا صاحب کا شکر گذار ہوں جنہوں نے اپنے بے مثال انصاف کا دنیا میں ڈنکا بجا دیا۔ اسکے بعد میرے وکلاء جنہوں نے بڑی ہی دیانتداری و ایمانداری سے میری وکالت و دفاع کیا۔ میں یہ بات بڑے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میرا اور میرے ساتھیوں کا دفاع کرنے والے اور ہماری بے گناہی کی وکالت کرنے والے تینوں سنیر وکیل اور فیصلہ کرنے والے دونوں جج صاحبان بھی غیر مسلم تھے! اور صرف یہی نہیں آج بھی ہمارے ملک میں بے شمار غیر مسلم بھائی ایسے ہیں جو انصاف و انسانیت کی آواز بلند کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

ان کے علاوہ حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی دامت برکاتہم، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ، حضرت مولانا حلیم اللہ صاحب قاسمی، حضرت مولانا مستقیم احسن صاحب اعظمی، حضرت مفتی یوسف صاحب (کھار)، جناب گلزار صاحب اعظمی، اور تمام ارا کین جمعیۃ علمائے ہند، حضرت استاذی مولانا مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم، حضرت مفتی اسعد صاحب دامت براتہم، حضرت مفتی عبد القدیر صاحب (دہلی جمعیۃ)، حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ ڈابھیل) حضرت مولانا شیخ محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ، کھروڈ)،

حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب دیولا دامت برکاتہم ، حضرت اقدس مولانا احمد لاٹھ صاحب دامت برکاتہم (دہلی مرکز)، حضرت مفتی امتیاز صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی یحیٰ صاحب، استاذ حضرت مفتی طاہر صاحب و بے شمار علماء کے مجھ پر احسان وتوجہات رہی۔

اسی طرح اختر بھائی شیتل پمپ، مختار بھائی پوٹھاوالے، اویس بھائی، میرے گھر والے، میرے چچا، میرے بہنوئی، اِبنا بھائی، اقبال بھائی داس، آصف بھائی (Tip-Top)، الیاس بھورا، ہارون زمزم، حافظ ادریس صاحب، جناب فضل بھائی ملاجی ڈائنگ والے (سورت) اور بھی کئی لوگ تھے جنکی محنت ومحبت کا مجھے آج بھی احساس ہے۔ جہاں تک ہمدردی، خیر خواہی اور دعاؤں کی بات ہے، میرے ان عظیم محسنوں کا احاطہ ناممکن ہے۔ آخر میں میرے عظیم محسن و ہمدرد سلمان، نور بیگ، ادریس بھائی (بہنوئی)، میرے چچا اور مفتی رضوان صاحب کا کچھ تفصیل سے ذکر کروں گا۔

میری گرفتاری کے بعد میرے گھر والوں پر، میرے رشتہ داروں پر، متعلقین پر، میرے دوست احباب اور میرے مقدمہ پر محنت کرنے والوں پر کیا کیا مصیبتیں آئی اور کن آزمائش بھرے حالات سے وہ گذرے ہیں ان حالات کا احاطہ یہاں دشوار ہے۔

گودھرا فسادات اور اس کے بعد 2003 اور 2004 کا عرصہ، بنجارا اینڈ کمپنی کے شباب کا دور تھا، ظلم وستم کی کھلی آزادی تھی، جسے چاہے مقدمات میں ڈال دیا جاتا، جسے چاہے فرضی مٹھ بھیڑ (انکاؤنٹر) میں ماردیا جاتا تھا۔

۱۷ر اگست کو میری گرفتاری کے بعد خوف و ہراس اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ دریاپور، چاروات اور لمڑی چوک جیسے محلے جہاں رات 3:00/4:00 بجے بھی دن کا منظر ہوتا ہے، لوگوں نے خوف کے مارے باہر نکلنا اور بیٹھنا چھوڑ دیا تھا، میری دوستی کا دم بھرنے والے اور سفر وحضر میں ساتھ رہنے والے ڈرتے تھے کہ اب ہمارا کیا ہوگا؟ لوگوں کا خوف بے جا نہیں تھا۔ ہمارے وکلاء تک بھی محفوظ نہیں تھے۔ حتیٰ کہ بعضے وکیلوں کو بھی پوٹا کے مقدمات میں پھنسا دیا گیا تھا جس کا آگے ذکر گذرا۔ ان حالات میں عزیزم سلمان، نور بیگ، میرے چچا، بہنوئی، مفتی رضوان صاحب اور کچھ مخلصین الحمدللہ خوف و ہراس اور افواہوں سے بے نیاز ہو کر میرے اور میرے گھر والوں کیلئے

مسیحا بن کر آئے، اور روزِ اول سے میری رہائی تک وہ خدمات کی کہ دنیا بھر کی نعمتیں ان کا عوض و بدلہ نہیں بن سکتی۔ حالانکہ حکومت و پولیس کا خوف، کرائم برانچ کی دھمکیاں، کچھ اپنوں کی کرم فرمائیاں اور تجسس بھری نگاہیں، کچھ ہمدردوں کی پکڑ دھکڑ اور محاسبے، کچھ حاسدوں کے طعن و تشنیع اور حوصلہ شکنی، اہل و عیال کی ذمہ داریاں و حقوق اور دعوت و تبلیغ کا کام سب کچھ ساتھ لگا ہوا تھا۔ لیکن ہزار مشغولیوں اور ناموافق ماحول کے باوجود الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے ان حضرات سے خوب کام لیا اور ان کی بے لوث و مخلصانہ خدمات کو قبول فرماتے ہوئے خیر و کامیابی ان کے ہاتھوں میں لکھ دی۔

ان حضرات کی محنت و بھاگ دوڑ کا آپ اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ حضرات میرے مقدمہ کے سلسلہ میں دو مرتبہ کشمیر اور ۱۴۳ مرتبہ بمبئی، دہلی کا سفر کر چکے ہیں۔ کئی روزے اور عید ٹرین میں یا دہلی میں ہوئی۔ یہ حضرات بڑے بڑے بیگ اور مقدمہ کے کاغذات کا ذخیرہ جو ہزارہا صفحات پر مشتمل ۸؍جلدوں میں تھا، لے کر مارے مارے پھرتے تھے، جمعیۃ کے دفتر سے سپریم کورٹ، وکیلوں کے چیمبر اور کانفرنس روم وغیرہ بھاگتے رہتے۔ کھانے۔ پینے، سونے۔ جاگنے، نہانے۔ دھونے کا کوئی نظام اوقات نہیں تھا، اور اتنی بھاگ دوڑ و تگ ودو کے بعد بھی بجائے حوصلہ افزائی اور قدردانی کے بہت سی مرتبہ صلہ میں میری ڈانٹ ڈپٹ ملتی۔ ایک مرتبہ ناموافق حالات سے مایوس، ناامید اور خوف و ہراس کا شکار ہو کر یہ حضرات ڈابھیل حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کے پاس مشورہ اور دعاء کے لئے گئے۔ حضرت نے ان حضرات کو اپنے سینے سے لگا کر خوب دعائیں دی اور فرمایا " جاؤ بے خوف و خطر کام کرو۔ " انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے اور کامیابی نصیب فرمائیں گے۔ حضرت کی تسلی پر الحمدللہ یاس و ناامیدی کے بادل چھٹ گئے، خوف جاتا رہا اور یہ حضرات استقامت سے جمے رہے۔ اور اللہ نے کامیابی عطاء فرمائی۔

میرے ان محسنوں کے ساتھ انکے گھر والوں اور دعوت و تبلیغ کے ذمہ داران کا بھی احسان تھا کہ ان حضرات نے میرے ان ساتھیوں کو فارغ البال کر کے میرے لئے گویا وقف کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو خوب جزاء خیر عطاء فرمائیں، اپنی رضا عطاء فرمائیں اور دنیا و آخرت کا تمام خیر عطاء فرمائیں، تمام شر و فتن سے حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

ربّ لطیف پر توکل

الحمدللہ، مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا پورا توکل اور رہائی کا یقین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جیل میں کبھی کبھی بعض ساتھی ورزش کے لئے کہتے تو میں کہتا تھا کہ رہائی کے بعد ایک جیم کھول لونگا۔ کبھی دانتوں اور داڑھوں میں درد کی وجہ سے ڈاکٹر کے پاس جانا ہوتا۔ ڈاکٹر کہتے کہ داڑھ نکلوادو، میں کہتا کہ انشاءاللہ رہائی کے بعد نکلوالونگا تو ڈاکٹر صاحب حیرت سے میرا منھ تکنے لگتے اور کہتے کہ آپ جانتے ہیں آپ کس مقدمہ میں ہو؟ اور آپ کو کیا سزا ہے؟ میں کہتا بالکل جانتا ہوں لیکن میں انشاءاللہ ضرور رہا ہونگا۔ جس پر ڈاکٹر خاموش ہو جاتے۔

میری رہائی سے تقریباً دو مہینہ قبل پھانسی کی سزا یافتہ قیدیوں کی تحقیقات وتعاون کی غرض سے دہلی لا یونیورسٹی کا ایک وفد سابرمتی جیل پر آیا تھا۔ ہمیں ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس میں ایک خاتون محترمہ نیہا سنگھل تھی۔ انہوں نے مجھے کچھ سوالات کئے۔ الحمدللہ میں نے جوابات دیئے جس سے وہ کافی متاثر ہوئی۔ دوران گفتگو میں نے ان سے کہا کہ میں انشاءاللہ رہائی کے بعد آپ سے ملونگا۔ تو کہنے لگی: ملاجی آپ کس دنیا میں ہو؟ معاف کرنا میں آپ کو ڈرانا نہیں چاہتی لیکن آپ کی خوش فہمی دور کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کی رہائی مشکل ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ باتیں کہی۔ میں نے کہا میں انشاءاللہ ضرور رہا ہونگا۔ کہنے لگی آپ اتنے پرامید کیوں ہے؟ میں نے کہا مجھے اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے اور پھر کوئی ایک دروازے (سپریم کورٹ) سے تو انصاف کی امید رکھنی ہی چاہئے۔ اس پر وہ خاموش ہوگئی اور اپنا شناختی کارڈ نکال کر مجھے دیا اور کہا بہت اچھی بات ہے اگر رہا ہو جاؤ تو مجھ سے ضرور ملنا۔

الحمدللہ 16-5-2014 کو سپریم کورٹ نے مجھے باعزت بری کیا، 17-5-2014 کو جیل سے میری رہائی ہوگئی صرف تین روز بعد 20-5-2014 کو میں دہلی گیا، لیکن کوشش کے باوجود ملاقات نہیں ہوسکی۔

ہاں! بہت سی مرتبہ بشری تقاضے کی وجہ سے اور عام طور پر مقدمہ پر کی جارہی محنت کو لے کر دوسرے ساتھیوں کی تحقیق وتشویش کو لے کر مجھے بھی ٹینشن ہو جاتا تھا بسا اوقات ملاقات میں

مقدمہ کے تعلق سے میں بھائی سلمان، میرے چچا، ادریس بھائی (میرے بہنوئی) حتی کہ میرے وکیل خالد بھائی کو بھی خوب ڈانٹتا تھا، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ یہ حضرات ڈانٹ کے ڈر سے ملاقات میں حضرت مفتی رضوان صاحب یا حضرت مفتی یحیٰ صاحب کو لے آتے جس پر میں مسکرا کر کہتا کہ ان حضرات کو آج ڈھال بنا کر لے کر آئے ہو؟ خیر کبھی کبھی ٹینشن بھی آتا تھا، ڈانٹتا بھی تھا لیکن دوسرے دن فوراً معافی نامہ بھیج دیتا تھا، اور پھر یہ ٹینشن، ڈانٹ ڈپٹ اور ناراضگی و معافی کے ساتھ ایک بات ضرور تھی، میں انہیں ہمیشہ ایک ہی بات کہتا کہ آپ لوگ اسباب صحیح اختیار کرو اور نتیجہ اللہ کی ذات پر چھوڑ دو، صحیح اسباب کے بعد خدانہ خواستہ مجھے پھانسی ہوتی ہے تو مجھے کوئی گلہ شکوہ نہیں۔

اب مولانا کی ضمانت کے بعد اللہ کی ذات پر توکل اور رہائی کی توقع اور بڑھ گئی۔

لوگوں کی دعائیں و مبشرات

سنگین مقدمہ اور پھانسی کی سزا اور اس پر ہائی کورٹ کی منظوری کی مہر بھی لگ گئی تھی، آخری قانونی مرحلہ تھا، اسکے باوجود مجھے الحمدللہ رہائی کا جو یقین تھا اس کی کچھ وجوہات تھی۔

اول یہ کہ میں اگرچہ بہت ہی بڑا گنہگار ہوں، زندگی اللہ تعالی کی نافرمانی و بداعمالیوں میں گذر گئی، جیل میں بھی گناہ ہوتے رہے، لیکن الحمدللہ میرے اکابر، مشفق اساتذہ اور میرے بزرگوں کی کامل توجہات و دعائیں میرے ساتھ تھی، حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم، حضرت استاذ مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دیولا (دہلی مرکز)، حضرت اقدس مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی دامت برکاتہم و دیگر کئی اکابر علماء کی مقدمہ پر بھرپور توجہات تھی۔ میرے ساتھیوں سے کارگذاری بھی لیتے رہتے اور اپنی ہر مجلس میں میرا نام لیکر دعاء فرماتے تھے۔ اللہ تعالی اپنے ان برگزیدہ بندوں کی دعائیں کیسے رائیگاں فرماتا؟

ان حضرات کے توکل کا یہ عالم تھا کہ میری رہائی سے تقریباً چار مہینہ قبل ایک روز حضرت (مفتی احمد صاحب) نے سلمان، نور بیگ وغیرہ کو بلا کر کہا کہ "دیر مت کرو، کوئی بھی بینچ ہو مقدمہ چلالو انشاء اللہ رہائی یقینی ہے"۔ اسی طرح کی کچھ باتیں حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا دامت برکاتہم نے بھی ارشاد فرمائی تھی۔

ان بزرگوں کی دعاؤں کے ساتھ عوام الناس اور امت کی دعائیں میرے ساتھ تھیں۔ ہر

شہر، ہر بستی اور ہر گھر میں چھوٹے بڑے مرد وعورت تمام ہمارے لئے دعاء فرماتے تھے۔ فضل بھائی (ملاجی ڈائنگ والے، سورت) مقدمہ کو لیکر بڑے فکر مند رہتے اور ہر تاریخ پر اپنے وسائل اور Whatsapp کے ذریعہ پوری دنیا میں دعاء کے لئے میسج کرتے تھے الحمد للہ حرمین شریفین میں بھی دعائیں ہوتی تھی۔ لوگ نفل روزے رکھتے، اعتکاف کرتے، اجتماعی اعمال اور دعائیں کرتے تھے۔ ان سارے اعمال و دعاؤں کی برکات تو ظاہر ہونی ہی تھی۔ مجھے ایک صاحب نے کہا کہ جتنی دعائیں آپ کے لئے کی گئی شاید کسی اور کے لئے نہیں کی گئی.

میری رہائی پر رشتہ دار خواتین ومحلہ کے لوگ اپنے چھوٹے معصوم بچوں کو لیکر آتے اور مجھے دکھلا کر کہتے کہ دیکھو یہ مفتی صاحب ہیں۔

اور پھر وضاحت کرتے تھے کہ ہمارے یہ معصوم بچے جو ابھی صحیح بولنا بھی نہیں جانتے، رمضان المبارک میں افطار کے وقت اور آپ کی تاریخوں کے دن اپنی معصوم وتوتلی زبان سے دعاء کرتے تھے یا اللہ! ہمارے مفتی صاحب کو رہائی عطاء فرما اور پھر کبھی کبھی دعاء کے دوران ہی اپنی معصوم اداء سے پوچھتے کہ یہ مفتی صاحب کون ہے؟ اس لئے آج ہم انہیں آپکو دکھانے کے لئے لائے ہیں۔

اللہ اکبر! امت کے اس عظیم احسان کا اللہ تعالی ہی انہیں اجر عظیم عطاء فرمائیں۔ (آمین)۔ ان دعاؤں پر اللہ تعالی کو کیوں رحم نہ آتا؟

میں بڑے فخر اور تحدیث نعمت کے طور یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالی نے 11 رسال کی اس قید کے عوض تین ایسی عظیم نعمتیں عطاء فرمادی کہ شاید باہر رہتے ہوئے مجھے کبھی نہ ملتی (1) اللہ تعالی نے حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال کردیا۔ (2) میرے اکابر علماء ومشائخ کی کامل توجہات و دعاؤں کا مستحق ہوگیا۔ اور (3) عوام وخواص کی مقبول دعائیں مجھے نصیب ہوگئی۔ اور اللہ تعالی نے نہایت ہی نازک وسنگین موقعوں پر دعاء کی قبولیت کا مجھے نمونہ بنادیا۔

اسکے علاوہ کچھ سچے خواب ومبشرات بھی میرے سامنے تھے :

(۱) ہمارے محلہ کے ایک ساتھی نعیم بھائی کی جماعت کھیڑا ضلع میں چل رہی تھی۔ وہاں انہیں جنوب ہند کی ایک جماعت ملی۔ اسکے امیر صاحب نے ایک روز ان سے پوچھا کہ آپ احمد آباد میں (مفتی) عبدالقیوم اور مولوی عبد اللہ صاحب اور مولوی احمد کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں، ہمارے محلہ کے باشندے ہیں۔ لیکن فی الحال قید میں ہیں۔ کہنے لگے میں تو انہیں نہیں جانتا لیکن

میں نے خواب دیکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے نام لے کر فرمایا: انہیں میرا سلام کہنا اور کہنا تھوڑا صبر کرے انشاء اللہ آخر کار اللہ کی مدد آئے گی اور رہائی نصیب ہوگی۔

(۲) سن 2005-2004 کے عرصہ میں حضرت مفتی اسعد صاحب خانپوری جو میرے بڑے محسن و ہمدرد ہونے کے ساتھ ہی بڑے بے تکلف دوست بھی ہیں۔ اس وقت وہ بروڈا جیل میں تھے اور علاج کے سلسلہ میں کچھ روز کے لئے احمد آباد جیل منتقل ہوئے تھے۔ ایک روز حضرت مفتی اسعد صاحب، حضرت مفتی طاہر صاحب اور میں جیل عملہ کی اجازت سے گودھرا بیریک میں گودھرا والے مظلوموں کے ساتھ بند ہوئے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت، نعت و اشعار وغیرہ کی ایک چھوٹی سی مجلس بھی ہوئی۔ اس رات دیر سے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے "یہ جنتی کرتہ ہے جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا حضرت جبریلؑ نے یہ کرتہ انہیں پہنا دیا تھا۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کو کنویں میں ڈالے جانے کے وقت بھی یہ کرتہ پہنایا گیا تھا تو بھی یہ کرتہ پہن لے انشاء اللہ تجھے بھی کچھ نہیں ہوگا"۔

(۳) حضرت مولانا خیر الرحمٰن صاحبؒ کو ایک بار خواب میں دیکھا تھا۔ حضرت کے یہاں خوشی کی تقریب تھی، لوگ خوشی میں نقارہ بجاتے اور درود تنجینا پڑھتے جا رہے تھے۔ مجھے پورا خواب اچھی طرح یاد نہیں لیکن حضرت نے غالباً مجھے درود تنجینا کے ورد کی تاکید کی تھی۔ بس تب سے اہتمام سے ہم درود تنجینا کا عمل کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اکابر نے اور بھی وظائف دیئے تھے جن کی برکات یقینی تھی۔

(۴) قید کے ابتدائی سالوں میں جوہاپورہ کے ایک صاحب نے خواب دیکھا تھا کہ قید خانہ میں روشنی ہی روشنی ہے اور ایک شور مچ گیا ہے کہ آقائے نامدار جناب محمد ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ لوگ آمنے سامنے قطار لگائے کھڑے ہیں۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور لوگوں سے مصافحہ کرتے ہوئے 5/2 کی کھولی نمبر سات میں تشریف لے گئے۔ (الحمد للہ میں اور مفتی طاہر صاحب ان ایام میں اسی کھولی میں رہتے تھے) اور لوگوں کو تسلی و دعائیں دی۔

اس کے علاوہ بھی اندر اور باہر کی دنیا میں بہت سے لوگوں نے مبشرات دیکھے۔ یہاں سچے خواب اور اسکی تعبیر کے متعلق زیادہ کلام کی گنجائش نہیں، صرف اتنا کافی ہے۔ لم یبق من النبوۃ إلا المبشرات. نبوت کے برکات، (اللہ کی جانب سے وحی اور غیب کے اشارات) میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے بشارت دینے والے خوابوں کے۔ (حدیث شریف)

ان مبشرات اور سچے خوابوں کا پورا ہونا بھی یقینی تھا۔

سپریم کورٹ کا انصاف وانسانیت سے بھرپور تاریخی فیصلہ

16 مئی 2014 جمعرات کی رات میں معمول کے مطابق الحمدللہ تہجد کی نماز پڑھی اور چونکہ صبح 16 مئی 2014 جمعہ کو الیکشن کے نتائج ظاہر ہونے تھے۔ اس لئے اللہ رب العزت سے ملک وملت کی خیر کے لئے خوب دعاء کی۔ ہمیں چونکہ ہمارے ججمینٹ کی تاریخ کا علم ہی نہیں تھا اس لئے ہم نے اس رات میں یا 16 مئی کی صبح میں اجتماعی عمل یا دعاء کا کوئی اہتمام نہیں کیا تھا۔ ہاں روزانہ کے معمول کے اعتبار سے باعزت رہائی کی دعاء ضرور کی تھی لیکن زیادہ توجہ وتشویش الیکشن کے نتائج پر تھی۔ صبح تقریباً ۸ ربجے بعد الیکشن کے رجحان ونتائج آنا شروع ہوئے اور ہم مسلمان قیدیوں کا ٹینشن بڑھنا شروع ہوا۔ ہمارے ایک ساتھی اعظم خان نے دوتین مرتبہ .B.J.P کے سبقت کرنے اور دوتین سیٹیں جیتنے کی خبر دی۔ جس پر میں نے انہیں ڈانٹ دیا۔ میرے بگڑے موڈ اور ٹینشن بھرے چہرے کو دیکھ کر میرے ساتھی مجھ سے بات کرنے سے کترا رہے تھے۔ صبح 10:00 11:00 بجے تک تو معاملہ بالکل صاف ہو چکا تھا۔ مودی کی امارت میں .B.J.P حکومت تشکیل دینے جارہی تھی جو صرف میرے یا مسلمان قیدیوں کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر سیکولر انسان کے لئے لمحۂ فکر تھا۔ ہمارے چونکہ دلائل پورے ہو چکے تھے لیکن ابھی ججمینٹ آنا باقی تھا۔ اسلئے نہ صرف ہمیں بلکہ ہر ہمدرد ساتھی کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اب کیا ہوگا؟ ججمینٹ کب اور کیسا ہوگا؟ چنانچہ صبح گیارہ بجے کے قریب میرے ایک ہمدرد صابر بھائی اور دیگر کچھ ساتھیوں نے مجھ سے پوچھا کہ مفتی صاحب اب کیا ہوگا؟ الیکشن کے نتائج کا آپ کے ججمینٹ پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟ میں نے کہا اللہ تعالی کی ذات بڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ میری رہائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو انشاء اللہ ان نتائج سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں نے جواب دینے کو تو دے دیا لیکن بشری تقاضے اور ایمان کی کمزوری کے سبب مجھے بھی فکر ضرور ہوئی اور میں نے ایک ساتھی کے ذریعہ باہر میرے محسنوں کو اطلاع بھیجی کہ اپنے وکیلوں کے ساتھ ربط میں رہو اور ججمینٹ کب ہوگا معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ ۱۲ ربجے بندی آ گئی۔ روزانہ دوپہر کو بڑی میٹھی نیند آتی تھی، آج بے چینی کی وجہ سے آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ جیل

میں ۱۱ رسال کے اس عرصہ میں الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب وغریب قدرت کا بہت ہی قریب سے مشاہدہ کیا کہ جب بھی میں نے کوئی بری خبر سنی یا برا معاملہ پیش آیا، الحمدللہ اسی دن یا مستقبل قریب میں اللہ تعالیٰ نے کوئی اچھی خبر سنادی جس سے بری خبر کا تدارک وتلافی ہوگئی۔ اسی طرح کبھی کسی خوشی پر میں ضرورت سے زیادہ اترایا تو اللہ تعالی نے فوراً کوئی فکر دے کر میری اصلاح بھی فرمادی۔ واللہ! بارہا میرے ساتھ یہ معاملہ ہوا۔ چنانچہ اسی مشاہدے اور تجربے کے پیش نظر بستر پر لیٹے ہوئے میں یہ الفاظ دوہرانے لگا کہ یااللہ! اتنی بری خبر سنائی ہے اب ایسی ہی کوئی خوش خبری سنادے تاکہ تلافی ہوجائے، بس اسی طرح کے الفاظ زبان پر جاری تھے۔ ظہر کا وقت ہوگیا، ظہر بعد بھی یہی دعاء کی۔ تین بجے بندی کھل گئی اور الیکشن کے نتائج کو لیکر قیدی تبصرہ کرنے لگے۔ میں تنگ آکر بیریک میں چلا گیا اور ایک پاگل قیدی یونس جماپوری کے ساتھ دل بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔ تقریباً 3:45 بج رہے تھے، میں یونس کے ساتھ چائے پی رہا تھا کہ آدم بھائی، صابر بھائی اور بہت سے مسلمان قیدی "اللہ اکبر" کے نعرے لگاتے ہوئے دوڑ کر میری بیریک میں آئے اور "سب چھوٹ گئے، سب چھوٹ گئے" کہتے ہوئے مجھ سے چمٹ گئے۔ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا ہوا؟ لوگ رو رہے تھے اور مجھ سے چمٹ رہے تھے۔ میں نے پوچھا بات کیا ہے؟ تو بتایا کہ اکشر دھام مقدمہ میں آپ تمام حضرات باعزت بری ہوگئے۔ **الحمد للّٰہ علی ذٰلک.**

میں حیرت وتعجب میں مبتلا تھا۔ میں نے پوچھا آج تو ججمینٹ کی تاریخ کی کوئی اطلاع ہی نہیں تھی۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انہیں کسی سپاہی کے توسط سے یا کسی اور ذریعہ سے یہ اطلاع ملی تھی۔ لیکن مجھے اب بھی کچھ شک تھا، لیکن الحمدللہ باہر والے بھی خبر پہونچانے کے لئے بڑے فکرمند تھے۔ تقریباً 2:00 بجے سے جیل کے باہر میرے بہنوئی ادریس بھائی، زبیر بھائی ممتاز مصالحہ والے اور فیروز جیل کے باہر کھڑے کسی طرح اندر خبر بھیجنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چنانچہ تقریباً 4:00 بجے ایک قیدی کارکن نریندر بھائی ملاقات روم سے آئے اور اس خبر کی تصدیق کردی اور کہا کہ آپ کے گھر والوں نے کہا ہے کہ انشاءاللہ آج شام تک یا آئندہ کل تک آپ لوگ جیل سے نکل جاؤ ایسی کوشش جاری ہے۔

رہائی کی تصدیق ہوتے ہی میری آنکھوں سے 11 سال سے روکے رکھے جذبات و تشکر کا سیلاب جاری ہوگیا۔ میں روتے ہوئے سجدے میں گر گیا اور اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ کرائم برانچ میں خوف کے مارے زبان پر اللہ تعالی کی حمد وثناء اور ذکر واوراد کے بے ترتیب کلمات جاری رہتے تھے، آج خوشی کے مارے زبان پر اللہ کی حمد کے بے ترتیب الفاظ جاری ہوگئے۔ اس کے بعد دو رکعت نفل نماز اداء کی اور اللہ تعالی کی خوب حمد وثناء کی اور میرے اور پوری امت کے لئے خاص کر گودھرا، پوٹا و دیگر مقدمات کے مظلومین کی رہائی کے لئے بھی خوب دعاء کی۔ لوگ آتے رہے اور مبارکباد دیتے رہے۔ صبح 12:00 بجے تک لوگوں کے چہرے مرجھائے ہوئے اور دل فکرمند تھے۔ خاص کر مسلمان قیدیوں میں جو ماتم چھایا ہوا تھا الحمد للہ ہماری رہائی کی اس خبر نے اس کی تلافی کردی۔ مرجھائے ہوئے چہرے اب خوشی سے چمک رہے تھے اور دلوں کا غم وفکر کسی حد تک کم ہوگیا تھا۔ چائے ناشتے کا دور چلتا رہا۔ بہت سے ہندو بھائیوں نے بھی خوب خوب مبارکباد دی۔ جیل عملہ کو بھی معلوم ہوگیا، وہ لوگ بھی بہت خوش ہوئے اور مبارکباد دی۔

غم تھا تو صرف ایک (مسلمان) جیلر کو تھا۔ وہ تو بے چارہ میرے لئے شاید جیل ہی میں قبر کی جگہ بھی طے کر چکا تھا۔ ظاہر ہے اس کی محنت و آرزو پر پانی پھر گیا تھا۔ اس لئے اسے غم ہونا لازمی تھا۔ اس کے بالمقابل کچھ غیر مسلم افسران کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔ چونکہ سارے ہی قیدی اور جیل عملہ جانتا تھا کہ میں بالکل بے قصور ہوں اس لئے جیل افسران نے رہائی کے خبر کے بعد بھی جیل سے نکلنے تک بھرپور تعاون کیا۔ پوٹا کے میرے ساتھی اور کچھ مسلمان قیدی جو دوسری بیریکوں میں بند ہوتے تھے، اس رات جیل افسران نے انہیں میرے ساتھ بند ہونے کا موقع دیا۔ رات بھر لوگ جاگتے رہے، خوشیاں بھی منائیں اور کچھ اپنے مقدمے اور مستقبل کو لیکر غمزدہ بھی تھے۔ الحمد للہ، لوگوں نے تہجد بھی اداء کی، دعائیں بھی کی، چائے کا دور بھی چلتا رہا اور فجر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ لوگوں سے ملاقات میں وقت آہستہ آہستہ گذرتا رہا۔ صبح 11:00 بجے وکیل ملاقات آگئی۔ جناب خالد بھائی اور اعجاز قریشی میری آخری وکیل ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ 11 سال ڈانٹ ڈپٹ اور ناقدری کے بعد آج چونکہ ان کی محنت وخدمات کا ثمرہ مل چکا تھا۔ اس لئے دونوں حضرات بڑے خوش تھے۔ آپس میں مصافحہ، معانقہ اور مبارکبادی کے بعد ججمینٹ کی حسب ذیل مختصراً کارگذاری ان کی زبانی سنی۔

اگلے روز یعنی تاریخ 15-5-2014 جمعرات کورات میں میرے ساتھیوں کو پتہ چلا کہ آئندہ کل ججمینٹ ہے۔ چنانچہ سلمان، خالد بھائی شیخ اور اعجاز قریشی، رات کی فلائٹ سے دہلی روانہ ہوئے، نور بیگ صاحب بھی دہلی پہونچ چکے تھے۔ رات بھر ذہنی اضطراب اور فکروں اور وسوسوں کے ساتھ، تہجد کی نماز اور اللہ کی یاد اور مناجات میں گذار دی۔ میں اس بات پر بھی اللہ رب العزت کا احسان مانتا ہوں کہ ہمیں ججمینٹ کی تاریخ ہی کا علم نہیں تھا۔ ورنہ وہ رات کیسے گذرتی؟ اللہ ہی جانتا ہے۔ بہر حال صبح چائے ناشتہ اور ضروریات سے فارغ ہو کر یہ حضرات سپریم کورٹ کی جانب روانہ ہوئے۔ وکلاء کی چیمبرس میں جا کر وکیلوں سے ملاقات کی۔ جناب کے۔ ٹی۔ ایس۔ تلسی صاحب انڈیا میں موجود نہیں تھے۔ محترمہ کامنی جیسوال اور جناب ارشاد احمد صاحب اور دیگر کچھ وکلاء بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور یہ حضرات ۵ نمبر کی کورٹ میں جا کر بیٹھ گئے۔ ہمارے ججمینٹ سے پہلے B.C.C.I. کا ججمینٹ تھا۔ چنانچہ جسٹس جناب اے۔ کے۔ پٹنا یک صاحب اور جسٹس فقیر محمد ابراہیم کلیف اللہ صاحب تشریف لائے۔ عدالت میں موجود تمام لوگ عدالت کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ ججمینٹ دیکر یہ حضرات چیمبر میں چلے گئے۔ اس کے بعد کچھ ہی دیر میں جسٹس جناب اے۔ کے۔ پٹنا یک صاحب اور جسٹس وی۔ گوپالا گوڈا صاحب تشریف لائے۔ پھر لوگ احترام میں کھڑے ہو گئے تقریباً 1:25 کو جسٹس وی۔ گوپالا گوڈا صاحب نے ججمینٹ سنانا شروع کیا۔ ان حضرات نے اپنے ججمینٹ میں سرکاری وکیل کے دعوے و دلائل کو ۹ ر نکات پر تقسیم کیا تھا اور دسویں میں اپنا ججمینٹ لکھا تھا۔ بقولِ خالد بھائی اور سلمان بھائی جب گوڈا صاحب نے نکتے گنانا شروع کئے۔ تو ان حضرات کے دل کی دھڑکنیں رُک گئیں اور دم بخود رہ گئے۔ ہاتھ پیر بری طرح کانپنے لگے، کلیجہ منھ کو آنے لگا کہ اب کیا ہوگا؟ لیکن یہ قابلِ احترام ججوں کا بے مثال طریقۂ انصاف تھا۔ انہوں نے فریق مخالف کے سارے دعووں اور دلائل کا فرداً فرداً جواب دینا شروع کیا۔ جس سے ساتھیوں کے چہروں سے فکریں دور ہونا شروع ہوئی۔ بھائی سلمان اور نور بیگ زیادہ انگریزی نہیں جانتے تھے اس لئے وہ ہمارے وکیلوں کے چہرے کے نقوش اور اتار چڑھاؤ سے اندازہ لگا رہے تھے۔ بس 1:40 کے قریب ہمارے وکیلوں کی مسکراہٹ و خوشیوں سے انہیں یقین ہو گیا کہ الحمد للہ ہم مقدمہ جیت چکے ہیں۔ اعجاز بھائی نے

انگوٹھے کے اشارہ سے انہیں کامیابی کا مزید یقین دلا دیا۔ پھر کیا تھا؟ سلمان بھائی کیسے صبر کر سکتے تھے؟ ابھی ججمینٹ اپنے آخری مرحلہ میں تھا اور ضروری قانونی کاروائی باقی تھی کہ بھائی سلمان عدالت روم سے باہر نکل آئے اور سب سے پہلے میرے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری (دامت برکاتہم)، میرے عظیم محسن قائدِ ملت حضرت اقدس مولانا محمد ارشد مدنی صاحب (دامت برکاتہم)، میرے ہمدرد و محسن جناب گلزار اعظمی صاحب (دامت برکاتہم)، حضرت مفتی رضوان صاحب و دیگر محسنین کو، اسی طرح میرے گھر میری والدہ اور دیگر اہلِ خانہ کو یہ پر مسرت خبر سنائی۔ اس وقت تک ججمینٹ وضروری قانونی کاروائی بھی مکمل ہو چکی تھی۔ سپریم کورٹ نے انصاف وانسانیت سے بھر پور جو فیصلہ دیا ہے ہندوستانی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ خوف وہراس اور ناامیدی کے ماحول میں سپریم کورٹ کا یہ بےنظیر فیصلہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے امید کی کرن ہے۔ سپریم کورٹ نے نہ صرف ہمیں بےقصور و بےداغ ثابت کر کے باعزت بری کر دیا بلکہ جھوٹوں، ظالموں اور خیانت کرنے والے نااہلوں کو بےنقاب کر کے ان پر سخت غم وغصہ کا اظہار بھی کیا۔

شاید سپریم کورٹ کی تاریخ میں یہ پہلا مقدمہ تھا کہ کورٹ نے اپنے خصوصی اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے فدائین کے کپڑے وغیرہ ضبط شدہ اشیاء وثبوت کو دوبارہ جانچا تھا۔ اردو خطوط اور فدائین کے کپڑوں نے بھی کرائم برانچ کا جھوٹ بےنقاب کرنے میں ہماری خوب مدد کی۔ میں یہاں پر سپریم کورٹ کے ساتھ بنجارا اینڈ کمپنی کا بھی شکرگذار ہوں کہ انہوں نے میرے نام پر یہ جادوئی اردو خطوط رکھ کر میری رہائی کی راہیں آسان کر دی۔

بہرحال سپریم کورٹ جب اپنا تاریخی فیصلہ مکمل کر چکی تو ہماری سنیر وکیل محترمہ کامنی جیسوال نے عدالت سے درخواست کی کہ اب جبکہ ہمارے مؤکل بےقصور ثابت ہو چکے ہیں، میری عدالت سے درخواست ہے کہ یہ حضرات گیارہ سال سے قید میں بند ہے اسلئے انکی فوری رہائی کے احکامات جاری کئے جائیں۔ چونکہ عام طور پر باعزت رہائی کے بعد بھی قانونی کاروائی اور فورمالیٹی میں ذیلی عدالتیں اور جیل اتھارٹی کئی کئی روز لگا دیتی ہے۔

چنانچہ یہ بھی شاید سپریم کورٹ کا تاریخی اقدام تھا کہ کورٹ نے وہیں سے سابرمتی جیل کو وائرلیس اور فیکس میسیج بھیج کر ہماری رہائی کا حکم دیا۔ مجھے جیل میں ایک جیلر صاحب نے کہا تھا کہ

تاریخ 16/5/2014 جمعہ کے روز یہ وائرلیس و فیکس میسیج جیل اتھارٹی کو موصول ہو گیا تھا، لیکن مسلمان جیلر نے اسے چھپا دیا تھا!

بہر حال عدالت برخواست ہونے پر ہمارے وکلاء اور نور بیگ صاحب وغیرہ باہر تشریف لائے۔ اس وقت انکی خوشیوں کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ گلے مل کر خوب روئے۔ لوگ حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے کہ اتنے سنگین مقدمہ کی کامیابی پر یہ رونا کیسا؟ لیکن بات دل کے جذبات و تشکر کی تھی جو آ نکھوں سے آنسوؤں کی شکل میں بہہ رہے تھے۔ افاقہ ہونے پر جتنا ممکن ہوا لوگوں کو فون کے ذریعہ خوشخبری دیتے رہے۔ واجب الاحترام حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کا حکم تھا کہ ججمینٹ کی کاپی لیکر ہی آنا۔ لہٰذا رات دیر تک یہ حضرات وہیں سپریم کورٹ میں رہے اور ججمینٹ کاپی حاصل کر کے دوسرے روز صبح 8:00 بجے کی فلائٹ سے احمد آباد واپس ہوئے۔

بے شرمی کی انتہاء

سپریم کورٹ کا یہ بے مثال انصاف جہاں میرے اور میرے گھر والوں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام انصاف پسند لوگوں کے لئے خوشی کا باعث تھا، وہیں کرائم برانچ کے لئے یہ ان کی غلطی کی اصلاح اور عزت بچانے کا ایک بہترین موقع تھا، ہمارے ججمینٹ میں سپریم کورٹ نے ان حضرات کو جو پھٹکار لگائی اس سے انہیں شرم و حیا اور اپنی غلطیوں اور مکر و فریب کا احساس ہو جانا چاہئے تھا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ یہ حضرات جھوٹ، مکر و فریب اور تعصب چھوڑ کر سچائی، ایمانداری اور غیر جانبداری کے ساتھ اکشردھام پر حملہ کی سازش و جرم میں واقعی ملوث لوگوں کو پکڑتے اور انہیں تختہ دار تک پہونچاتے، چونکہ ہماری رہائی تو ابھی آدھا انصاف ہے، سوامی نارائن طریق سے جڑے اور مارے گئے ہندو بھائیوں کے ساتھ کہاں انصاف ہوا ہے؟ کرائم برانچ نے تو انہیں بھی دھوکہ دیا ہے۔ لیکن بنجارا اینڈ کمپنی سے شاید اتنی زیادہ امید رکھنا بے کار ہے۔ جھوٹ کے سہارے بلندیاں حاصل کرنے والوں سے سچائی کی توقع کیسے رکھی جا سکتی ہے؟ چنانچہ بے غیرتی و بے حیائی کی حد تو اس وقت ہو گئی کہ سپریم کورٹ کے شک و شبہات سے پاک بالکل واضح اور صاف صاف

انصاف کے بعد بھی ان حضرات نے ہمارے خلاف نظرِ ثانی کی اپیل کی۔

لیکن الحمدللہ سپریم کورٹ نے کوئی تنکوں کے سہارے ججمینٹ نہیں دیا تھا۔ سپریم کورٹ نے اپنے پیارے ججمینٹ میں دستورِ ہند CR.P.C, I.P.C., POTA قانونِ شہادت، اور سپریم کورٹ کے پورانے ججمینٹ و نظائر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ججمینٹ دیا تھا، سرکاری وکیل کے سارے دعووں اور دلائل کے بخوبی جواب دیئے تھے اس لئے اب نظرِ ثانی کی تو گنجائش ہی کہاں تھی؟

چنانچہ جسٹس انیل دوے صاحب اور جسٹس جناب گوپالا گوڑا صاحب کی بینچ نے کرائم برانچ کی اس درخواست کو یہ کہہ کر خارج کر دیا کہ ہم اپنے ججمینٹ سے بالکل مطمئن ہیں اور اس میں نظرِ ثانی کی کوئی ضرورت نہیں۔

بڑے بے آبرو ہو کر نکلے ہم تیرے کوچے سے

اللہ تعالیٰ کرے کہ اب انہیں غیرت آجائے اور ہمارا پیچھا چھوڑ کر واقعی مجرموں کو تلاش کریں۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ حضرات چاہتے تو واقعی مجرموں کو پکڑ سکتے تھے، لیکن جیسا کہ میں آگے لکھ چکا ہوں یہ حضرات اس سنگین مقدمے کو لیکر کبھی سنجیدہ نہیں تھے، اور کئی مرحلوں پر ان کی خیانت کھل کر سامنے آئی تھی۔

بہر حال ادھر شہر احمد آباد اور خاص کر ہمارے محلہ میں گذشتہ کل جمعہ کی نماز کے بعد سے جشن کا ماحول تھا۔ B.J.P. کی سرکار بننے پر غمزدہ لوگوں کے لئے الحمدللہ ہمارا ججمینٹ و رہائی کی خبر مرہم و تسلی کا سامان ہوا۔ لوگوں کے غم ہلکے ہو گئے اور لوگوں کی توجہ الیکشن کے نتائج سے ہٹ کر ہماری رہائی کی جانب مبذول ہو گئی۔ جمعہ کے بعد جیسے ہی ہماری باعزت رہائی کی خبر موصول ہوئی لوگوں نے مٹھائیاں تقسیم کر کے آپس میں مبارکبادیاں دی۔ کچھ نوجوانوں نے پٹاخے پھوڑ کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ پورا دن اور رات بھر لوگوں نے خوشیاں منائی۔ اب انہیں شدت سے ہماری جیل سے رہائی کا انتظار تھا۔

لوگ دہلی سے آنیوالے میرے محسنوں کا استقبال کرنے اور ان کی زبان سے مزید تفصیلات سننے کو بے قرار تھے۔ لیکن نئی حکومت اور بدلتے ہوئے حالات کے پیشِ نظر میرے ساتھیوں نے اپنی دہلی سے آمد کی خبر کو لوگوں سے چھپائے رکھا تھا۔ تاہم کچھ لوگ ائیر پورٹ پر

استقبال کے لئے پہونچ گئے۔ائیر پورٹ سے ہی جناب نور بیگ صاحب اور بھائی سلمان نے دو ٹیم (Team) بنائی۔ایک میں جناب خالد بھائی کے ساتھ حافظ زید(میرے خالہ زاد بھائی)اور دو تین ساتھی سیشن کورٹ کے لئے روانہ ہوئے۔اور ایڈوکیٹ جناب جاوید خان کے ساتھ حافظ زاہد صاحب اور کچھ ساتھی ہائی کورٹ کو روانہ ہوئے۔آج چونکہ سنیچر کا دن تھا،عوام میں یہ بات چل پڑی تھی کہ آج تو چونکہ سنیچر ہے،اور آئندہ کل اتوار ہے،اسلئے پیر کے روز جیل سے رہائی ہوگی۔ لیکن چونکہ سپریم کورٹ نے فوری رہائی کا فیکس میسیج اور وائرلیس میسیج جیل کو بھیج دیا تھا،جسے زیادہ دیر تک چھپایا نہیں جاسکتا تھا۔نیز میرے ان ساتھیوں کا طریقۂ کار بھی الحمدللہ بڑا کارگر رہا،اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اللہ تعالی ہی کی جانب سے سارے اسباب بنتے چلے جارہے تھے۔مشکل و ناممکن باتیں اب بہت آسان نظر آرہی تھی۔چنانچہ شام تقریباً ۵:۳۰ بجے تو پوٹا کورٹ،ہائی کورٹ کی ساری کاروائیاں مکمل کر کے یہ حضرات جیل پر بیڈا(رہائی کے کاغذات)لے کر پہونچ گئے۔ بھائی سلمان اور نور بیگ صاحب ائیر پورٹ سے سیدھے جیل پہونچے تھے،دو راتوں کی مستقل بیداری وتھکان کی وجہ سے دو پہر میں کچھ دیر یہ حضرات میرے گھر آرام کے لئے چلے گئے،لیکن وہاں بھی کیسے آرام مل سکتا تھا؟میرے گھر پر بھی رشتہ داروں،محلّے والوں اور محبت کرنے والوں کا تانتا لگا ہوا تھا،لوگ مبارکباد دینے اور خوشی میں شرکت کے لئے آتے چلے جارہے تھے، دوپہر میں دو بجے بعد پھر سلمان،نور بیگ،وغیرہ حضرات جیل پر پہونچے،عوام ان حضرات کی نقل وحرکت سے اندازہ لگا رہے تھے،چنانچہ ان کے جیل پر پہونچنے پر لوگوں کو یقین ہوگیا کہ انشاءاللہ آج ہی رہائی ہوگی۔چنانچہ آہستہ آہستہ لوگ جیل پر جمع ہونے شروع ہوئے۔میڈیا والے بھی آگئے،کچھ لوگوں نے ہمارے وکیل جناب خالد بھائی کا اور سلمان بھائی کا انٹرویو بھی لیا،لیکن دوسرے روز کے اخبار میں بہت چھوٹی سی کالم میں اس خبر کو جگہ دی گئی تھی۔بہرحال باہر عوام کا ایک ہجوم تھا۔عصر، مغرب،عشاء کی نماز لوگوں نے ریلوے پٹری پر واقع مسجد میں کئی کئی جماعتوں کی شکل میں اداء کی اور دوپہر سے رات 8:45 تک برابر جیل کے احاطے میں کھڑے ہماری رہائی کا انتظار کرتے رہے۔ رانپ کے کچھ مسلمان بھائیوں نے ناشتہ پانی کا انتظام کیا تھا،لیکن انکی بھوک،پیاس وساری ضروریات وخواہشات پر ہماری رہائی اور جیل سے باہر نکلتے ہوئے دیکھنے کا جذبہ غالب آچکا تھا۔

اُدھر قید خانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ رات بھر جاگنے کے بعد دن میں بھی بالکل نیند میسر نہیں ہوئی تھی۔ لوگ ملاقات و مبارک بادی کے لئے آتے رہے، وقت گذرتا رہا۔ تقریباً ۱۱:۰۰ بجے ہماری وکیل ملاقات آ گئی، گھر والے بھی ساتھ چلے آئے۔ بھائی سلمان، نور بیگ صاحب، نذیر بابا وغیرہ حضرات تھے۔جیل کی باریک جالیوں میں پابندی بھری ہماری یہ آخری ملاقات بڑے خوش گوار ماحول میں ہوئی۔ مولانا عبداللہ و دیگر ساتھیوں نے بتایا کے عوام نے خوب آتش بازی کی ہے۔اور آج بھی کچھ لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہیں، کیا کریں؟ ایک لمبے عرصے تک سخت ابلاء و آزمائش کے بعد لوگوں کی دعائیں قبول ہوئیں اور تمنائیں پوری ہو رہی تھی۔ ملک بھر میں خوف و ہراس اور یاس و ناامیدی کے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم خوشی عطاء فرمائی تھی، ظاہر ہے لوگ اُس خوشی کا اظہار کریں گے۔انہیں کیسے روکا جا سکتا ہے؟ میں نے کہا کسی کو کچھ مت کہو، خیر ملاقات میں بھائی سلمان نے مختصر کارگزاری سنائی اور کہا: آپ لوگ تیار رہنا شام تک انشاءاللہ ہم رہائی کے کاغذات لے کر آ جائینگے۔

اُدھر بیریکوں میں لوگ سپریم کورٹ کے بے مثال انصاف و ہماری رہائی کی تفصیلات جاننے کے لئے بے قرار تھے۔ جا کر انہیں مختصر کارگذاری سنائی اور شام کا انتظار کرنے لگے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ 11 سال سے چل رہی گھڑی کی سوئیاں بھی تھک چکی تھی اور اس کی رفتار سست ہو چکی تھی۔ **الانتظار اشد من الموت** (انتظار موت سے زیادہ سخت ہوتا ہے) کا گزشتہ کل دو پہر سے برابر مشاہدہ کر رہے تھے۔آہستہ آہستہ وقت گذرتا رہا اور شام تقریباً 5:30 بجے ایک قیدی کارکن ہمارے نام کی چٹھی جسکا برسہا برس سے انتظار تھا لیکر آپہو نچا اور کہا: بستر، کپڑے، برتن لیکر کورنٹی آجاؤ۔صبح ملاقات میں گھر والے کپڑے، چپل وغیرہ دے گئے تھے۔ہم لوگ تیار ہو گئے۔ میرے قیدی ساتھیوں نے مجھے دلہے کی طرح سنوارا۔ان حضرات سے آخری مصافحہ، معانقہ کیا۔ اس وقت میرے اور انکے دلی جذبات کی کیفیت کی نہ زبان ترجمانی کر سکتی ہے نہ قلم احاطہ کر سکتی ہے اور نہ ہی قیاس آرائی کی جا سکتی ہے۔ ساتھیوں سے وداعی ملاقات کے بعد میں روانہ ہوا۔ جناب گلال بھائی، اعظم خان، مشرف بھائی، حنیف بھائی، کلیم، انس اور بہت سے ساتھی جیل عملہ کی اجازت سے کورنٹی جیوڈشل آفس تک چھوڑنے کے لئے آئے۔ یہاں جیل کے صدر دروازہ سے

دیکھا باہر خوش وخرم عوام کا ہجوم نظر آ رہا تھا۔ جیوڈیشل آفس میں ہمارے وکیل جناب خالد بھائی شیخ اور وکیل جناب جاوید خان پٹھان تشریف فرماں تھے۔ ایک اور وکیل جناب اعجاز قریشی باہر عوام کے درمیان میری رہائی کے طریقہ کار سے عوام کو باخبر کررہے تھے۔ ہمیں جیوڈیشل آفس میں لے جانے کے بعد ضروری قانونی کاروائی پوری کی گئی۔ جیل میں داخلہ کے وقت چہرے اور جسم کے خدوخال نوٹ کئے گئے تھے، اب رہائی پر دوبارہ یہ عمل ہوا۔ جیل میں داخلہ کے وقت جو رقم، گھڑی وغیرہ یہاں جمع کی گئی تھی وہ واپس دی گئی۔ کچھ ہی دیر میں ساری کاروائی مکمل ہو گئی، لیکن سپرنٹنڈنٹ جناب بھگوراصاحب اور مسلمان جیلر کو شاید ہم سے اتنی محبت ہوگئی تھی کہ وہ ہماری رہائی وجدائی کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے! انہوں نے اپنی ساری صلاحیتیں اس کوشش میں صرف کر دی کہ کسی طرح ہمیں روک لیا جائے۔

غیر ملکی قیدیوں کی جانچ وتفتیش کے لئے ہمارے وہاں J.I.C. (جوئنٹ انٹروگیشن سینٹر) بنے ہوئے ہیں۔ ملک کی مختلف تفتیشی ایجنسیاں وہاں ان قیدیوں سے تفتیش کرتی ہیں، اوران کی تسلی کے بعد ہی قیدی کو رہا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جیل کے ان افسران نے اول یہ حربہ آزمایا کہ چاندخان پاکستانی ہے، اس لئے ہم تمہیں رہا نہیں کر سکتے۔ ہمارے وکیلوں نے انہیں بتایا کہ خود کرائم برانچ کی اسٹوری وکاغذات کے مطابق چاندخان یوپی بریلی کا رہنے والا ہے۔ اسی طرح پوٹا کورٹ، ہائی کورٹ، سپریم کورٹ کے کاغذات ودستاویزات میں بھی اسے بریلی کا باشندہ کہا گیا ہے۔ یہی نہیں، جیل کے داخلہ رجسٹر میں بھی اس کا پتہ بریلی لکھا گیا ہے، پھر یہ کیسے پاکستانی ہوگیا؟ اور اگر بالفرض اسے پاکستانی مان بھی لیا جائے تو باقی تین عبدالقیوم، آدم بھائی اور سلیم بھائی کو روکے رکھنے کا کیا جواز ہے؟ وہ حضرات لاجواب ہو گئے۔ پھر کچھ دیر بعد یہ حربہ لائے کہ ان حضرات پر دفعہ 268 لگی ہوئی ہے۔ اسلئے عدالت کی اجازت کے بغیر ہم رہا نہیں کر سکتے۔ یہ واہیات دلیل اُن کا تجاہلِ عارفانہ تھا۔ دفعہ 268 کا وجود قیدی جب تک مقدمہ میں اور جیل میں ہے اسی وقت تک ہے۔ جب مقدمہ ہی ختم ہوگیا اور سپریم کورٹ نے باعزت رہائی کا حکم دیا تو پھر دفعہ 268 کا وجود ہی کہاں رہا؟ جیل عملہ دفعہ 268 کی حقیقت واثر کو بہت ہی اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے۔ لیکن انکا مقصد ہمیں کسی طرح روکنا یا پریشان کرنا تھا۔ خیر ہمارے وکیلوں کے بحث

ومباحثہ اور سمجھانے کے بعد بظاہر دفعہ 268 سمجھ میں آنے کا ڈھونگ کیا۔ لیکن ابھی بھی مایوس نہیں ہوئے اور آپسی کا ناپھنسی کے بعد ایک آخری ہتھیار استعمال کیا اور ہمارے وکیلوں سے کہا ان چاروں حضرات پر اکشر دھام کے علاوہ اور کوئی مقدمہ نہیں ہے آپ اسکی تحریری ضمانت دیجئے۔ اس پر ہمارے وکیل جاوید خان برہم ہوگئے اور انہوں نے اور باہر سے اعجاز قریشی صاحب نے جیل عملہ کو سپریم کورٹ میں شکایت کی دھمکی دی اور کہا کہ اگر آپ فوری طور پر رہا نہیں کرتے تو ہم دوبارہ سپریم کورٹ جارہے ہیں۔ کچھ تو اس دھمکی کا اثر تھا، کچھ جیل کے باہر ہجوم میں اشتعال کا ڈر تھا۔ چنانچہ باہر جمع شدہ ہجوم میں بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔ اور پھر جیل کے یہ دونوں افسر اپنی ناپاک حرکت میں تنہا رہ گئے تھے۔ مجھے ایک افسر نے سرگوشی میں کہا کہ یہ لوگ گاندھی نگر، محکمہ وزارتِ خارجہ، کرائم برانچ، پولیس کمشنر کچہری وغیرہ تمام جگہ فون کر چکے ہیں لیکن کوئی انکا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے سپریم کورٹ کے اس ججمینٹ کے خلاف کوئی بھی سمجھدار شخص ہمیں کیسے روک سکتا ہے؟ بہرحال جب یہ افسران بالکل عاجز و ناامید ہوگئے تو انہوں نے ہمیں سپرنٹنڈنٹ صاحب کی آفس میں طلب کیا۔ ہمارے وکلاء بھی ساتھ تھے۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ہمارے وکیل سے کہا: آپ ہمیں ایک کاغذ میں صرف اتنا لکھ دیجئے کہ ہماری معلومات کے مطابق ان حضرات پر کوئی اور مقدمہ نہیں ہے۔ اس پر میں خاموش نہیں رہ سکا اور میں نے کہا: میں 11 سال سے میں جیل میں ہوں آپ مقدمہ کی بات کرتے ہیں، 11 سال کے اس عرصہ میں اگر مجھ پر کوئی جیل کھٹلہ ہو تب بھی آپ مجھے روک لیجئے۔ (جیل میں خلاف قانون کام کرنے پر جو کاروائی اور سزا دی جاتی ہے اسے جیل کھٹلہ کہا جاتا ہے) میرے کہنے پر بھگوڑا صاحب اور جیلر صاحب تھوڑے سے چوکنا ہوگئے اور کہنے لگے: ہم آپ کو روکنا نہیں چاہتے، ہم تو صرف قانونی کاروائی پوری کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر ہمارے وکیل نے کہا 11 سال سے یہ حضرات آپ کی تحویل میں ہیں۔ ان حضرات پر اور کوئی مقدمہ ہے یا نہیں؟ ہم سے بہتر آپ جانتے ہیں۔ یہ کہہ کر ہمارے وکیل نے لکھنے سے انکار کر دیا۔ لیکن چونکہ رات کے 8:45/8:30 بج رہے تھے، لوگ دوپہر سے باہر بھوکے پیاسے تھکے ماندے امید لگائے بیٹھے تھے اور جیل عملہ کو بھی اس آخری بات پر اس لئے اصرار تھا کہ اب وہ تذبذب کا شکار تھے۔ اور گرفت سے بچنے کے لئے یہ ضمانت

چاہتے تھے۔ لہٰذا ہم نے آپسی مشورہ کے بعد وکیل کو کاغذ پر یہ بات لکھ دینے لئے کہا جس پر ہمارے وکیل جناب جاوید خان پٹھان نے لکھا کہ آج تاریخ 17-5-2014 کو اکشردھام مقدمہ میں سپریم کورٹ کا ججمینٹ اور دیگر تمام قانونی کاروائی مکمل کر کے شام 5:30 بجے سے اپنے مؤکل کی رہائی کے منتظر ہیں۔ ہم نے سپریم کورٹ اور ذیلی عدالتوں کے سارے کاغذات جمع کردئے ہیں۔ ابھی رات کے 8:45 بج رہے ہیں، لیکن اب تک ہمارے مؤکلوں کو رہا نہیں کیا گیا ہے۔ اوران حضرات پر دوسرا مقدمہ نہ ہونے کی ہم سے ضمانت طلب کی جارہی ہے۔ ابھی اتنا لکھا تھا کہ بھگوراصاحب پھر گھبرائے کہ بھائی آپ مجھے پھنساؤ گے۔ یہ سب باتیں کیوں لکھ رہے ہو؟ آپ صرف اتنا لکھو کہ میری معلومات کے مطابق ان پر کوئی دوسرا مقدمہ نہیں ہے۔ بہرحال ہمارے وکیل سے کچھ سطریں کینسل کروائی اور بادِل ناخواستہ ہمیں جانے کے لئے کہا۔ جیسے ہی ہم سپرنٹنڈنٹ کی آفس سے باہر نکل کر آخری خانہ پوری کے لئے جیل کے صدر دروازہ کے کاؤنٹر پر گئے۔ عوام کا ہجوم دروازہ سے قریب دوڑا چلا آیا۔ رجسٹر میں ہمارے نام پکارے گئے اور جیل سے رہائی کی ایک ایک پرچی ہمیں دیکر جانے کے لئے کہا اور 17/5/2014 برابر پونے گیارہ سال کے بعد اللہ رب العزت نے الحمد للہ سنتِ یوسفیؑ پر عمل کراتے ہوئے جیل کی تاریک دنیا سے نجات عطاء فرمائی۔ رات کے 8:45 بجے میں نے اور میرے ساتھیوں نے صدر دروازہ کی کھڑکی جس سے داخل ہوئے تھے آج باری باری باہر قدم رکھا۔ جیل سے باہر میرے قید کے ساتھی حاجی فاروق نے پھولوں کی سیج بچھا کر غالیچہ کی شکل دی تھی، تاکہ ہم اس پر چل کر گاڑی تک جائیں، لیکن جیسے ہی ہم نے جیل سے باہر قدم رکھا پر ہجوم عوام نے غالیچہ کو روند کر رکھ دیا۔

بھائی سلمان، نور بیگ، اختر بھائی، مولانا یحییٰ، میرے بچے اور دیگر حاضرین سے مصافحہ و معانقہ ہوا، اللہ اکبر کی صدائیں لوگوں کے جذبات کی ترجمانی کررہی تھی، میڈیا موجود تھی، ہمارا تعارف وانٹرویو ہوا۔ لیکن شاید یہ ان حضرات کی مجبوری تھی کہ ساری ہی باتوں کو سینسر کردیا گیا۔

بہرحال جیل سے نکل کر سب سے پہلے میں اپنے والد کی آخری آرام گاہ "موٹی سہاگ قبرستان" گیا۔ میرے والد کی قبر پر کھڑے ہوتے ہی انکی پورانی یادیں تازہ ہوگئیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوگیا۔ ایصال ثواب اور مغفرت کی دعاء کے بعد میں دریاپور، لمڑی

چوک، شیخ جی کی مسجد میں گیا۔ وہاں عوام نے جو والہانہ استقبال کیا وہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مسجد سے میں اپنے محسن سلمان اور نور بیگ کے گھر پہونچا۔ ان حضرات کے مجھ پر جو احسانات تھے اس کی ادنیٰ قدر دانی اور احسان شناسی کا یہ تقاضہ تھا۔

وہاں سے میں اپنے پیارے محلے دریاپور، چاروارٹ گیا۔ یہاں پر بھی عوام نے بے انتہاء خوشیوں کا اظہار کیا اور "اللہ اکبر" کے فلک شگاف نعریں لگا کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ میری وہ مسجد جہاں سے ۱۱ر سال قبل مجھے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں کرائم برانچ کے افسران اغوا کر کے لے گئے تھے، اور مسجد کے مصلی بڑی حسرت و بیچارگی سے تکتے رہ گئے تھے۔ آج میری آمد و استقبال کا انتظار کر رہے تھے۔

چنانچہ میں حاجی بخی مسجد گیا، کچھ کلمات کہے اور دعاء کی۔ وہاں سے میں اپنے گھر کے لئے روانہ ہوا۔

صحراء میں پانی اور منزل کی تلاش میں بھٹکنے والا مسافر بڑی محنت و مشقت کے بعد جب واقعی پانی اور منزل کے پاس پہونچ جاتا ہے تو اب تک کے تجربات کی بنیاد پر وہ واقعی پانی اور منزل کو بھی سراب کا دھوکہ سمجھتا ہے۔ اور عین منزل کے قریب پہونچ کر اسکے پیر جواب دے جاتے ہیں۔

۱۱ر سال سے منزل کی تلاش میں بھٹکنے اور امید و بیم کے مراحل سے گذرنے کے بعد اور بار بار رہائی کے خواب دیکھنے اور بیداری پر اپنے آپ کو ان ہی سلاخوں کے پیچھے پایا تھا۔ اسلئے آج واقعی منزل بھی خواب اور سراب کا دھوکا معلوم ہو رہی تھی۔ پیروں میں چلنے کی طاقت نہیں تھی۔ لوگوں کے کندھوں کے سہارے پُر ہجوم عوام کے سیلاب پر تیر رہا تھا، اپنے ارادہ سے ایک قدم آگے پیچھے نہیں ہوسکتا تھا۔ عوام کا ہجوم مجھے بہاتے لے جا رہا تھا، پیر اور زمین دیکھنے کا تو سوال ہی نہیں ہوتا تھا۔

ایام اسیری میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں قید خانہ سے باہر ہوں اور عوام کا اتنا ہجوم ہے کہ نیچے زمین اور پیر نظر نہیں آرہے ہیں۔ میرے پیروں میں چلنے کی طاقت نہیں ہے۔ اور میں بے ساختی جیسے لمبے لکڑے سے ٹیک لگائے لوگوں کے کندھوں کے سہارے عوام کے سیلاب پر بہہ رہا ہوں۔ آج الحمدللہ اپنے خواب کی تعبیر اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے دیکھ رہا تھا۔

اسکے بعد میں آدم شاہ کی مسجد گیا۔ وہاں دعاء کی اور پھر اپنے گھر کی راہ لی۔